ناخُدا

سیّد الشہُدا حضرت اِمام حُسین علیہ السّلام

سیّد حماد رضا بخُاری

ناخدا

سیّدالشہدا حضرت امام حُسین علیہ السلام

سیّد حماد رضا بخاری

جملہ حقوق بحقِ مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب:	ناخدا (سیّد الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام)
تالیف:	سیّد حماد رضا بُخاری
نظرثانی:	حُجۃ الاسلام والمسلمین اظہر حسین بہشتی
پروف ریڈنگ:	شہناز نگینہ بُخاری
پروف ریڈنگ:	ڈاکٹر شاہین صبا بخاری
کمپوزنگ:	حماد بُخاری
طبع اوّل:	اکتوبر ۲۰۲۲ء
تعداد:	۱۰۰۰
ہدیہ:	
ای میل مؤلف:	hrbukhari@hotmail.com
فون نمبر مؤلف:	+92 300 9655650

بخاری پبلشرز

پی/ ۱۴، سادات سرکل، سرگودھا روڈ، ہجویری ٹاؤن

فیصل آباد، پاکستان

ذبحِ عظیم، ابنِ نبیِ خدا، حسین (علیہ السلام)
اس کشتیِ نجات کا ہے ناخدا، حسین (علیہ السلام)

(حماد رضا بخاری)

فہرست

انتساب	۲۳
مقدمہ	۲۴
کوثر	۲۶
آیتِ مباہلہ	۲۸
حضرت اُمّ الفضل (رضی اللہ عنہا) کا خواب	۳۰
ولادتِ امام حسین (علیہ السلام)	۳۱
خداوندِ عالم نے اسے مطہر خلق فرمایا ہے	۳۱
حدیثِ کساء اور آیتِ تطہیر	۳۲
کتاب اللہ اور اہل بیتِ رسول (علیہم السلام)	۳۶
حدیثِ ثقلین	۳۶
امام حسین (علیہ السلام) کے اسمائے گرامی	۳۹
کنیات والقاب	۳۹
نومولود حسین (علیہ السلام) کا فِطرُس پر کرم	۴۰
جبرائیل (علیہ السلام) کی لوری	۴۱
زمانۂ شیر خواری میں غذا	۴۲
جنت کا طعام	۴۲
جنت کا لباس	۴۳
آغوشِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں	۴۳
پشتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر	۴۴

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے محبوب	۴۴
جو مجھ سے محبت کرتا ہے	۴۵
اس گھرانے پر اللہ کی رحمتیں ہیں	۴۶
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گلشنِ حیات کے پھول	۴۶
ہم روزِ قیامت اکھٹے ہوں گے	۴۶
حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْن	۴۶
جان لو کہ یہ حسین (علیہ السلام) بن علی (علیہ السلام) ہے	۴۸
جنتی جوانوں کے سردار	۵۰
حسن وحسین (علیہما السلام) کو گالی مت دینا	۵۰
تمہاری جنگ میری جنگ	۵۱
جس نے ان سے بغض رکھا	۵۲
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بے چینی	۵۳
حسین (علیہ السلام) کو رونے مت دینا	۵۴
اگر حسین (علیہ السلام) روئے تو ملائکہ بھی رونے لگیں گے	۵۴
عرش کی زینت	۵۵
کم سنی میں امام حسین (علیہ السلام) کا اندازِ تعلیم	۵۵
کم سنی میں ایک دقیق شرعی مسئلے کا جواب	۵۶
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد	۵۷
وارثانِ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	۵۸
والدہ گرامی کی رِحلت	۵۸
میرے بابا کے منبر سے اُتر جایئے	۵۹
جنتی کو دیکھنا ہو تو حسین (علیہ السلام) کو دیکھ لو	۶۰
نُورِ حسینی (علیہ السلام)	۶۰
سیّدہ کائنات (علیہا السلام) سے مشابہت	۶۱
نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مماثلت	۶۱

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے مشابہت	۶۲
ریشِ مبارک	۶۲
عمامہ مبارک	۶۳
لباس مبارک	۶۳
انگشتری مبارک	۶۴
امام حسین (علیہ السلام) بابا کے دَورِ خلافت میں	۶۴
جنگِ جمل	۶۶
جنگِ صفین	۶۸
جنگِ نہروان	۷۰
بابا کی شہادت	۷۰
امیر المومنین (علیہ السلام) کی بیٹوں کو وصیت	۷۱
امام حسین (علیہ السلام) اور عباس علمدار (علیہ السلام)	۷۲
امام حسین (علیہ السلام) اور امام حسن (علیہ السلام)	۷۵
امام حسین (علیہ السلام) نے امام حسن (علیہ السلام) کی طرح صلح کیوں نہ کی؟	۷۶
بنواُمیہّ کا امیر المومنین (علیہ السلام) پر سب وشتم	۷۷
شہادتِ امام حسن (علیہ السلام)	۷۸
اشعث بن قیس کندی	۸۴
امامتِ امام حسین (علیہ السلام)	۸۴
اخلاقِ امام حسین (علیہ السلام)	۸۴
پانی کا معاوضہ	۸۵
ضعیفہ کی مہمان نوازی کا بدلہ	۸۵
فقیروں کی دعوت	۸۶
سخاوتِ امام حسین (علیہ السلام)	۸۷
شاعر فرزدق پر عنایت	۸۷

بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں پر کرم	۸۸
شہزادے کے معلم کو انعام	۸۸
ولید کو بخشش	۸۸
کنیز کی آزادی	۸۹
غلام کی آزادی	۸۹
یہودی کے غلام کی آزادی	۸۹
محمد وآلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نزدیک کنیز اور غلام کا تصور	۹۰
قرضدار کی مدد	۹۲
بھائی کے ساتھ صلہ رحمی	۹۲
حج اور سواری کے جانور	۹۳
چند معجزاتِ امام (علیہ السلام)	۹۳
امام (علیہ السلام) کے لعابِ دہن کی برکت	۹۳
دعائے امام (علیہ السلام) سے مرحومہ زندہ ہوگئی	۹۳
اعرابی کا امتحان	۹۴
قاتلوں کی شناخت	۹۴
مشورہ	۹۵
بیمار کی عیادت	۹۵
شیر خوار بچے کی گواہی	۹۵
سیاہ فام غلام کے لیے دُعا	۸۵
بارش کے لیے دُعا	۹۶
عبادتِ امام (علیہ السلام) اور خشیتِ الٰہی	۹۷
ہم وارثِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں	۹۸
ازواجِ امام حسین (علیہ السلام)	۹۸
حضرت شہربانو (علیہا السلام)	۹۹

حضرت لیلیٰ (علیہا السلام)	۹۹
حضرت رباب (علیہا السلام)	۱۰۰
حضرت اُمّ جعفر (علیہا السلام)	۱۰۰
حضرت اُمّ اسحاق (علیہا السلام)	۱۰۰
اولادِ امام حسین (علیہ السلام)	۱۰۱
حضرت علی اکبر (علیہ السلام)	۱۰۱
حضرت علی اوسط (علیہ السلام)	۱۰۳
حضرت علی اصغر (علیہ السلام)	۱۰۵
حضرت عبداللہ (علیہ السلام)	۱۰۵
حضرت محمد (علیہ السلام)	۱۰۵
حضرت جعفر (علیہ السلام)	۱۰۵
حضرت زینب بنت الحسین (علیہا السلام)	۱۰۶
حضرت سکینہ بنت الحسین (علیہا السلام)	۱۰۶
حضرت فاطمہ بنت الحسین (علیہا السلام)	۱۰۶
شہادتِ امام حسین (علیہ السلام) کی پیشگی خبریں	۱۰۷
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خبر	۱۰۷
امیر المومنین حضرت علی (علیہ السلام) کو خبر	۱۱۱
حضرت فاطمۃ الزہرا (علیہا السلام) کو خبر	۱۱۲
حضرت آدم (علیہ السلام) کو خبر	۱۱۳
حضرت نوح (علیہ السلام) کو خبر	۱۱۴
حضرت زکریا (علیہ السلام) کو خبر	۱۱۵
حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو خبر	۱۱۶
حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کو خبر	۱۱۷
حضرت سلیمان (علیہ السلام) کو خبر	۱۱۸

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو خبر	۱۱۸
حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو خبر	۱۱۹
حضرت امام حسین (علیہ السلام) کو خبر	۱۱۹
کعب الاحبار کی روایت	۱۱۹
امام حسین (علیہ السلام) کے قاتلوں سے اللہ کا انتقام	۱۲۰
حاکمِ شام کا یزید کے لیے بیعت کا منصوبہ	۱۲۰
یزید پلید	۱۲۱
مخالفین کو تشویش	۱۲۳
مروان بن حکم	۱۲۵
وفاتِ معاویہ اور یزید کا خط	۱۲۷
الوداع مدینہ	۱۲۸
مستوراتِ بنی ہاشم کی آمد	۱۳۰
اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) کی آمد	۱۳۰
جابر بن عبداللہ انصاری (رضی اللہ عنہ) کی آمد	۱۳۰
بھائی عمر بن علی (رضی اللہ عنہ) کی آمد	۱۳۱
بھائی محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) کی آمد	۱۳۱
ملائکہ اور جنات کی آمد	۱۳۳
مدینہ میں کتنی راتیں	۱۳۴
وصیتوں اور امانتوں کی سپردگی	۱۳۵
ورودِ مکہ	۱۳۵
عبداللہ بن زبیر	۱۳۷
حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام)	۱۳۹
عبیداللہ ابنِ زیاد	۱۴۲
ابنِ زیاد کے قتل کا منصوبہ	۱۴۳

حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کی گرفتاری اور شہادت	۱۴۵
الوداع مکہ	۱۴۹
امام (علیہ السلام) کے قافلے کی تعداد	۱۵۱
منازلِ سفر	۱۵۱
شاعر فرزدق	۱۵۳
یحییٰ بن سعید	۱۵۴
قافلے والے	۱۵۴
حضرت عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہ) اور اُن کے بیٹے	۱۵۵
بشر بن غالب اسدی	۱۵۵
قیس بن مسہر صیداوی (رضی اللہ عنہ)/عبداللہ بن یقطر (رضی اللہ عنہ)	۱۵۶
عبداللہ بن مطیع عدوی	۱۵۷
زُہیر بن قین (رضی اللہ عنہ)	۱۵۸
منزل ثعلبیہ اور ہاتف غیبی	۱۵۹
وہب بن عبداللہ کلبی (رضی اللہ عنہ)	۱۶۰
مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) اور ہانی بن عروہ (رضی اللہ عنہ) کی خبر	۱۶۱
منزل زبالہ پر اصحابِ باوفا (رضی اللہ عنہم) سے ملاقات	۱۶۲
عبداللہ بن یقطر (رضی اللہ عنہ) کی خبر	۱۶۳
عمرو بن نوذان	۱۶۳
حُر کی مزاحمت	۱۶۴
طرماح بن عدی (رضی اللہ عنہ)	۱۶۶
قیس بن مسہر (رضی اللہ عنہ) کی خبر	۱۶۷
عبیداللہ بن حُر جعفی	۱۶۸
نینویٰ و کربلا	۱۶۹
خیامِ حسینی	۱۷۴

عمر بن سعد بن ابی وقاص	۱۷۴
یزیدی لشکر کی تیاری	۱۷۸
امام حسین (علیہ السلام) اور ابنِ سعد کی ملاقات	۱۷۹
عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے	۱۸۲
حبیب ابنِ مظاہر (رضی اللہ عنہ) اور بنی اسد کی کوششِ ناکام	۱۸۲
حبیب ابنِ مظاہر (رضی اللہ عنہ)	۱۸۳
عبداللہ بن حَصین ازدی	۱۸۴
میٹھے پانی کا چشمہ	۱۸۵
امام حسین (علیہ السلام) اور ابنِ سعد کی دوسری ملاقات	۱۸۵
حضرت زینب (علیہا السلام) کی بے چینی	۱۸۷
حضرت زینب (علیہا السلام)	۱۸۸
حضرت عباس (علیہ السلام) کی سقائی	۱۹۱
شمر بن ذی الجوشن	۱۹۲
امان نامے	۱۹۲
یومِ تاسوعا افواجِ یزید کی پیش قدمی	۱۹۴
شبِ عاشور	۱۹۶
حضرت سکینہ (علیہا السلام)	۲۰۲
حضرت اُمّ کلثوم (علیہا السلام)	۲۰۵
حضرت بُریر بن خضیر ہمدانی (رضی اللہ عنہ) کی سقائی	۲۱۰
شبِ عاشورہ سخاوتِ امام حسین (علیہ السلام)	۲۱۱
خیام حسینی کی ترتیبِ نو اور خندق	۲۱۲
نافع (رضی اللہ عنہ) بن ہلال! نکل جاؤ	۲۱۳
نصرت کی دعوت اور رخصت کی اجازت؟	۲۱۴
امام (علیہ السلام) کے گریہ کرنے کی وجہ؟	۲۱۵

چپت کبرا کتا	۲۱۶
بُریر (رضی اللہ عنہ) یا حبیب بن مظاہر (رضی اللہ عنہ) کی چھیڑ چھاڑ	۲۱۶
امام حسین (علیہ السلام) کا لباسِ عاشورہ	۲۱۷
روزِ عاشورہ اذان اور نمازِ فجر	۲۱۷
اہلِ حرم کے درمیان	۲۱۸
حسینی سپاہ	۲۱۹
یزیدی لشکر	۲۲۳
خندق میں آگ روشن کردو	۲۲۵
جبیرہ کلبی	۲۲۵
عبداللہ بن جوزہ تمیمی	۲۲۶
مسروق بن وائل	۲۲۶
امام حسین (علیہ السلام) کا استغاثہ اور جنات، ملائکہ اور ارواحِ انبیا (علیہم السلام) کی آمد	۲۲۷
بُریر (رضی اللہ عنہ)! تم جا کر حُجّتِ خدا تمام کرو	۲۲۸
امام حسین (علیہ السلام) کا یزیدی فوج سے خطاب	۲۲۸
حُر (رضی اللہ عنہ) میں تغیّر	۲۳۱
حُر (رضی اللہ عنہ) بن یزید ریاحی	۲۳۳
حُر (رضی اللہ عنہ) کی حاضری	۲۳۴
عمر بن سعد کا پہلا تیر اور آغازِ جنگ	۲۳۶
فتح یا لقائے الٰہی؟	۲۳۶
عبداللہ بن عمیر کلبی (رضی اللہ عنہ)	۲۳۷
وہب بن عبداللہ بن خباب کلبی (رضی اللہ عنہ)	۲۳۹
وہب بن وہب، اُن کی والدہ اور زوجہ (رضی اللہ عنہم)	۲۴۰
ایک نوجوان کی شہادت	۲۴۳
اذنِ جہاد کے بعد	۲۴۳

پسرِ حُر (رضی اللہ عنہ) کی شہادت	۲۴۴
حضرت حُر (رضی اللہ عنہ) کی شہادت	۲۴۵
بُریر بن خُضیر ہمدانی (رضی اللہ عنہ) کی شہادت	۲۴۶
مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) کی شہادت	۲۴۷
عمرو بن قرطہ انصاری (رضی اللہ عنہ) کی شہادت	۲۴۹
نافع بن ہلال (رضی اللہ عنہ) کی شہادت	۲۴۹
اجتماعی حملہ	۲۵۰
پہلے حملے کے شہدائے کرام	۲۵۲
حضرت عباس علمدار (علیہ السلام) کا ایک اور حملہ	۲۵۴
امام حسین (علیہ السلام) کا استغاثہ اور یزیدی فوجی	۲۵۵
خیموں کو آگ لگا دو	۲۵۵
نمازِ ظہر	۲۵۶
نمازِ ظہر کے بعد امام (علیہ السلام) کا اپنے ساتھیوں سے خطاب	۲۵۷
جَون حبشی (رضی اللہ عنہ) کی شہادت	۲۵۸
زہیر بن قین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت	۲۵۹
حبیب ابنِ مظاہر (رضی اللہ عنہ) کی شہادت	۲۶۱
انصارِ امام حسین (علیہ السلام) کے اسمائے گرامی	۲۶۴
بنو ہاشم کی شہادتیں	۲۸۴
حضرت علی اکبر بن الحسین (علیہ السلام) کی شہادت	۲۸۵
حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت	۲۸۶
حضرت محمد بن مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت	۲۸۷
حضرت جعفر بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت	۲۸۷
حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت	۲۸۷
حضرت عبداللہ بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت	۲۸۸

حضرت عبداللہ اکبر بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت	۲۸۸
حضرت محمد بن ابی سعید بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت	۲۸۸
حضرت جعفر بن محمد بن عقیل (علیہ السلام) اور علی بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت	۲۸۸
حضرت محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار (علیہ السلام) کی شہادت	۲۸۸
حضرت عون بن عبداللہ بن جعفر طیار (علیہ السلام) کی شہادت	۲۸۸
حضرت عبداللہ بن جعفر طیار (علیہ السلام) کی شہادت	۲۸۹
حضرت قاسم بن امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت	۲۸۹
حضرت عبداللہ بن امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت	۲۹۱
حضرت ابوبکر بن امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت	۲۹۱
حضرت حسن مثنیٰ بن امام حسن (علیہ السلام)	۲۹۲
حضرت ابوبکر بن امام علی (علیہ السلام) کی شہادت	۲۹۲
حضرت عمر بن امام علی (علیہ السلام) کی شہادت	۲۹۳
حضرت عثمان بن امام علی (علیہ السلام) کی شہادت	۲۹۳
حضرت جعفر بن امام علی (علیہ السلام) کی شہادت	۲۹۳
حضرت عبداللہ بن امام علی (علیہ السلام) کی شہادت	۲۹۴
حضرت اصغر بن امام علی (علیہ السلام) کی شہادت	۲۹۴
حضرت ابراہیم بن امام علی (علیہ السلام) کی شہادت	۲۹۴
حضرت ابوالفضل عباس علمدار بن امام علی (علیہ السلام) کی شہادت	۲۹۵
ایک معصوم کی شہادت	۲۹۷
حضرت امام زین العابدین/علی بن الحسین (علیہ السلام)	۲۹۷
حضرت عبداللہ/حضرت علی اصغر بن الحسین (علیہ السلام) کی شہادت	۲۹۷
شہدائے بنی ہاشم	۳۰۰
الوداع اہلِ حرم	۳۰۱
امام عالی مقام (علیہ السلام) میدانِ جنگ میں	۳۰۲

مبارَزَت	۳۰۳
اجتماعی حملہ	۳۰۴
فرات پر تَصَرُّف	۳۰۴
یزیدی حملے میں تیزی	۳۰۵
شہادتِ عظمیٰ	۳۰۵
سرخ وسیاہ آندھی	۳۰۸
ملائکہ کی فریاد	۳۰۸
امام حسین (علیہ السلام) کے زخموں کی تعداد	۳۰۸
امام حسین (علیہ السلام) کے لباس پر ڈاکہ	۳۰۹
ذوالجناح	۳۱۰
خیامِ حسینی میں لُوٹ مار	۳۱۱
حضرت امام زین العابدین (علیہ السلام) کو شہید کرنے کی کوشش	۳۱۴
حضرت زینب (علیہا السلام) کا گریہ	۳۱۶
حضرت سکینہ (علیہا السلام) اور شہید باپ کا سینہ	۳۱۷
لاشوں کی پامالی	۳۱۷
سرہائے شہیداں، اہلِ حرم، مقتل اور تدفین	۳۱۸

تقریظ

حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ اظہر حسین بہشتی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ پیغمبرا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نظام کو تیئیس (۲۳) سال کے عرصہ میں دُنیا والوں تک پہنچایا اور نافذ کیا۔ اسلام کو حیاتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی دو طرح کے خطرات درپیش تھے:

۱) بیرونی دشمن کا خطرہ۔

۲) اندرونی دشمن کا خطرہ۔

بیرونی دشمن سے مراد وہ عناصر ہیں جو نظامِ اسلام سے باہر ہیں اور اسلام پر حملہ آور ہوتے ہیں، چاہے وہ ملک کے اندر ہی کیوں نہ ہوں۔ دوسرا اندرونی دشمن یعنی خود نظامِ اسلام کے اندر انتشار پیدا کرنے والا۔ یہ کام غیروں کا نہیں بلکہ اپنوں کا ہوتا ہے۔ ایسا دشمن نظام میں تحریف کرتا ہے، تغیّر و تبدّل کرتا ہے اور یہ سب کچھ اس لئے انجام دیتا ہے کہ وہ دُنیا کا اسیر ہو جاتا ہے اور خواہشاتِ نفسانی اُس پر غالب آجاتی ہیں۔ اسلام نے ان دونوں دشمنوں (اندرونی دشمن اور بیرونی دشمن) کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔

یَآاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الۡکُفَّارَ وَالۡمُنَافِقِیۡنَ ... ○

اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے... (سورۃ التوبہ، آیت: ۷۳)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ظاہری حیات میں ہمیشہ ان دونوں قسم کے دشمنوں سے برسرِ پیکار رہے۔ اسلام چونکہ خدا کا پسندیدہ دین ہے اور یہی دین قیامت تک کے لئے باقی رہنا ہے چنانچہ ضرورت اس امر کی تھی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد بھی

ایسا سسٹم ہو جو اس نظامِ اسلام کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری حج کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی ولایت و امامت کا اعلان کر کے اُس سسٹم کو متعارف کروایا جس نے اسلام کو اپنی اصلی شکل میں باقی رکھنا تھا۔ اسی وجہ سے آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ○

آج میں نے تمہارے لئے دِین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے دِین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کر لیا ہے۔ (سورۃ المائدہ، آیت: ۳)

یعنی قیامت تک کے لئے جس نظام نے اسلام کی حفاظت کرنا تھی وہ نظام، نظامِ ولایت و امامت دے دیا۔ یہی وجہ تھی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی جو اس نظام کے وارث تھے، ان دونوں محاذوں پر جہاد کیا۔

پہلا محاذ بیرونی دشمن کا تھا جو اس زمانے کے باطل نظامِ خلافت اور نظامِ سلطنت سے چمٹے ہوئے دُنیا طلب لوگوں پر مشتمل تھا جو انسانوں کی نجات کے لئے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے گئے راستے کے بالکل مخالف سمت چلنا چاہتے تھے۔ دوسرا محاذ یعنی اندرونی دشمن۔ اس دَور کے معاشرے کی عمومی صورتِ حال یہ تھی کہ پورا معاشرہ نفسانی خواہشات پر عمل کرتے ہوئے اس اندرونی فساد کی جانب چل پڑا تھا۔ جب ہم کسی سسٹم کی اندرونی خرابی کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں ایسے افراد جنم لیتے ہیں جو آہستہ آہستہ اخلاقی بیماریوں، مادیت پرستی اور شہوت پرستی وغیرہ کو معاشرے میں پھیلاتے ہیں۔ یزید بن معاویہ بھی انھیں میں سے ایک تھا۔ اُس کے ظالمانہ اور جابرانہ دورِ حکومت میں یہ ممکن نظر نہیں آ رہا تھا کہ کوئی شخص شجاعت، بہادری اور جرأت کے ساتھ اُس کی حکومت کے خلاف آواز بلند کر سکے۔ ممکن کیا؟ کسی نے یزید کی ظالم اور جابر حکومت کے خلاف آوازِ حق بلند کرنے کا سوچا بھی نہیں تھا۔ اور جنھوں نے یہ کارنامہ انجام دیا اور اسلام کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو ساحلِ نجات تک پہنچایا وہ حسین ابنِ علی علیہ السلام تھے۔ اور وہی اس سفینۂ اسلام کے ناخدا تھے۔ فرزندِ رسول، دلبندِ علی و بتول حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسلام کے ظاہری دشمن سے بھی جنگ کی اور عام مسلمانوں کو تباہی اور انحراف کی طرف لے جانے والی اندرونی برائیوں، عیاشیوں اور راحت طلبی سے بھی جنگ کی۔

قارئین کرام! آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب انہیں حالات کی عکاسی کرتی ہے۔ ہمارے برادرِ محترم سیّد حماد رضا بخاری

صاحب نے بہترین کاوش کی ہے اور اسے معتبر منابع اور مآخذ سے حاصل کر کے تحریر کیا ہے۔

برادرِ محترم سیّد حماد رضا بخاری صاحب کو خداوند متعال نے توفیق عطا فرمائی کہ آپ نے سب سے پہلے درود وسلام کے حوالے سے کتب ''صَلُّوا عَلَيۡهِ وَسَلِّمُوا تَسۡلِيمًا'' اور ''صَلُّوا عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ'' تالیف کیں پھر رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیدت کے مزید اظہار کے لئے حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مبنی کتاب ''بَلَغَ الۡعُلٰى بِكَمَالِهٖ'' تالیف کی۔

ان کی دیگر کتب ''رَبَّنَا'' اور ''نمازِ شب'' کے بعد ''ناخدا، سید الشہدا امام حسین علیہ السلام'' ان کی تازہ ترین کاوش ہے جس میں انہوں نے اپنی کاروباری مصروفیات کے باوجود عرق ریزی سے کام کیا اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

قارئین کرام! اس کتاب کے مطالعہ کے دوران آپ خود محسوس کریں گے کہ کتاب پر کس قدر محنت کی گئی ہے۔ اس کتاب کی تالیف پر یقیناً مؤلف، حضرت امام حسین علیہ السلام کی والدۂ گرامی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شفاعت کے مستحق قرار پائے ہیں۔ خداوند متعال انہیں آئندہ بھی اس سلسلۂ علمی کو آگے بڑھانے کی توفیق نصیب فرمائے۔

دعا ہے کہ پروردگارِ عالم ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور ان کی سعیِ جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔

آمین۔ والسلام

اظہر حسین بہشتی

مدرسہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام، فیصل آباد

۱۱ جولائی ۲۰۲۳

انتساب

امام حسین (علیہ السلام) کے وفادار اور جانثار بھائی
حضرت ابوالفضل عباس علمدار (علیہ السلام)،
اور کربلا میں
اُن کی رکاب میں لڑتے ہُوئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے
اَمر ہو جانے والے
عظیم المرتبت اصحابِ حسین (رضی اللہ عنہم) کے نام

مقدمہ

ایک سفینہ،سفینۂ نوح، نبیِ خدا حضرت نوح (علیہ السلام) نے تیار کیا تھا جس میں اُنھوں نے مخلوقِ خُدا کوسوار کر کے طوفانِ عظیم سے بچایا،اور حیاتِ نوبخشی۔ دوسرا سفینہ، سفینۂ اسلام، پیغمبرِ آخر واعظم جناب محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بنایا جس میں اُنھوں نے اُمّت کوسوار کر کے منزلِ حقیقی کی طرف روانہ کیا۔ رسول معظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رحلت کے بعد یہ سفینہ تند و تیز لہروں کی زد میں رہا،اور بالآخر سنہ ۶۱ ہجری میں باطل کے ایک بھیانک طوفان کی لپیٹ میں آ گیا۔ اُس وقت اس کا غرق ہو جانا یقینی تھا مگر اس کے ناخدا حسین ابنِ علی (علیہ السلام) نے اپنی اور اپنے عزیز و اقارب کی جانوں کو دینِ اسلام کی بقا پر قربان کر کے اسے پار لگا دیا۔ میرے نزدیک حسین ابنِ علی (علیہ السلام) نہ ہوتے تو سفینۂ اسلام ۶۱ ہجری میں غرق ہو چکا ہوتا۔

حضرت ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

''إِنَّمَا مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِي فِيكُمْ كَمَثَلِ سَفِينَةِ نُوحٍ ط مَنْ دَخَلَهَا نَجَى ط وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ ○''

(تمھارے درمیان میرے اہلبیت (علیہم السلام) کی مثال نوح (علیہ السلام) کے سفینے کی طرح ہے، جو بھی اس میں داخل ہوتا ہے نجات پاتا ہے،اور جو سوار ہونے سے روگردانی کرتا ہے وہ غرق اور نابود ہو جاتا ہے۔)[1]

کتابِ ہٰذا کی تالیف کے دوران میری ہر ممکن کوشش رہی ہے کہ اس میں کوئی متنازعہ مضمون شامل نہ ہو جو کسی کی دِل آزاری کا باعث ہو۔ تاہم اگر کہیں ایسا کوئی مواد شامل ہو گیا ہے تو وہ کسی روایت کو نقل کرتے ہُوئے غیر ارادی طور پر اور سہواً ہُوا ہے،جس میں قلمی بددیانتی شامل نہیں۔ مزید برآں، واقعۂ کربلا سے متعلق روایات و واقعات کے تسلسل، مقامات، اعداد و شمار اور شخصیات کے ناموں، کنیات یا القاب میں فرق ہو سکتا ہے کیونکہ مختلف مؤرخین نے یہ واقعات اپنی اپنی تحقیق اور صوابدید کے مطابق لکھے ہیں اور بار بار شائع ہونے کی وجہ سے ان میں کتابت کی غلطیوں کا امکان ہو سکتا ہے، جبکہ حقیر نے تو محض انھیں اپنے موضوع کے مطابق تالیف کرنے کی ایک کوشش کی ہے۔ پس قارئین کرام سے گزارش ہے کہ کسی غلطی کی صورت میں ضرور مطلع فرمائیں۔

سیّد حماد رضا بخاری
فیصل آباد
۱۴ اکتوبر، ۲۰۱۶ء

---

[1] شیخ حر عاملی، (متوفی: ۱۱۰۴ھ، مشہد مقدس، ایران)، وسائل الشیعہ، ج ۲۷ ص ۳۵
شیخ محمد بن حسن طوسی، (متوفی: ۴۶۰ھ، نجف اشرف، عراق)، الامالی ص ۶۳۳؛ ابو منصور احمد بن علی طبرسی، الاحتجاج، ج ۱ ص ۲۷۳
حسن بن ابی الحسن دیلمی، (متوفی: قرن ہشتم ہجری)، ارشاد القلوب، ج ۲ ص ۳۰۶
ابنِ بابویہ شیخ صدوق، (متوفی: ۳۸۱ھ، رے، ایران)، عیون اخبار الرضا، ج ۲ ص ۲۷؛ الامالی، ص ۲۶۹، حدیث ۱۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ○
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ
وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ
وَآلِہِ الطَّیِّبِیۡنَ الطّٰھِرِیۡنَ الۡمَعۡصُوۡمِیۡنَ ○

کوثر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ○ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ○ [1]

(شروع نہایت مہربان اور رحم کرنے والے اللہ کے نام سے۔ بیشک ہم نے ہی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کوثر عطا فرمائی۔ لہٰذا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے رَب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی دیں۔ یقیناً آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دشمن ہی بے اولاد رہے گا۔)

مندرجہ بالا سورۂ مبارکہ مکہ میں نازل ہُوا، اِس کے شانِ نزول سے متعلق روایت ہے کہ جناب رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسجد الحرام سے باہر تشریف لائے تو ایک مشرک سردار عاص بن وائل نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ملاقات کی، اور بہت دیر تک گفتگو کرتا رہا۔ سردارانِ قریش کا ایک گروہ دُور سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ عاص بن وائل بات چیت سے فارغ ہو کر اُن کے پاس پہنچا تو اُنھوں نے پوچھا کہ تُو کس سے گفتگو کر رہا تھا؟ اُس کے مُنہ میں خاک، اُس نے کہا، ''اُس اَبتر سے۔'' (معاذ اللہ)۔ اُس نے ایسا اس لیے کہا تھا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فرزند حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) دُنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اور عرب ایسے شخص کو جس کا کوئی بیٹا نہ ہوتا ''اَبتر'' یعنی مقطوع النسل کہا کرتے تھے۔ پس، قریش نے رسول معظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فرزند کی وفات کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ''اَبتر'' کہنا شروع کیا تو یہ سُورۃ مبارکہ نازل ہُوا، ربِ کریم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ''کوثر'' کی بشارت دی، اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دشمنوں کو اَبتر قرار دیا۔ [2]

یہاں کوثر سے مُراد سیّدہ فاطمۃ الزہرا (علیہا السلام) کی اولادِ عظام ہے۔ آیت اللہ مکارم شیرازی، ''تفسیر نمونہ'' میں بیان کرتے ہیں کہ ''کوثر'' کی مندرجہ ذیل تفاسیر کی گئی ہیں: [3]

۱) جنت کی ایک نہر، جو دُودھ سے زیادہ سفید اور بلور سے زیادہ شفاف ہے، اور جس کے اطراف میں دُر و یاقوت کے قُبّے ہیں۔

---

[1] سورۃ الکوثر

[2] آیت اللہ مکارم شیرازی، (ولادت: ۱۹۲۷ء) تفسیر نمونہ، جلد ۱۵ ص ۵۱۰

فضل بن حسن طبرسی، (متوفی: ۵۴۸ھ، مشہد، ایران) مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۱۰ ص ۵۴۹

[3] آیت اللہ مکارم شیرازی، (ولادت: ۱۹۲۷ء، شیراز، ایران) تفسیر نمونہ، جلد ۱۵ ص ۵۱۳

مولانا سیّد ظفر حسن، (ولادت: ۱۳۰۷ھ، ہندوستان، وفات: کراچی) تفسیر القرآن، ج ۵ ص ۴۲۶

۲) حوضِ کوثر، جس سے مومنین، جنت میں داخل ہوکر سیراب ہوں گے۔

۳) نبوّت۔

۴) قرآن کریم۔

۵) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب وانصار کی کثرت۔

۶) شفاعت۔

۷) بے شمار نعمتیں۔

۸) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد و ذُرِّیّت، جو سب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دُختر جناب فاطمہ زہرا (علیہا السلام) سے وجود میں آئی اور تعداد میں اس قدر بڑھ گئی ہے کہ حساب وشمار سے باہر ہو چکی ہے؛ اور جو قیامت تک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وجود کی یادگار ہے۔

(جبکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اَبتر کہنے والے نابُود ہو چکے ہیں، اور اُن کی کوئی آل واولاد اور نسل روئے زمین پر کہیں نہیں ملتی، اور اگر کہیں ہے بھی تو بے نام ونشان ہے۔ مؤلف)

قومی تاریخی وادبی وِرثہ ڈویژن پاکستان کی شائع کردہ اُردو لغت میں کوثر کے مندرجہ ذیل معانی بیان گئے ہیں:

۱) بہشت کی ایک نہر کا نام جو اُس کے اندر جاری ہے، چشمہ اور حوض کا نام۔

۲) کوثر کا پانی، آبِ کوثر۔

۳) قرآن مجید کی ایک سُورت کا نام۔

۴) کنایۃً مایۂ خیرِ کثیر، نیز خیرِ کثیر، مُراد: قرآن مجید۔

۵) بہت زیادہ، مُراد ہے کثرتِ اولاد (بے اولاد کے بالمقابل)۔

مندرجہ بالا معانی وتفاسیر سے ظاہر ہے کہ کوثر کے مفہوم میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے، اور کسی دوسرے معنی کو اس سُورۂ مبارکہ کے شانِ نزول سے کوئی ربط نہیں، سوائے آخری تفسیر کثرتِ اولاد کے، جو کہ صحیح ہے۔ چنانچہ اس آخری معنی کے صحیح ہونے کی وجہ اُس وقت عیاں ہو جائے گی جب سورۂ کوثر کی شانِ نزول پر غور کیا جائے۔ پس یہی وجہ ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد کا سلسلہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صاحبزادی فاطمہ (علیہا السلام) سے چلا، اور خدا نے اُنھیں کی اولاد کو اولادِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قرار دیا۔

سیّدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہراء (علیہا السلام) سے مروی ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ ہر عورت کے بیٹوں کا خاندان ہوتا ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتے ہیں سوائے فاطمہ (علیہا السلام) کی اولاد کے، پس میں ہی اُن کا وَلی ہوں، اور میں ہی اُن کا نسب ہوں؛ اور بروایتے یوں فرمایا کہ ہر عورت کے بیٹوں کی نسبت اُن کے باپ کی طرف ہوتی ہے سوائے فاطمہ (علیہا السلام) کی اولاد کے کیونکہ میں ہی اُن کا نسب ہوں، اور میں ہی اُن کا باپ ہوں۔ حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے بھی

مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ ہر ماں کے بیٹوں کا آبائی خاندان ہوتا ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتے ہیں سوائے فاطمہ (علیہا السلام) کے بیٹوں کے، کیوں کہ میں ہی اُن کا وَلی، اور میں ہی اُن کا نسب ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے بھی روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حسن اور حسین (علیہما السلام) کے ہاتھ پکڑے، اور فرمایا، ''یہ میرے بیٹے ہیں۔'' ایک روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے حسب ونسب کے سوا ہر سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ ہر بیٹے کی باپ کی طرف نسبت ہوتی ہے سوائے اولادِ فاطمہ (علیہا السلام) کے، کیوں کہ اُن کا باپ بھی میں ہوں، اور اُن کا نسب بھی میں ہی ہوں۔ چنانچہ شیعہ وسُنی روایات کے مطابق حسین (علیہ السلام) ''مباہلہ'' میں بھی اپنے بھائی جناب حسن (علیہ السلام) کے ساتھ ''اَبْنَاءَنَا'' کے مصداق ہیں؛ اور جناب فاطمہ زہرا (علیہا السلام) کی اولادِ عظام کے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد ہونے سے متعلق کئی احادیثِ مبارکہ وارد ہیں جن پر آیتِ مباہلہ بھی دلالت کرتی ہے۔ [۱]

آیتِ مباہلہ

مباہلہ کا واقعہ متواترات سے ہے یعنی اسے خاصہ وعامہ نے احادیث، تفاسیر اور تواریخ کی کتب میں اس کی خصوصیات میں تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ درج کیا ہے۔ بقولے یہ واقعہ ۲۴ ذی الحجہ ۹ ہجری کو پیش آیا۔ [۲]

روایت ہے کہ نصارائے نجران کے شرفا کی ایک جماعت حضرت سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اُس جماعت کے سربرآوردہ تین اشخاص تھے، ایک عاقب جو اُن کا سردار اور صاحبِ علم ورائے تھا، دُوسرا عبدالمسیح جس سے نجران کے ہاں تمام مشکل اُمور میں مدد لی جاتی تھی، اور تیسرا ابوحارثہ جو اُن کا پیشوا اور عالم تھا۔ اُنھوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بات چیت شروع کی، اور تمام دن آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوالات اور مناظرات کرتے رہے۔

آخر میں اُن کے ایک عالم نے کہا: ''یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسیح (علیہ السلام) کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

فرمایا: ''وہ خدا کے بندے اور اُس کے رسول تھے۔''

---

[۱] حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، اصفہان، ایران)، معجم الکبیر، ۳: ۴۴

حافظ نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی، (متوفی: ۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد، ۴: ۲۲۴

ابوعلی محمد بن علی بدرالدین شوکانی، (متوفی: ۱۲۵۰ھ، صناء، یمن)، نیل الاوطار، ۶: ۱۳۹

محمد بن اسماعیل صنعانی، (متوفی: ۱۱۸۲ء، صناء، یمن)، سبل السلام

[۲] محمد بن محمد بن نعمان شیخ المفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۱، ص ۱۶۶-۱۷۱

محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ھ، حلب)، مناقب، ج ۳ ص ۱۴۴

اُنھوں نے کہا: ''کیا کبھی کوئی بچّہ بغیر باپ کے پیدا ہُوا ہے؟''
اُس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

''اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۵۹﴾''

(بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السّلام) کی مثال آدم (علیہ السّلام) کی سی ہے کہ اللہ نے اُنھیں مٹی سے پیدا کیا پھر حکم دیا کہ ہوجا، سووہ ہوگیا۔) [۱]

مگر اُنھوں نے اس دلیل کو ماننے سے انکار کردیا، اور بے جا بحث و مباحثہ کرنے لگے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اُنھیں سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ برابر انکار کرتے چلے گئے۔ جب اُن کا انکار حد سے تجاوز کرگیا تو خالقِ دوعالم نے یہ حکم نازل فرمایا: [۲]

''فَمَنۡ حَآجَّکَ فِیۡہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمۡ وَ اَنۡفُسَنَا وَ اَنۡفُسَکُمۡ ۟ ثُمَّ نَبۡتَہِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۶۱﴾''

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! اس معاملے میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پاس (واضح) علم آجانے کے باوجود جو لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے حُجّت بازی کریں تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اُن سے کہیں کہ آؤ ہم اپنے اپنے بیٹوں، اپنی اپنی عورتوں اور اپنے اپنے نفسوں کو بلائیں، اور پھر مباہلہ کریں، اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں۔)

اسی آیت کو آیتِ مباہلہ کہا جاتا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے بیٹوں، عورتوں اور نفوس (جانوں/ ذاتوں/ روحوں) کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں، عورتوں اور نفوس کو بلاؤ، پھر اللہ کے سامنے گڑگڑائیں، اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں تاکہ اُن پر اللہ کا غضب نازل ہو، اور جھوٹ اور حق سب کے سامنے آجائے۔ پس، دوسرے روز جناب رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سیّدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ (علیہا السّلام) کے دولت کدے پر تشریف لائے، اور حسن (علیہ السّلام) کا ہاتھ پکڑا، حسین (علیہ السّلام) کو گود میں لیا، امیر المومنین علی ابنِ ابی طالب (علیہ السّلام) کو اپنے آگے آگے، اور سیّدہ فاطمہ زہرا (علیہا السّلام) کو پیچھے پیچھے لیے ہُوئے مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مباہلہ کے مقام پر نصاریٰ کے سامنے پہنچے تو ابوحارثہ نے کسی سے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ساتھ کون لوگ ہیں؟ کہا گیا کہ جو شخص آگے آگے آرہا ہے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا چچازاد بھائی، ان کی بیٹی کا شوہر، اور دُنیا میں ان کو سب سے زیادہ محبوب ہے، اور دونوں لڑکے اسی کے فرزند ہیں، اور وہ خاتون آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی پیاری بیٹی فاطمہ (علیہا السّلام) ہیں۔ پس، رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تشریف لائے، اور مباہلہ کے لیے دوزانو ہوکر بیٹھے۔ اُدھر عاقب اور عبدالمسیح وغیرہ نے اپنے لڑکوں کو ساتھ لیا، اور مباہلہ کے لیے آنا چاہا تو ابوحارثہ نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تو یوں بیٹھے ہیں جیسے

---

[۱] سورۃ آل عمران، آیت: ۵۹

[۲] سورۃ آل عمران، آیت: ۶۱

انبیا (علیہم السلام) بیٹھتے ہیں، اور اگر وہ ہمارے ساتھ مباہلہ کریں گے تو رُوئے زمین پر ایک نصرانی بھی باقی نہ رہے گا۔ پس اُنھیں جرأت نہ ہوئی، اور وہ مباہلہ کیے بغیر واپس چلے گئے۔ [۱]

مشکوٰۃ میں روایت ہے، ''آیتِ مباہلہ کے نازل ہونے پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے عزیز ترین اور قریب ترین اہل بیت (علیہم السلام) کو لے کر مباہلہ کے لیے یوں نکلے کہ حضرت حسن (علیہ السلام) اور حضرت حسین (علیہ السلام) کو، جو اُس وقت بہت چھوٹے تھے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے گود میں اُٹھا رکھا تھا، حضرت فاطمہ (علیہا السلام) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے تھیں، اور حضرت علی (علیہ السلام) حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کے پیچھے تھے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُن سے فرمایا کہ مباہلہ میں جب میں دُعا کروں تو تم سب مِل کر آمین کہنا۔ مسیحیوں کے پیشوا کی نظر اُن کے نورانی چہروں پر پڑی تو اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے بے اختیار بول اُٹھا کہ افسوس ہے تم پر، میں تو ایسے نورانی چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ اللہ سے دُعا کریں کہ پہاڑ کو اُس کی جگہ سے اُکھیڑ دے تو بالیقین اللہ (ان کی دُعا قبول کر کے) پہاڑ کو اُس کی جگہ سے اُکھاڑ دے گا۔ پھر اُس نے پُرزور انداز میں اپنے ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ ان ہستیوں کے ساتھ مباہلہ ہرگز نہ کرنا ورنہ جڑ سے اُکھاڑ دیئے جاؤ گے۔ آخر کار، اُن مسیحیوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ مباہلہ کرنے کی بجائے جزیہ قبول کیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اِطاعت پر آمادہ ہو گئے۔'' [۲]

حاصلِ کلام یہ ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مباہلہ کے لیے حسنین کریمین (علیہما السلام) کو اپنے ساتھ لے کر جانا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ شہزادے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بیٹے تھے، انھیں سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسلِ پاک کا سلسلہ چلا، اور یہی ''کوثر'' کی عملی تفسیر ہیں۔

حضرت اُمّ الفضل (رضی اللہ عنہا) کا خواب

ابنِ عباس (رضی اللہ عنہ) سے ایک روایت نقل کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ) کی زوجہ اُمّ الفضل (رضی اللہ عنہا) نے امام حسین (علیہ السلام) کی ولادت سے ایک رات پہلے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جسمِ اقدس کا ایک ٹکڑا اُن کی گود میں آیا ہے۔ وہ گھبرا گئیں، اور رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ بہت جلد میری بیٹی فاطمہ (علیہا السلام) کے ہاں ایک فرزند کی ولادت ہوگی، جسے میں تمھارے سپُرد کروں گا۔ چنانچہ حضرت اُمّ الفضل (رضی اللہ عنہا) نے کہا کہ وہ مبارک دن آ گیا، اور حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کے ہاں ایک فرزند کی

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ، اصفہان، ایران)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۷۵۳
علامہ علی نقی نقوی، (متوفی: ۱۹۸۸ء، لکھنؤ)، تاریخ اسلام ص ۴۸۳ تا ۴۸۴

[۲] ولی الدین تبریزی، (متوفی: ۷۴۰ھ)، مشکوٰۃ، جلد پنجم، حدیث نمبر ۷۶۸

ولادت ہوئی جسے میرے حوالے کیا گیا۔ [۱]

ولادتِ امام حسین (علیہ السلام)

حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی ولادت، حضرت امام حسن (علیہ السلام) کی ولادت کے دس ماہ (۱۰) بائیس (۲۲) دن بعد بروز سہ شنبہ یا پنجشنبہ ۵ شعبان المعظم، سنہ ۴ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ [۲] سیّد ابنِ طاوسؒ لکھتے ہیں، ''آپ کی ولادت ۵ شعبان، ۴ ہجری، اور ایک قول کے مطابق ۳ شعبان کو ہوئی، بعض کہتے ہیں کہ ماہِ ربیع الاوّل، ۳ ہجری کے آخر میں ہوئی، جب کہ آپ کی تاریخِ ولادت سے متعلق دیگر روایات بھی موجود ہیں۔'' [۳] شیخ مفیدؒ، علی بن عیسیٰ اربلی، ابوالفرج، ابنِ شہر آشوب، ابنِ اثیر جزری اور ابنِ حجر عسقلانی وغیرہ کے نزدیک بھی امام حسین (علیہ السلام) کی ولادت کا سال ۴ ہجری ہی ہے۔ [۴]

خداوندِ عالم نے اسے مُطہر خلق فرمایا ہے

ابنِ بابویہؒ نے معتبر اسناد کے ساتھ امام حسین (علیہ السلام) کی دایہ حضرت صفیہ بنتِ حضرت عبدالمطلب سے روایت کی ہے۔ حضرت صفیہ (رضی اللہ عنہا) کہتی ہیں کہ میں حسین (علیہ السلام) کی دایہ تھی۔ جب شہزادے کی ولادت ہوئی تو میں خوش خبری

---

[۱] سیّد ابنِ طاوُس، (متوفی: ۶۶۴ ھ، حلہ، عراق)، مقتل لہوف (اردُو)، ص ۱۷
محمد بن محمد نعمان شیخ المفید، (متوفی: ۴۱۲ ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ص ۴۳۲
جعفر بن ابی ابراہیم، المعروف ابنِ نما حلی، (متوفی: ۶۸۰ ھ)، مثیر الاحزان ومنیر سبل الاشجان
شمس الدین سبط حافظ ابن جوزی، (متوفی: ۶۵۴، بغداد، عراق)، تذکرہ خواص الائمہ، ص ۲۳۱
المرتضیٰ الزبیدی، (متوفی: ۱۲۰۵ ھ، قاہرہ، مصر)، تاج العروس من جواہر القاموس، ج ۹ ص ۱۷۷
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۷۸
[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۴۰ تا ۴۲
[۳] سیّد ابنِ طاوُس، (متوفی: ۶۶۴ ھ، حلہ، عراق)، مقتل لہوف (اردُو) ص ۱۶
[۴] محمد بن محمد بن نعمان شیخ المفید، (متوفی: ۴۱۲ ھ، کاظمین، عراق)، ارشاد (مترجم)، ج ۲ ص ۳۴
ابوالفرج اصفہانی، (متوفی: ۹۶۷ء، بغداد)، مقاتل الطالبین (مترجم)، ص ۷۶
عزالدین بن الاثیر الجزری، (متوفی: ۶۳۰ ھ، موصل، عراق)، اسد الغابہ، ج ۲ ص ۱۸
حافظ ابنِ حجر عسقلانی، (متوفی: ۱۴۴۹ ھ، مصر)، الاصابہ، ج ۱ ص ۳۳۱
حافظ ابنِ حجر عسقلانی، (متوفی: ۱۴۴۹ ھ، مصر)، تہذیب التہذیب، ج ۲ ص ۳۴۵
باقر شریفی، حیاۃ الامام الحسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۸

پہنچانے کے لیے بارگاہِ سرورِ انبیا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضر ہوئی۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''اے چچی! میرے فرزند کو لے آؤ۔'' میں نے عرض کی، ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں نے ابھی نومولود کو غسل دے کر پاک نہیں کیا۔'' رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''تم اُس کو غسل دے کر کیا پاک کرو گی جسے خدا نے پاکیزہ و مُطہر کیا ہے۔'' چنانچہ میں حسین (علیہ السلام) کو لے کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوگئی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حسین (علیہ السلام) کو اپنی گود میں لیا، اور زبانِ اطہر اُن کے مُنھ میں دے دی۔ حسین (علیہ السلام)، زبانِ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یوں چُوسنے لگے جیسے اُن کے دَہن میں شہد اور دُودھ جاری ہوگیا ہو۔ پھر نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حسین (علیہ السلام) کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، اور اُنھیں میری گود میں ڈال دیا۔ اُس وقت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرما رہے تھے کہ اُس گروہ پر خدا کی لعنت ہو جو اے فرزند! تجھے شہید کرے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ کلمہ تین بار کہا تو میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میرے ماں باپ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر قربان، اسے کون شہید کرے گا؟ فرمایا کہ گروہِ ستم گار باقی ماندہ بنی اُمیّہ اس کو قتل کریں گے۔ [۱]

روایت میں دایہ کا نام اسماء بھی آیا ہے، جس کا مضمون کچھ یوں ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جناب سیّدہ (علیہا السلام) کے ہاں ولادت کے مُنتظِر تھے۔ جب ولادت باسعادت ہوئی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''اے اسماء! میرے نورِ نظر کو میرے پاس لاؤ۔'' اسماء نے عرض کی کہ میں نے ولادت کے بعد بچے کو ابھی پاک نہیں کیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''تُو اسے پاک کرنا چاہتی ہے؟ حالانکہ خداوند عالم نے اسے مُطہر خلق فرمایا ہے۔'' چنانچہ اسماء بچے کو اُونی کپڑے میں لپیٹے ہُوئے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بچے کو ہاتھوں پر اُٹھایا، نگاہ بھر کر دیکھا، اور پھر گریہ کرنے لگے۔ روتے ہُوئے فرمایا، ''یا ابا عبداللہ! تیرا قتل ہونا میرے لیے بہت گراں ہے۔'' [۲] رسول محتشم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مندرجہ بالا ارشادِ پاک (خداوند عالم نے اسے مُطہر خلق فرمایا ہے) کی توثیق مندرجہ ذیل حدیثِ مبارکہ اور آیتِ کریمہ سے بھی ہوتی ہے جنھیں حدیثِ کساء اور آیتِ تطہیر کہا جاتا ہے۔

حدیثِ کساء اور آیتِ تطہیر

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری (رضی اللہ عنہ)، روایت کرتے ہیں کہ میں نے جناب فاطمۃ الزہرا (علیہا السلام) سے سنا کہ وہ فرما رہی تھیں کہ ایک دن میرے بابا جان جناب رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے گھر تشریف لائے، اور فرمانے لگے، ''سلام ہو تم پر اے

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ، اصفہان، ایران)، جلاء العیون، ج ۲ ص ۹۱

[۲] آیت اللہ شیخ جعفر شوستری، (متوفی: ۱۳۰۳ھ، نجف، عراق)، الخصائص الحسینیہ، ج ۱ ص ۶۴
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۹۲

فاطمہ (علیہا السلام)!" میں نے جواب دیا،" آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بھی سلام ہو۔" پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا،" میں اپنے جسم میں کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔" میں نے عرض کی،" بابا جان خدا نہ کرے جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں کمزوری آئے۔" آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا،" اے فاطمہ (علیہا السلام)! یمنی چادر لا کر مجھے اوڑھا دو۔" تب میں یمنی چادر لے آئی، اور میں نے وہ بابا جان کو اوڑھا دی، اور میں دیکھ رہی تھی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا چہرۂ مبارک یوں چمک رہا تھا جس طرح چودھویں رات کا چاند پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہو۔ پھر ایک ساعت ہی گزری تھی کہ میرے بیٹے حسن (علیہ السلام) وہاں آ گئے، اور بولے،'' سلام ہو آپ پر اے والدہ محترمہ!'' میں نے کہا،'' اور تم پر بھی سلام ہو اے میری آنکھ کے تارے اور میرے دِل کے ٹکڑے!'' وہ کہنے لگے،'' امی جان! میں آپ کے ہاں پاکیزہ خوشبو محسوس کر رہا ہوں، جیسے میرے نانا جان رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خوشبو ہو۔'' میں نے کہا، '' ہاں! وہ تمھارے نانا جان چادر اوڑھے ہُوئے ہیں۔'' اس پر حسن (علیہ السلام) چادر کی طرف بڑھے، اور کہا،'' سلام ہو آپ پر اے نانا جان! اے خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا مجھے اجازت ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس چادر میں آ جاؤں؟'' آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا،'' تم پر بھی سلام ہو اے میرے بیٹے! اور اے میرے حوض (کوثر) کے مالک! میں تمھیں اجازت دیتا ہوں۔'' پس حسن (علیہ السلام)، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس چادر میں چلے گئے۔ پھر ایک ساعت ہی گزری ہوگی کہ میرے بیٹے حسین (علیہ السلام) بھی وہاں آ گئے، اور کہنے لگے،'' سلام ہو آپ پر اے والدہ محترمہ!'' میں نے کہا،'' اور تم پر بھی سلام ہو اے میرے بیٹے! میری آنکھ کے تارے! اور میرے لختِ جگر!'' پھر وہ مجھ سے کہنے لگے،'' امی جان! میں آپ (علیہا السلام) کے ہاں پاکیزہ خوشبو محسوس کر رہا ہوں، جیسے میرے نانا جان رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خوشبو ہو۔'' میں نے کہا،'' ہاں تمھارے نانا جان اور بھائی جان اُس چادر میں ہیں۔'' پس، حسین (علیہ السلام) چادر کے نزدیک گئے، اور بولے،'' سلام ہو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اے نانا جان! سلام ہو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اے خدا کے منتخب کردہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا مجھے اجازت ہے کہ آپ دونوں کے ساتھ چادر میں داخل ہو جاؤں؟'' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا،'' اور تم پر بھی سلام ہو اے میرے بیٹے اور اے میری اُمّت کی شفاعت کرنے والے! میں تمھیں اجازت دیتا ہوں۔'' تب حسین (علیہ السلام) اُن دونوں کے پاس چادر میں چلے گئے۔ اس کے بعد ابوالحسن علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) بھی وہاں آ گئے، اور بولے،'' سلام ہو آپ پر اے رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دُختر!'' میں نے کہا،'' آپ پر بھی سلام ہو اے ابوالحسن (علیہ السلام)! اے مومنوں کے امیر۔'' وہ کہنے لگے،'' اے فاطمہ (علیہا السلام)! میں آپ کے ہاں پاکیزہ خوشبو محسوس کر رہا ہوں جیسے میرے برادر اور میرے چچا زاد، رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خوشبو ہو۔'' میں نے جواب دیا، '' ہاں، وہ آپ کے دونوں بیٹوں سمیت چادر کے اندر ہیں۔'' پھر علی (علیہ السلام) چادر کے قریب ہُوئے، اور کہا،'' سلام ہو آپ پر اے خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا مجھے اجازت ہے کہ میں بھی آپ تینوں کے پاس چادر میں آ جاؤں؟'' آنجناب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُن سے فرمایا،'' اور تم پر بھی سلام ہو، اے میرے بھائی! میرے قائم مقام! میرے جانشین! اور میرے علم بردار! میں تمھیں

اجازت دیتا ہوں۔'' پس، علی (علیہ السلام) بھی چادر میں پہنچ گئے۔ پھر میں چادر کے نزدیک گئی، اور میں نے کہا، ''سلام ہو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اے بابا جان! اے خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اجازت دیتے ہیں کہ میں بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس چادر میں آجاؤں؟'' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''اور تم پر بھی سلام ہو میری بیٹی! اور میری پارۂ جگر! میں نے تمھیں اجازت دی۔'' تب میں بھی چادر میں داخل ہوگئی۔ جب ہم سب چادر میں اکٹھے ہوگئے تو میرے والد گرامی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے چادر کے کنارے پکڑے، اور دائیں ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، ''اے خدا! یقیناً یہ ہیں میرے اہل بیت (علیہم السلام)، میرے خاص لوگ اور میرے حامی، اِن کا گوشت میرا گوشت ہے اور اِن کا خون میرا خون ہے، جو انھیں ستائے وہ مجھے ستاتا ہے، اور جو اِنھیں رنجیدہ کرے وہ مجھے رنجیدہ کرتا ہے۔ جو اِن سے لڑے میں بھی اُس سے لڑوں گا، جو اِن سے صلح رکھے میں بھی اُس سے صلح رکھوں گا، میں اِن کے دشمن کا دشمن اور اِن کے دوست کا دوست ہوں کیونکہ یہ مجھ سے ہیں، اور میں اِن سے ہوں۔ پس اے خدا! تُو اپنی عنائتیں اور اپنی برکتیں اور اپنی رحمتیں اور اپنی بخششیں اور اپنی خوشنودی میرے اور اِن کے لیے قرار دے، اِن سے ناپاکی کو دُور رکھ، اِن کو پاک رکھ، بہت ہی پاک۔'' اس پر خدائے بزرگ و برتر نے فرمایا، ''اے میرے فرشتو! اور اے آسمان میں رہنے والو! بے شک میں نے یہ مضبوط آسمان پیدا نہیں کیا اور نہ پھیلی ہوئی زمین، نہ چمکتا ہُوا چاند، نہ روشن تر سورج، نہ گھومتے ہُوئے سیارے، نہ لہریں مارتا ہُوا سمندر اور نہ تیرتی ہوئی کشتی، مگر یہ سب چیزیں اِن پانچ نفوس کی محبت میں پیدا کی ہیں جو اِس چادر کے نیچے ہیں۔'' اس پر جبرائیل (علیہ السلام) نے پوچھا، ''اے پروردگار! اس چادر میں کون لوگ ہیں؟'' خدائے عزّ و جلّ نے فرمایا، ''یہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہلبیت (علیہم السلام) اور رسالت کا خزینہ ہیں۔ یہ فاطمہ (علیہا السلام) اور اِن کے بابا، اِن کے شوہر اور اِن کے دو بیٹے ہیں۔'' تب جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا، ''اے پروردگار! کیا مجھے اجازت ہے کہ زمین پر اُتر جاؤں تا کہ ان میں شامل ہو کر چھٹا فرد بن جاؤں؟'' خدا تعالیٰ نے فرمایا، ''ہاں، میں نے تجھے اجازت دی۔'' پس جبرائیل امیں (علیہ السلام) زمین پر اُتر آئے، اور عرض کی، ''سلام ہو آپ پر اے خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! خدائے بلند و برتر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سلام کہتا ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دُرود اور بزرگواری سے خاص کرتا ہے، اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرماتا ہے کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم کہ بے شک میں نے نہیں پیدا کیا مضبوط آسمان اور نہ پھیلی ہوئی زمین، نہ چمکتا ہُوا چاند، نہ روشن تر سورج، نہ گھومتے ہُوئے سیارے، نہ لہریں مارتا ہُوا سمندر اور نہ تیرتی ہوئی کشتی مگر سب چیزیں تم پانچوں کی محبت میں پیدا کی ہیں اور خدا نے مجھے اجازت دی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ چادر میں داخل ہو جاؤں، تو اے خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی مجھے اجازت دیتے ہیں؟'' تب میرے بابا جان جناب رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''تم پر بھی سلام ہو اے خدا کی وحی کے امین! ہاں، میں تجھے اجازت دیتا ہوں۔'' پھر جبرائیل (علیہ السلام) بھی ہمارے ساتھ چادر میں داخل ہو گئے، اور کہا، ''اے اہل بیت (علیہم السلام)! میرا خدا آپ کو وحی بھیجتا، اور کہتا ہے کہ خدا نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ آپ لوگوں

سے ناپاکی کو دُور رکھے، اور آپ کو پاک و پاکیزہ رکھے۔'' پھر علی (علیہ السلام) نے میرے بابا جان سے کہا، ''اے خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مجھے بتایئے کہ ہم لوگوں کا اس چادر کے اندر آ جانا خدا کے ہاں کیا فضیلت رکھتا ہے؟ حضرت رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''اُس خدا کی قسم جس نے مجھے سچا نبی بنایا، اور لوگوں کی نجات کی خاطر مجھے رسالت کے لیے چُنا، اہلِ زمین کی محفلوں میں سے جس محفل میں ہماری یہ حدیث بیان کی جائے گی، اور اُس میں ہمارے شیعہ اور دوست دار جمع ہوں گے تو اُن پر خدا کی رحمت نازل ہوگی، فرشتے اُن کو حلقے میں لے لیں گے، اور جب تک وہ لوگ محفل سے رُخصت نہ ہوں گے وہ اُن کے لیے بخشش کی دُعا کریں گے۔ اس پر علی (علیہ السلام) بولے، ''خدا کی قسم ہم کامیاب ہوگئے، اور ربِ کعبہ کی قسم ہمارے شیعہ بھی کامیاب ہوں گے۔'' تب حضرت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دوبارہ فرمایا، ''اے علی (علیہ السلام)! اُس خدا کی قسم جس نے مجھے سچا نبی بنایا، اور لوگوں کی نجات کی خاطر مجھے رسالت کے لیے چُنا، اہلِ زمین کی محفلوں میں سے جس محفل میں ہماری یہ حدیث بیان کی جائے گی، اور اُس میں ہمارے شیعہ اور دوستدار جمع ہوں گے تو اُن میں جو کوئی دُکھی ہوگا خدا اُس کا دُکھ دُور کر دے گا، جو کوئی غمزدہ ہوگا خدا اُس کو غم سے نجات دے گا، اور جو کوئی حاجت مند ہوگا خدا اُس کی حاجت پوری کرے گا۔'' علی (علیہ السلام) کہنے لگے، ''بخدا ہم نے کامیابی اور برکت پائی، اور ربِّ کعبہ کی قسم اسی طرح ہمارے شیعہ بھی دُنیا و آخرت میں کامیاب و سعادت مند ہوں گے۔'' اس موقع پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی جسے آیتِ تطہیر کہا جاتا ہے: ''اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾'' (اے اہلبیت (علیہم السلام)! اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاسَت کو دُور رکھے اور تمھیں اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے۔ سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۳) اس روایت کو کئی علما نے مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کے ذیل میں بھی نقل کیا ہے۔[۱] صحیح مسلم میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ سے بھی یہ روایت معمولی فرق کے ساتھ منقول ہے جس میں اُنھوں نے چادر کی بناوٹ اور ڈیزائین کا بھی ذِکر کیا ہے۔[۲]

رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُمّت کو اہل بیتِ اطہار (علیہم السلام) کی عظمت و پاکیزگی اور مقام و مرتبے سے بار بار آگاہ فرماتے رہے، اپنے اقوال کے ذریعے بھی اور افعال سے بھی، چنانچہ یہ روایت بھی اسی ضمن میں اہل بیتِ رسول (علیہم السلام) کی طہارت پر

---

[۱] حافظ ابونصر دیلمی، (متوفی: ۵۵۸ھ)، کتاب الفردوس

حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی، (متوفی: ۴۶۳ھ، بغداد، عراق)، تاریخ بغداد، ج ۱۰

محمود ابنِ عمر الزمخشری، (متوفی: ۵۳۸ھ، ترکمانستان)، کشاف، ج ۱ ص ۱۹۳

علی ابنِ حسین ابنِ عبداللہ ابنِ عساکر دمشقی، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، تاریخ دمشق

[۲] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل اہل بیت النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، حدیث: ۲۴۲۴

ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ بقولے آیتِ تطہیر کا نزول ۷ ہجری میں ہُوا۔ [۱]

کتاب اللہ اور اہل بیتِ رسول اللہ (علیہم السلام)

جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے کہ میں نے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو حجّۃ الوداع کے موقع پر روزِ عرفہ اپنے ناقے پر سوار خطبہ ارشاد فرماتے ہُوئے دیکھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) فرما رہے تھے کہ لوگو! میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اُنھیں مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے، اور وہ ہیں اللہ کی کتاب اور میرے اہلبیت (علیہم السلام)۔ [۲]

حدیثِ ثقلین

مندرجہ بالا حدیث کو حدیثِ ثقلین بھی کہا جاتا ہے۔ حدیثِ ثقلین، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی وہ مشہور اور متواتر حدیث ہے جس میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا کہ میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب (یعنی قرآن) اور اپنی عترت (یعنی اہل بیت علیہم السلام) چھوڑے جا رہا ہوں۔ قرآن اور میری اہل بیت (علیہم السلام) قیامت تک ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں گے۔'' یہ حدیث تمام مسلمانوں کے ہاں متفق علیہ ہے اور شیعہ وسُنی ہر دو مکاتبِ فکر کی کتبِ حدیث میں نقل ہوئی ہے اور مختلف روایات میں مختلف عبارتوں کے ساتھ وارِد ہوئی ہے، اگرچہ اس کا مضمون ایک ہی ہے۔ اہل تشیّع کی بنیادی چار کتابوں میں شامل اُصولِ کافی میں یہ حدیث اس صورت میں وارد ہوئی ہے،''إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا، كِتَابَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَأَهْلَ بَيْتِي عِتْرَتِي أَيُّهَا النَّاسُ اِسْمَعُوا وَقَدْ بَلَّغْتُ إِنَّكُمْ سَتَرِدُونَ عَلَيَّ الْحَوْضَ فَأَسْأَلُكُمْ عَمَّا فَعَلْتُمْ فِي الثَّقَلَيْنِ وَالثَّقَلَانِ كِتَابُ اللهِ جَلَّ ذِكْرُهُ وَأَهْلُ بَيْتِي ○'' (میں تمہارے درمیان دو امانتیں چھوڑے جا رہا ہوں، تم ان کا دامن تھامے رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے، کتابِ خدا اور میری عترت، جو میرے اہل بیت (علیہم السلام) اور میرے خاندان والے ہیں۔ اے لوگو! سنو! میں نے تمہیں یہ پیغام پہنچا دیا کہ تمہیں حوض (کوثر) کے کنارے میرے سامنے لایا جائے گا، چنانچہ میں تم سے پوچھوں گا کہ تم نے ان دو امانتوں (یعنی کتابِ خدا اور میرے اہل بیت (علیہم السلام) کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا؟) [۳]

احمد بن شعیب نسائی نے اپنی کتاب سنن نسائی میں، جو اہلِ سُنت کی صِحاحِ سِتّہ میں سے ایک ہے، اس حدیث کو یوں نقل کیا ہے،''كَأَنِّي قَدْ دُعِيتُ فَأَجَبْتُ، إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ: أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ، كِتَابُ اللهِ تَعَالَى،

---

[۱] یوسفی غروی، (ولادت: ۱۳۲۷ھ، نجف اشرف)، موسوعۃ التاریخ الاسلامی، ۱۴۱۷، ج ۳ ص ۱۳۰

[۲] شیخ عبدالواحد خیاری، الامام الحسین (علیہ السلام)، ص ۵۴، ترجمہ نور محمد انیس
ابوعیسیٰ محمد ترمذی، (متوفی: ۲۷۹ھ، ازبکستان)، جامع ترمذی، حدیث نمبر ۳۷۸۶

[۳] کلینی، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۴

وَعِتْرَتِي، فَانْظُرُوا كَيْفَ تَخْلُفُونِي فِيهِمَا، فَإِنَّهُمَا لَنْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ ○ '' (گویا مجھے خالق یکتا نے بلایا ہے اور میں نے بھی یہ دعوت قبول کر لی ہے (اور میرا وقتِ وصال آن پہنچا ہے)، میں تمہارے درمیان دو گراں قدر امانتیں چھوڑے جا رہا ہوں جن میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے، کتابِ خدا اور میری عترت جو میرے اہل بیت (علیہم السلام) ہی ہیں، پس دیکھو کہ ان کے ساتھ کیا رویہ روا رکھتے ہو کیونکہ وہ کبھی جُدا جُدا نہیں ہوتیں حتیٰ کہ حوض (کوثر) کے کنارے مجھ سے آملیں۔) [1] اہلِ سنت کی کتب میں یہ حدیث مبارکہ امیر المومنین حضرت علی (علیہ السلام) کے علاوہ مُتعدِّد صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے روایت کی گئی ہے جن میں سے بعض کے نام مندرجہ ہیں:

۱) امیر المومنین علی ابنِ ابی طالب (علیہ السلام) سے، دو واسطوں سے البحر الزخار یا مسند البزاز اور متقی ہندی کی کنز العمال میں۔ [2]

۲) حضرت زید بن ثابت سے، مسند احمد اور طبرانی کی معجم کبیر میں۔ [3]

۳) حضرت جابر بن عبد اللہ سے، سنن جامع صحیح ترمذی، اور طبرانی کی معجم کبیر اور معجم اوسط میں۔ [4]

۴) حضرت حذیفہ بن اسید سے، طبرانی کی معجم کبیر میں۔ [5]

۵) حضرت ابوسعید خدری سے، مُسند احمد میں چار مقامات پر اور عقیلی کی ضعفاء الکبیر میں۔ [6]

۶) حضرت زید بن ارقم سے، نسائی کی سنن کبریٰ، طبرانی کی معجم کبیر، ترمذی کی سنن، حاکم نیشاپوری کی مستدرک علی الصحیحین، احمد بن حنبل کی مُسند اور دیگر کتب میں چھ واسطوں سے نقل ہوئی ہے۔ [7]

---

[1] نسائی، السنن الکبریٰ، حدیث: ۸۱۴۸

[2] البزاز، البحر الزخار، ص ۸۸ ح ۸۶۴
متقی ہندی، کنز العمال، ج ۱۴ ص ۷۷، حدیث ۳۷۹۸۱

[3] احمد بن حنبل، مسند احمد، ج ۵ ص ۱۸۳-۱۸۹
طبرانی، المعجم الکبیر، ج ۵، ص ۱۶۶

[4] ترمذی، صحیح ترمذی، ج ۵ ص ۳۲۸
طبرانی، المعجم الکبیر، ج ۳ ص ۶۶
طبرانی، المعجم الاوسط، ج ۵ ص ۸۹

[5] طبرانی، المعجم الکبیر، ج ۳ ص ۱۸۰

[6] احمد بن حنبل، مسند احمد، ج ۳ ص ۱۳-۱۷-۲۶-۵۹
العقیلی، ضعفاء الکبیر، ج ۴ ص ۳۶۲

[7] نسائی، السنن الکبریٰ، حدیث ۸۱۴۸؛ طبرانی معجم الکبیر، ج ۵ ص ۱۸۶
ترمذی، سنن الترمذی، حدیث: ۳۷۸۶؛ حاکم نیشاپوری، المستدرک، ج ۳، ص ۱۱۰؛ احمد بن حنبل، مسند احمد، ج ۴ ص ۳۷۱

۷) حضرت ابوذر غفاری سے، دارقطنی کی المؤتلف والمختلف میں۔ [۱]

۸) حضرت ابوہریرہ سے، کشف الاستار عن زوائد البزار میں۔ [۲]

۹) عبداللہ بن حنطب سے، ابن اثیر کی اسد الغابہ میں۔ [۳]

۱۰) حضرت جبیر بن مطعم سے، ظلال الجنہ میں۔ [۴]

بعض صحابہ اور انصار منجملہ خزیمہ بن ثابت، سہل بن سعد، عدی بن حاتم، عقبہ بن عامر، ابوایوب انصاری، ابوسعید خدری، ابوشریح خزاعی، ابوقدامہ انصاری، ابولیلی، ابوالہیثم بن التیہان اور بعض قریشیوں نے بھی امیر المومنین حضرت علی (علیہ السلام) کے حکم پر اس حدیث کو نقل کیا۔ [۵] کتاب غایۃ المرام و حجۃ الخصام میں جناب بحرانی نے یہ حدیث اُنتالیس (۳۹) واسطوں سے کتبِ اہل سُنت سے نقل کی ہے۔ مذکورہ کتاب کے مطابق یہ حدیث اہلِ سُنت کی مشہور اور معتبر کتب مسند احمد، صحیح مسلم، مناقب ابن المغازلی، سنن ترمذی، ثعلبی کی کتاب العمدہ، مُسند ابی یعلی، طبرانی کی معجم الاوسط، ابن البطریق کی العمدہ، قندوزی کی کتاب ینابیع المودہ، ابن المغازلی کی کتاب الطرائف حموینی، جوینی کی فوائد السمطین فی فضائل المرتضیٰ و البتول والسبطین اور ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ میں نقل ہوئی ہے۔ جب کہ غایۃ المرام و حجۃ الخصام کے مطابق شیعہ مآخذ میں منقولہ بیاسی (۸۲) احادیث، حدیثِ ثقلین کے مضمون و مفہوم کی حامل ہیں جو کلینیؒ کی الکافی، شیخ صدوقؒ کی کمال الدین، ان ہی کی الامالی اور عیون اخبار الرضا، شیخ مفیدؒ کی الامالی، شیخ طوسیؒ کی الامالی، نعمانی کی الغیبۃ نعمانی، محمد بن حسن صفار کی بصائر الدرجات اور مُتعدّد دیگر علما کی کتب میں نقل ہوئی ہیں۔ [۶]

❁

---

[۱] دارقطنی، المؤتلف والمختلف، ج ۲ ص ۱۰۴۶

[۲] الہیثمی، کشف الاستار، ج ۳ ص ۲۲۳، ح ۲۶۱۷

[۳] ابن اثیر، اسد الغابہ، ج ۳ ص ۲۱۹

[۴] البانی، ظلال الجنۃ، ح ۱۴۶۵

[۵] شمس الدین السخاوہ، الاستجلاب ارتقا الغرف، ص ۲۳
قندوزی حنفی، ینابیع المودۃ، ج ۱ ص ۱۰۶-۱۰۷
ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ، ج ۷ ص ۲۴۵-۲۷۴

[۶] بحرانی، غایۃ المرام و حجۃ الخصام، ج ۲ ص ۳۰۴-۳۲۰، ۳۶۷

امام حسین (علیہ السلام) کے اسمائے گرامی

کثیر روایات کے مطابق رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حکمِ الٰہی کے مطابق آپ کا نام حسین (علیہ السلام)، اور آپ کے بڑے بھائی کا نام حسن (علیہ السلام) رکھا، اور عربوں میں اس سے قبل یہ دونوں نام رائج نہیں تھے۔ [1] مفضل سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسن اور حسین (علیہم السلام) کے ناموں کو حجاب میں رکھا، یہاں تک کہ حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے بیٹوں کا نام حسن اور حسین (علیہما السلام) رکھا۔ [2] عمران بن سلیمان سے روایت ہے کہ حسن اور حسین (علیہم السلام) اہلِ جنّت کے ناموں میں سے دو نام ہیں جو کہ دَورِ جاہلیت میں پہلے کبھی نہیں رکھے گئے۔ [3] بروایتے، آپ دونوں بھائیوں کے نام شبر اور شبیر بھی تھے۔ [4] بعض مصادر میں ہے کہ امام علی (علیہ السلام) نے شروع میں آپ کا نام جعفر رکھا تھا، لیکن جناب رسالب مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے آپ (علیہ السلام) کے لیے حسین (علیہ السلام) نام منتخب فرمایا۔ [5] حضرت علی (علیہ السلام) فرماتے ہیں، ''جب حسن (علیہ السلام) پیدا ہُوئے تو اُن کا نام حمزہ رکھا گیا اور جب حسین (علیہ السلام) پیدا ہُوئے تو اُن کا نام اُن کے چچا کے نام پر جعفر رکھا گیا۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ مجھے اِن کے نام تبدیل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اُس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بہتر جانتے ہیں۔ پس آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُن کے نام حسن (علیہ السلام) اور حسین (علیہ السلام) رکھے۔'' [6]

کنیات والقاب

امام حسین (علیہ السلام) کی کئی کنیات ہیں جن میں سب سے زیادہ معروف ''ابوعبداللہ'' یا ''اباعبداللہ'' ہے۔ اس کے علاوہ ابوعلی، ابوالشُہدا، ابوالاحرار اور ابوالمجاہدین بھی ہیں۔ [7] کنیات کی طرح آپ (علیہ السلام) کے القاب بھی کئی ہیں جن

---

[1] محمد ابنِ سعد بغدادی، (متوفی: ۲۳۰ھ، بغداد، عراق)، الطبقات الکبری، ج ۱۰ ص ۲۳۹
محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ھ، حلب)، المناقب، ج ۳ ص ۳۹۷

[2] علی بن محمد ابن اثیر الجزری (متوفی ۸۳۰ھ)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ۲:۲۵
النووی، تہذیب الاسماء ۱:۲۸

[3] ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۴ھ)، الصواعق المحرقۃ ۱۶۲
علی بن محمد ابن اثیر الجزری (متوفی ۸۳۰ھ)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ۲:۲۵

[4] جواد محدثی، فرہنگ عاشورہ، ص ۳۹

[5] محمد ابنِ سعد بغدادی، (متوفی: ۲۳۰ھ، بغداد، عراق)، الطبقات الکبری، ج ۱۰ ص ۲۳۹

[6] علی بن محمد ابن اثیر الجزری (متوفی ۸۳۰ھ)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ۲:۲۵؛ النووی، تہذیب الاسماء ۱:۲۸

[7] جواد محدثی، فرہنگ عاشورہ، ص ۳۹

میں سے کچھ آپ کے برادرِ بزرگ امام حسن مجتبیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ مشترک ہیں جیسے، سبطِ پیمبر، سیّد شباب اہل الجنۃ، ساقی کوثر وغیرہ۔ آپ کے دیگر القابات، زکی، طیّب، وفیّ، سیّد، مبارک نافع، الدلیل علیٰ ذات اللہ، رشید اور التابع لمرضاۃ اللہ ہیں۔ [۱]

ابنِ طلحہ شافعی نے ''زکی'' لقب کو دوسرے القاب میں سب سے زیادہ مشہور، اور ''سیّد شباب اہل الجنۃ'' کو سب سے اہم لقب قرار دیا ہے۔ [۲] بعض احادیث میں آپ (علیہ السلام) کو شہید یا سیّد الشہدا کے لقب سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ [۳] ثار اللہ اور قتیلُ العبرَۃ کے القاب بھی بعض زیارت ناموں میں ذکر ہوئے ہیں۔ [۴]

نومولود حسین (علیہ السلام) کا فطرُس پر کرم

اولاد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے، اس نعمت سے نوازے جانے پر اللہ کریم کا شُکر ادا کرنے کے لیے مخلوقِ خدا پر انعام و اکرام اور خیرات وصدقات کرنے کا چلن عام ہے جس کا درس محمد وآلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہی کے گھرانے سے ملتا ہے۔ چنانچہ امام حسین (علیہ السلام) کی ولادت کے عظیم الشان موقع پر سرورِ انبیا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے انسانوں کے ساتھ ساتھ فرشتوں کو بھی انعام و اکرام سے نوازا۔ علامہ محمد باقر مجلسیؒ نے جلاء العیون میں ابنِ بابویہ، ابنِ قولویہ اور ابنِ شہر آشوب کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک فرشتے کو، جس کا نام فطرس تھا، کسی عمل میں کوتاہی کے سبب خالقِ کائنات کے حکم پر بال و پر سے محروم کر کے زمین پر پھینک دیا گیا تھا۔ امام حسین (علیہ السلام) کی ولادت پر جبرائیل (علیہ السلام) فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت میں حق تعالیٰ کی طرف سے مبارکباد پیش کرنے آ رہے تھے کہ اُنھوں نے ایک جزیرے پر اُس کو بے بال و پر پڑے ہُوئے دیکھا۔ وہ سات سال سے وہیں پڑا عباداتِ الٰہی میں مشغول رہتا تھا۔ اُس نے جبرائیل (علیہ السلام) کو دیکھا تو پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا کہ رسولِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی بارگاہ میں جا رہا ہوں۔ فطرس نے کہا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میرے لیے دُعا فرما دیں (اور میری سزا ختم

---

[۱] ابنِ ابی الثلج، (متوفی: ۳۲۲ھ)، تاریخ الائمہ، ص ۲۸

ابنِ طلحہ شافعی، (متوفی: ۶۵۲ھ)، مطالب السؤول فی مناقب آلِ الرسول، ج ۲ ص ۳۷۴

محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ھ، حلب)، مناقب آل ابی طالب، ج ۴ ص ۸۶

[۲] محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ھ، حلب)، مناقب آل ابی طالب، ج ۴ ص ۸۶

[۳] عبداللہ بن جعفر حمیری، (زمانہ: ۲۶۰ھ)، قرب الاسناد، ص ۹۹

ابنِ قولویہ قمی، (متوفی: ۳۶۸ھ، بغداد، عراق)، کامل الزیارات، ص ۲۱۹

شیخ محمد بن حسن طوسی، (متوفی: ۴۶۰ھ، نجف اشرف، عراق)، امالی، ص ۴۹

[۴] ابنِ قولویہ قمی، (متوفی: ۳۶۸ھ، بغداد، عراق)، کامل الزیارات، ص ۱۷۶

ہوجائے)۔ جبرائیل (علیہ السلام) اُسے لیے ہُوئے بارگاہِ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضر ہُوئے، اور اُس کی درخواست پیش کی۔ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''اسے کہو کہ اپنے (ٹوٹے ہُوئے) پَر مولود کے گھوارے کے ساتھ مَس کرے۔'' فطرس نے اپنے بُریدہ پر حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے گھوارے سے مَس کیئے تو خداوند کریم نے اُسی وقت اُس کے تمام بال و پر اُسے عطا فرمادیے۔ سزا ختم ہوجانے کے بعد فطرس آسمان پر پہنچا تو فرشتوں نے اُسے امام حسین (علیہ السلام) کے آزاد کردہ کا نام دے دیا۔[۱] اسی طرح کی روایت صلصائیل نامی فرشتے سے بھی منسوب ہے جس کو حسین (علیہ السلام) کی برکت سے خلاقِ عالم نے دوبارہ بال و پر عطا فرمائے۔[۲] ہوسکتا ہے دونوں نام ایک ہی فرشتے کے ہوں۔ واللہ اعلم۔

جبرائیل (علیہ السلام) کی لوری

منقول ہے کہ حضرت جبرائیل (علیہ السلام) خانۂ بتول (علیہا السلام) پر حاضر ہوکر حسین (علیہ السلام) کا جُھولا جھلاتے اور لوری سناتے تھے۔ ایک دن وہ جناب فاطمہ (علیہا السلام) کے گھر حاضر ہُوئے تو جناب سیّدہ (علیہا السلام) کو سوتے ہُوئے اور حسین (علیہ السلام) کو اپنے جُھولے میں روتے ہُوئے پایا۔ جبرائیل (علیہ السلام)، حضرت حسین (علیہ السلام) کو لوری دے کر بہلانے لگے یہاں تک کہ جناب فاطمہ (علیہا السلام) خوابِ راحت سے بیدار ہوگئیں اور سنا کہ کوئی شخص جناب حسین (علیہ السلام) سے باتیں کررہا ہے۔ متعجب ہوکر اُس طرف دیکھا مگر کسی کو نہ پایا۔ اُنھوں نے اس واقعے کا ذکر جناب رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کیا تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ وہ جبرائیل (علیہ السلام) تھے۔ روایت ہے کہ بعض اوقات حضرت علی (علیہ السلام) گھر تشریف لاتے تو دیکھتے کہ سیّدہ (علیہا السلام) چکّی پیستے پیستے تھک کر سوگئی ہیں لیکن چکّی مسلسل حرکت کررہی ہے، دوسرے ہاتھ میں تسبیح بھی خود بخود گردش کناں ہے اور بچے کا گھوارہ بھی ہِل رہا ہے۔ جناب امیرالمومنین (علیہ السلام) نے حضرت رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کا ذکر کیا تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ ملائکہ میری بیٹی فاطمہ (علیہا السلام) کی خدمت کرتے ہیں، چکّی چلانے والے میکائل (علیہ السلام)، تسبیح پڑھنے والے اسرافیل (علیہ السلام) اور جُھولا جھلانے اور لوری دینے والے جبرائیل (علیہ السلام) تھے۔ بروایتے، جبرائیل (علیہ السلام) کی لوری یہ ہُوا کرتی تھی، ''جنت میں علی و حسن و حسین (علیہم السلام) کے لیے دُودھ کی نہریں ہیں، جو بھی اِن سے محبت کرے گا، وہ بلا تکلف جنت میں داخل ہوگا۔''[۳]

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۰
آیت اللہ سیّد احمد مستنبط تبریزی، (متوفی: ۱۳۹۹ھ، نجف، عراق)، فضائل اہل بیت (علیہم السلام)، ج ۲ ص ۳۷۶
قطب الدین الراوندی، (متوفی: ۵۷۳ھ، قم، ایران)، الخرائج والجرائح، ج ۱ ص ۲۵۲

[۲] آیت اللہ سیّد احمد مستنبط تبریزی، (متوفی: ۱۳۹۹ھ، نجف، عراق)، فضائل اہل بیت (علیہم السلام)، ج ۲ ص ۳۸۶

[۳] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۶ تا ۲۷

زمانۂ شیر خواری میں غذا

مرقوم ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) نے زمانۂ شیر خواری میں اپنی والدہ ماجدہ کا دُودھ پیا نہ کسی دوسری عورت کا۔ احتیاجِ غذا میں آپ (علیہ السلام) کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت میں لایا جاتا، رسول معظم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنا انگوٹھا آپ کے منہ میں دیتے، اور آپ اُس کو اس قدر چُوستے کہ سیر ہو جاتے، پس آپ کو دو دو اور تین تین دن تک خوراک کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ [۱] عبدالرحمٰن بن کثیر ہاشمی نے حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے سُنا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) روزانہ (جناب فاطمہ علیہا السلام کے گھر) تشریف لاتے، اور اپنی زبانِ اطہر امام حسین (علیہ السلام) کے دہنِ مبارک میں دیتے جسے آپ چُوسنے لگتے۔ لسانِ نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے دُودھ جاری ہوتا تھا جس سے آپ (علیہ السلام) سیراب ہو جاتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے اسی طریقے سے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے گوشت اور خون سے حسین (علیہ السلام) کا گوشت اور خون پیدا کیا، اور امام حسین (علیہ السلام) نے اپنی والدہ ماجدہ اور کسی دوسری خاتون کا دُودھ بالکل نہیں پیا۔ [۲]

جنت کا طعام

حضرت سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ سیّدہ فاطمہ زہرا (علیہا السلام) نے مجھ سے فرمایا کہ حسن و حسین (علیہما السلام) کو بھوک لگی ہے انھیں ان کے نانا جان کے پاس لے جاؤ۔ میں دونوں شہزادوں کو لے کر رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہُوا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے بارگاہِ ربُ العالمین میں دُعا کی کہ میرے معبود انھیں کھانا عطا فرما۔ پس، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے دستِ مبارک میں ایک نہایت سفید پھل آیا جو مکھن سے زیادہ نرم و ملائم اور بہت شیریں لگتا تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اُسے دو حصّوں میں تقسیم کر کے حسن اور حسین (علیہما السلام) کو دیا جسے وہ کھانے لگے۔ میرا دل چاہا کہ میں بھی وہ پھل کھاؤں لیکن نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا، "سلمان! یہ جنت کا طعام ہے، اور اسے روزِ قیامت (حساب کتاب سے

---

[۱] علامہ محمدی ری شہری، (۲۰۲۲ء تہران، ایران)، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۱۹۲
محمد بن علی بن حسین بن موسی بن بابویہ قمی شیخ صدوق، (۳۸۱ھ، شہری)، علل شرائع ص ۲۰۶
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۳۹
سیّد شرف الدین علی حسینی استر آبادی، (۹۴۰ھ)، تاویل الآیات الظارۃ، ج ۲ ص ۵۷۹

[۲] علامہ محمدی ری شہری، (۲۰۲۲ء تہران، ایران)، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۱۹۲
محمد بن علی بن حسین بن موسی بن بابویہ قمی شیخ صدوق، (۳۸۱ھ، شہری)، علل شرائع ص ۲۰۶
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۳۹
سیّد شرف الدین علی حسینی استر آبادی، (۹۴۰ھ)، تاویل الآیات الظارۃ، ج ۲ ص ۵۷۹

فارغ ہوکر) جنت میں جانے والوں کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا۔" کتاب خرائج میں ہے کہ فرمایا، "اسے ہمارے سوا کوئی نہیں کھا سکتا البتہ تم خیرونیکی پر ہو۔" [۱]

جنت کا لباس

حسنین (علیہما السّلام) کے لیے جنتی طعام کے ساتھ ساتھ جنتی لباس کا ذکر بھی روایات میں ملتا ہے۔ منقول ہے کہ عید قریب تھی جبکہ اسخیائے عالم کے گھر میں عید کے لیے نئے کپڑے نہیں تھے۔ حسن (علیہ السّلام) اور حسین (علیہ السّلام) اُس وقت کمسِن تھے۔ اُنھوں نے مادرِ گرامی کے حضور نئے لباس کی فرمائش کی تو سیّدہ زہرا (علیہا السّلام) نے بچوں کو مطمئن کرنے کے لیے فرمایا کہ آپ کے کپڑے درزی کے پاس ہیں جب تیار ہو گئے تو وہ دے جائے گا۔ چاند رات آئی تو بچے پھر والدہ ماجدہ سے نئے لباس کا مطالبہ کرنے لگے۔ سیّدہ کونین (علیہا السّلام) نے پھر وہی جواب دیا، اور حسنین (علیہما السّلام) مطمئن ہو گئے۔ ابھی روزِ عید کا سورج طلوع نہیں ہُوا تھا کہ زہرا (علیہا السّلام) کے دروازے پر دستک ہوئی۔ حضرت فضہ (رضی اللہ عنہا) دروازے پر گئیں تو ایک شخص کو دیکھا جو ایک تھیلا لیے کھڑا تھا۔ اُس نے وہ تھیلا حضرت فضہ (رضی اللہ عنہا) کو دیا، اور کہا کہ جناب سیّدہ (علیہا السّلام) تک پہنچا دو۔ حضرت سیّدۃ النساء العالمین (علیہا السّلام) نے تھیلا کھول کر دیکھا تو اُس میں دو چھوٹے چھوٹے عمامے، دو عبائیں اور کچھ ضروری کپڑے تھے۔ تھیلا لانے والے جبرائیل (علیہ السّلام) تھے جو جنت سے حسنین (علیہما السّلام) کے لیے نئے کپڑے لے کر آئے تھے۔ [۲]

آغوشِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں

حضرت اُسامہ بن زید سے روایت ہے کہ ایک شب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہُوا تو دیکھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی گود میں چادر کے نیچے سیّدنا حسن (علیہ السّلام)، اور سیّدنا حسین (علیہ السّلام) کو لیے ہُوئے تشریف فرما تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، "یہ دونوں میرے لختِ جگر، اور میری بیٹی فاطمہ (علیہا السّلام) کے لختِ جگر ہیں۔" پھر فرمایا، "یا اللہ! مجھے اِن سے محبت ہے تُو بھی اِن سے محبت فرما، اور جو اِن سے محبت کرے تُو بھی اُس سے محبت فرما۔" [۳]

---

[۱] حافظ ابونصر دیلمی، (متوفی: ۵۵۸ھ)، کتاب الفردوس؛ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی، (متوفی: ۴۶۳ھ، بغداد، عراق)، تاریخ بغداد، ج ۱۰
محمود ابنِ عمر الزمخشری، (متوفی: ۵۳۸ھ، ترکمانستان)، کشاف، ج ۱ ص ۱۹۳؛ ابنِ عساکر دمشقی، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، تاریخ دمشق

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصہ اوّل، ص ۸۶
سیّد ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری، (متوفی: ۱۰۷۲ء، لاہور، پاکستان)، **کشفُ المحجوب**
سیّد نجم الحسن کراروی، (متوفی: ۱۹۸۲ء، پشاور، پاکستان)، چودہ ستارے، ص ۲۱۹

[۳] شیخ عبدالواحد خیاری، الامام الحسین (علیہ السّلام)، ص ۳۵، بحوالہ: ابوعیسیٰ محمد ترمذی، (۲۷۹ھ، ترمذ، ازبکستان)، جامع ترمذی، حدیث نمبر ۳۷۶۹

پشتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر

روایت ہے کہ نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز پڑھ رہے ہوتے، اور جب سجدے میں جاتے تو حسن (علیہ السلام) اور حسین (علیہ السلام) آ کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پشتِ اقدس پر سوار ہو جاتے۔ اُس وقت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے سجدے کو طول دے دیتے اور جب لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سجدے کی طوالت پر سوال کرتے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے کہ میرے بیٹے میری پشت پر سوار تھے اس لیے جلدی کرنا مجھے اچھا نہ لگا۔ [1] حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے یوں روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب دورانِ نماز سجدے میں جاتے تو سیّدنا حسن (علیہ السلام) اور سیّدنا حسین (علیہ السلام) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پشتِ مبارک پر سوار ہو جاتے۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) اُنھیں روکنا چاہتے تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اشارے سے منع فرما دیتے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ حسنین (علیہما السلام) کو اپنی گود میں بٹھا لیتے، اور فرماتے: ''جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ اِن سے بھی محبت رکھے۔'' [2] اور، بروایتے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شہزادوں سے فرماتے کہ کیا عمدہ سواری ہے آپ کی۔ [3]

یہاں قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ نماز تو خالص اللہ کے لیے ہوتی ہے جس میں غیر اللہ کی خاطر کوئی عمل بجا لانے، سجدہ طویل کرنے، اور اشاروں کی زبان میں بات کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے یہ اعمال اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی کے حکم سے تھے جیسا کہ اُس نے ارشاد فرمایا:

''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○'' (سورۃ النجم، آیت: ۳-۴)

(اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو (اُن پر) اُتاری جاتی ہے۔)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے محبوب

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب لکھتے ہیں، ''یوں تو سارے بچّے ہی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پیارے تھے لیکن حضرت فاطمۃ الزہرا (علیہا السلام) اور حضرت علی (علیہ السلام) کی طرح اُن کی اولاد بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سب سے زیادہ محبوب تھی۔'' [4] مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا گیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے گھرانے میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''حسن (علیہ السلام) اور حسین (علیہ السلام)۔'' چنانچہ

---

[1] عبدالواحد خیاری، الامام الحسین (علیہ السلام)، ص ۴۵، ترجمہ نور محمد انیس، بحوالہ: ابویعلی ورجالہ ثقات

[2] شیخ عبدالواحد خیاری، الامام الحسین (علیہ السلام)، ص ۸۳، ۵۴، ترجمہ نور محمد انیس، بحوالہ: ابویعلی ورجالہ ثقات، الطبرانی فی الاوسط باسناد حسن

[3] شیخ عبدالواحد خیاری، الامام الحسین (علیہ السلام)، ص ۸۳، ترجمہ نور محمد انیس، بحوالہ: ابویعلی ورجالہ ثقات، الطبرانی فی الاوسط باسناد حسن

[4] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، (متوفی: ۱۹۹۷ء، لاہور)، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص ۵۳۶

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت فاطمہ (علیہا السلام) سے فرمایا کرتے کہ میرے بیٹوں کو میرے پاس بھیج دیں، بچے تشریف لاتے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُنھیں سینے سے لگاتے، اور لاڈ پیار کرتے۔ [۱] روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یوں تشریف لا رہے تھے ایک شانے پر حسن (علیہ السلام) اور دوسرے پر حسین (علیہ السلام) سوار تھے، اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کبھی حسن (علیہ السلام) کا بوسہ لیتے، اور کبھی حسین (علیہ السلام) کا۔ [۲]

جو مجھ سے محبت کرتا ہے

امیر المومنین جناب علی ابنِ ابی طالب (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ حضرت رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''جس نے مجھ سے محبت کی اُس پر لازم ہے کہ وہ ان دونوں (حسن اور حسین علیہما السلام) سے بھی محبت کرے۔'' [۳] اس حدیث کو الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ، حضرت زر بن جیش، حضرت براء بن عازب، حضرت اُسامہ بن زید، حضرت عبداللہ بن عثمان، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سلمان فارسی اور مُتعدِد صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے روایت کیا ہے۔

امیر المومنین حضرت علی ابنِ ابی طالب (علیہ السلام) سے ہی روایت ہے کہ جناب نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حسن (علیہ السلام) اور حسین (علیہ السلام) کے ہاتھ پکڑے اور فرمایا، ''جس نے مجھ سے، اور اِن دونوں سے، اور اِن کے والد سے، اور اِن کی والدہ سے محبت کی وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے ٹھکانے پر ہوگا۔ [۴]

---

[۱] شیخ عبدالواحد خیاری، الامام الحسین (علیہ السلام)، ص ۳۵، ترجمہ نور محمد انیس، بحوالہ: ابوعیسیٰ محمد ترمذی، جامع ترمذی، حدیث نمبر ۳۷۷۲

[۲] عبدالواحد خیاری، الامام الحسین (علیہ السلام)، ص ۴۲ بحوالہ: احمد بن حنبل، فضائل صحابہ و صحہ الحاکم و وافقہ الذہبی ولہ شواہد

[۳] احمد بن شعیب النسائی، (متوفی: ۹۱۵ء، یروشلم، فلسطین)، سنن الکبریٰ، ج ۵ ص ۵۰

احمد بن شعیب النسائی، (متوفی: ۹۱۵ء، یروشلم، فلسطین)، فضائل الصحابہ، ج ۱ ص ۲۰

ابنِ خزیمہ (متوفی: ۹۲۴ء، نیشاپور، ایران)، الصحیح، ج ۲ ص ۸۴

ابو یعلیٰ الموصلی، (متوفی: ۹۲۰ء، موصل، عراق)، مسند، ج ۹ ص ۲۵۰

حافظ نور الدین علی بن ابوبکر ہیثمی، (متوفی: ۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۷۹

ابنِ حجر عسقلانی، (متوفی: ۱۴۴۹ء، قاہرہ، مصر)، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج ۲ ص ۱۷

[۴] ابو عیسیٰ محمد ترمذی، (۲۷۹ھ، ازبکستان)، جامع ترمذی، ابواب المناقب، ج ۵ ص ۶۴۱

ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، (متوفی: ۲۴۱ھ، عراق)، المسند، ج ۱ ص ۷۷

ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، (متوفی: ۲۴۱ھ، عراق)، فضائل الصحابہ، ج ۲ ص ۶۹۳

حافظ ابوبکر علی بن خطیب بغدادی، (متوفی: ۴۶۳ھ، بغداد، عراق)، تاریخ بغداد، ج ۱۳ ص ۲۸۷

حافظ ابنِ حجر عسقلانی، (متوفی: ۱۴۴۹ھ، مصر)، تہذیب التہذیب، ج ۲ ص ۳۴۵

اس گھرانے پر اللہ کی رحمتیں ہیں

عمرو بن شعیب نے زینب بنتِ ابی سلمہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول معظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے ہاں تشریف فرما تھے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت حسن (علیہ السّلام) کو اپنے ایک طرف بٹھایا، اور حضرت حسین (علیہ السّلام) کو دوسری طرف، اور بیٹی فاطمہ (علیہا السّلام) کو دونوں کے درمیان بٹھایا، اور فرمایا اس گھرانے پر اللہ کی رحمتیں ہیں۔ [۱]

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گلشنِ حیات کے پھول

حضرت ابوایوب انصاری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں، حضرت رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہُوا تو حسن (علیہ السّلام) اور حسین (علیہ السّلام) آپ کے سامنے یا گود میں کھیل رہے تھے۔ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انھیں محبوب رکھتے ہیں؟ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''میں انھیں کیوں نہ محبوب رکھوں، میرے گلشنِ حیات کے یہی تو دو پھول ہیں جن کی مہک میرے مشامِ جاں کو معطر رکھتی ہے۔'' (یعنی انھیں دو پھولوں کی مہک مجھے راحت وسکون دیتی ہے۔) [۲]

ہم روزِ قیامت اکٹھے ہوں گے

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت فاطمہ (علیہا السّلام) سے فرمایا، ''اے فاطمہ (علیہا السّلام)! میں، آپ، یہ دونوں (حسن وحسین علیہما السّلام) اور یہ سونے والا (علی علیہ السّلام) روزِ قیامت اکٹھے ہوں گے۔ [۳]

حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْن

جناب رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو امام حسین (علیہ السّلام) سے اس قدر محبت تھی کہ فرمایا، ''حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْن'' یعنی حسین (علیہ السّلام) مجھ سے ہے اور میں حسین (علیہ السّلام) سے ہوں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کبھی حسین (علیہ السّلام) کو شانوں پر سوار

---

[۱] عبدالواحد خیاری، الامام الحسین (علیہ السّلام)، ص ۵۲، ترجمہ نور محمد انیس، بحوالہ: رواہ الطبرانی فی الاوسط

[۲] حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، اصفہان، ایران)، معجم کبیر، ج ۴ ص ۱۵۵

حافظ نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی، (متوفی: ۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۸۱

ابنِ حجر عسقلانی، (متوفی: ۱۴۴۹ء، قاہرہ، مصر)، فتح الباری، ج ۷ ص ۹۹

عبدالرحمن مبارکپوری، (متوفی: ۱۹۳۵ء، مبارکپور، بھارت)، تحفۃ الاحوذی، ج ۶ ص ۳۲

حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۳ ص ۲۸۲

[۳] شیخ عبدالواحد خیاری، الامام الحسین (علیہ السّلام)، ص ۴۲، ترجمہ نور محمد انیس، بحوالہ: رواہ احمد ورجالہ ثقات

کر کے سیر کراتے، کبھی خطبہ ادھورا چھوڑ کر گود میں لینے کے لیے لپکتے، کبھی آغوشِ مبارک میں لے کر چومتے، زبانِ اطہر چوساتے ، اُن کی خوشبو سے مشامِ جاں کو معطر فرماتے اور کبھی اُن کا دل لبھانے کے لیے اُن کے ساتھ کھیلتے۔ ابو یعلیٰ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ہم لوگ کسی دعوت میں شریک ہونے جا رہے تھے کہ راستے میں حضرت حسین (علیہ السلام) کو دیکھا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُنھیں پکڑنے کے لیے دونوں ہاتھ پھیلا کر اُن کی طرف بڑھے۔ حضرت حسین (علیہ السلام) اِدھر اُدھر بھاگنے لگے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی اُن کی محبت میں اُن کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ بالآخر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُنھیں پکڑ لیا، اور اُن کی پیشانی کو چومتے ہُوئے فرمایا، ''حسین (علیہ السلام) مجھ سے ہے، اور میں حسین (علیہ السلام) سے ہوں، اور حسین (علیہ السلام) عظیم نواسۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔'' بروایتے، یعلیٰ ابنِ مرہ عامری نے یوں کہا کہ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ایک دعوت پر میں مہمان بن کر گیا۔ حسین (علیہ السلام) بچوں کے ساتھ راستے میں کھیل رہے تھے۔ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُنھیں پکڑنے کے لیے اُن کے سامنے آ کر اپنے بازو کھول دیے، لیکن وہ دوڑتے ہُوئے اِدھر سے اُدھر چلے جاتے۔ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُن کو ہنساتے رہے یہاں تک کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُنھیں پکڑ لیا، پھر اپنے ایک ہاتھ کو اُن کی ٹھوڑی کے نیچے، اور دوسرے کو اُن کی گردن کے پیچھے رکھا، اور اُن کے سر کو اُٹھا کر اپنا منہ اُن کے منہ پر رکھ کر اُنھیں چومنا شروع کر دیا، اور فرمایا، ''حسین (علیہ السلام) مجھ سے ہے، اور میں حسین (علیہ السلام) سے ہوں، اللہ! اُس سے محبت کرتا ہے جو حسین (علیہ السلام) سے محبت کرتا ہے، اور اُس سے نفرت کرتا ہے جو حسین (علیہ السلام) سے نفرت کرتا ہے، حسین (علیہ السلام) نواسوں میں ایک ہے، اس کے قاتل پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ [۱]

ابو عیسیٰ محمد ترمذی نے ''ترمذی'' میں بیان کیا ہے کہ یعلیٰ بن مرّہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ حسین (علیہ السلام) مجھ سے ہیں، اور میں حسین (علیہ السلام) سے ہوں، اللہ اُس شخص سے محبت کرتا ہے جو حسین (علیہ السلام) سے محبت کرتا ہے، حسین (علیہ السلام) نواسوں میں ایک نواسہ ہیں۔ [۲]

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ میں نے رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت حسین (علیہ السلام) بن علی (علیہ السلام) کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اُن کے پاؤں اپنے پاؤں مبارک پر رکھے ہُوئے تھے (جیسا کہ عموماً چھوٹے

---

[۱] ابو عبداللہ محمد بن یزید ابنِ ماجہ، (متوفی: ۸۸۶ء، قزوین، ایران)، سنن ابنِ ماجہ، ۱۴۴
ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان، (متوفی: ۸۴۸ء، کوفہ، عراق)، المصنف، ج ۶ ص ۳۸۰
شمس الدین ذہبی، (۱۳۴۸ھ، دمشق)، تاریخ الاسلام، ۱۴۰۹ق، ج ۵ ص ۹۷
جلال الدین سیوطی، (متوفی: ۹۱۱ھ، قاہرہ، مصر)، جمع الجوامع او الجامع الکبیر، ج ۱
حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، اصفہان، ایران)، معجم اوسط، ج ۲۲ ص ۲۷۴
حاکم نیشاپوری، (متوفی: ۴۰۵ھ، نیشاپور، ایران)، مستدرک، ج ۳ ص ۱۹۴
[۲] ابو عیسیٰ محمد ترمذی، (۲۷۹ھ، ازبکستان)، جامع ترمذی، ابواب المناقب، حدیث: ۳۷۷۵/۳۹۵۶

بچوں کا دل لبھانے کے لیے کیا جاتا ہے)، اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُن سے فرما رہے تھے، ''ننھے مُنے بچے اُوپر چڑھو، ننھے مُنے بچے اُوپر چڑھو۔'' [1]

جان لو کہ یہ حسین (علیہ السلام) بن علی (علیہ السلام) ہے

اہلِ سُنت کے ایک معروف عالم دین محمد بن یوسف بن محمد گنجی شافعی اپنی کتاب کفایۃ الطالب میں ربیعہ سعدی سے ایک روایت نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یوں ہے کہ جب کوفہ کے لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی فضیلت و برتری میں اختلاف کرنے لگے تو میں (ربیعہ سعدی) حذیفہ یمانی سے ملنے مدینہ چلا گیا تاکہ اس مسئلے میں اُن کی رائے معلوم کروں۔ حذیفہ یمانی نے کہا کہ تم درست جگہ آئے ہو کیونکہ میں وہی کہوں گا جو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سُنا۔ پھر کہا کہ ایک دن رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے، اور میں نے دیکھا کہ حسین (علیہ السلام) بن علی (علیہ السلام) اُن کے شانے پر سوار تھے۔ وہ منظر ابھی تک میری نگاہوں میں یوں تازہ ہے جیسے تم میرے سامنے موجود ہو اور میں تمھیں دیکھ رہا ہوں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے دونوں ہاتھوں سے حسین (علیہ السلام) کے دونوں پیروں کو پکڑ کر اپنے سینے سے لگایا ہُوا تھا، اور فرما رہے تھے کہ لوگو! میں جانتا ہوں کہ میرے بعد تم اِن بزرگ ہستیوں سے متعلق اختلاف کرو گے چنانچہ جان لو کہ یہ حسین (علیہ السلام) بن علی (علیہ السلام) ہے جس کا نانا میں ہوں اور نانی خدیجۃ الکبریٰ (علیہا السلام) ہیں جو دُنیا کی تمام عورتوں میں سب سے پہلے خدا اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائیں، اور یہ حسین (علیہ السلام) بن علی (علیہ السلام) وہ ہے جو اپنے والدین کی نسبت سے سب سے بلند مرتبہ ہے، کیونکہ اس کے والد علی (علیہ السلام) ابنِ ابی طالب (علیہ السلام) ہیں جو میرے بھائی اور وزیر ہیں، اور ایمان

---

[1] شیخ عبدالواحد خیاری، الامام الحسین (علیہ السلام)، ص ۴۲، ترجمہ نور محمد انیس
امام احمد بن حنبل، (متوفی: ۲۴۱ھ، الرصافہ، عراق)، فضائل صحابہ، ج ۲ ص ۷۸۷
علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۰۷
حافظ ابنِ عساکر، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، تاریخ دمشق، ج ۱۳ ص ۱۹۴
ابنِ حجر عسقلانی، (متوفی: ۱۴۴۹ء، قاہرہ، مصر)، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج ۲ ص ۶۲
ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان، (متوفی: ۸۴۸ء، کوفہ، عراق)، المصنف، ج ۳ ص ۵۱۴
محب الدین احمد بن عبداللہ طبری، (متوفی: ۶۹۴ھ، مکہ مکرمہ)، ذَخائرُ العُقبیٰ فی مَناقِبِ ذَوِی القُربیٰ، ص ۲۱۳
علی بن حسام الدین عبدالملک بن قاضی خان متقی ہندی، (متوفی: ۹۷۵ھ)، کنز العمّال فی سنن الاقوال والافعال، ج ۱۳ ص ۶۴۹
سیّد احمد بریلوی، (متوفی: ۱۸۳۱ء بالاکوٹ، مانسہرہ)، صراط مستقیم، ج ۲ ص ۱۴۰
محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ھ، حلب)، مناقب، ج ۳ ص ۳۸۹
محمد بن اسماعیل بخاری، (متوفی: ۲۵۶ھ، ازبکستان)، الادب المفرد، ص ۹۰

لانے میں دُنیا کے تمام مردوں پر سبقت رکھتے ہیں، اور اس کی والدہ فاطمہ (علیہا السلام) بنتِ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جو عالمین کی عورتوں کی سردار ہیں۔ یہ حسین (علیہ السلام) بن علی (علیہ السلام) ہے جو چچا اور پھوپھی کی جانب سے بے مثال ہے، اور اس کے چچا جعفر (علیہ السلام) بن ابو طالب (علیہ السلام) ہیں جو جنت میں اپنے دو پروں کی وجہ سے مشہور ہیں اور جہاں چاہیں پرواز کر سکتے ہیں، اور ان کی پھوپھی اُمّ ہانی (علیہا السلام) بنتِ ابو طالب (علیہ السلام) ہیں۔ [۱] یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عباس سے یوں روایت کی گئی ہے کہ حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا، ''اے لوگو! کیا میں تمھیں اُن کے بارے میں خبر نہ دوں جو اپنے نانا نانی کی نسبت سے سب لوگوں سے بہتر ہیں؟ کیا میں تمھیں اُن کے بارے میں نہ بتاؤں جو اپنے چچا اور پھوپھی کی نسبت سے سب لوگوں سے بہتر ہیں؟ کیا میں تمھیں اُن کے بارے میں نہ بتاؤں جو اپنے ماموں اور خالہ کی نسبت سے سب لوگوں سے بہتر ہیں؟ کیا میں تمھیں اُن کے بارے میں خبر نہ دوں جو اپنے ماں باپ کی نسبت سے سب لوگوں سے بہتر ہیں؟ وہ حسن اور حسین (علیہما السلام) ہیں۔ ان کے نانا اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ان کی نانی خدیجہ بنتِ خویلد (علیہا السلام)، ان کی والدہ فاطمہ (علیہا السلام) بنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ان کے والد علی ابنِ ابی طالب (علیہ السلام)، اُن کے چچا جعفر ابنِ ابی طالب (علیہ السلام)، ان کی پھوپھی اُمّ ہانی بنتِ ابی طالب (علیہا السلام)، ان کے ماموں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فرزند قاسم (علیہ السلام) اور ان کی خالائیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹیاں زینب و رُقیہ و اُمّ کلثوم (رضی اللہ عنہم) ہیں، ان کے نانا، والد، والدہ، چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ سب جنت میں ہوں گے، اور وہ دونوں (حسن اور حسین علیہما السلام) بھی جنت میں ہوں گے۔ [۲]

واضح ہو کہ علمائے اہلِ تشیع، جن میں چوتھی صدی کے شیعہ محقق ابوالقاسم کوفی اور پندرہویں صدی کے شیعہ محقق سیّد جعفر مرتضی عاملی بھی شامل ہیں، معتقد ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا (علیہا السلام) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اکلوتی بیٹی ہیں جبکہ زینبؓ، رقیہؓ و اُمّ کلثومؓ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور حضرت خدیجہ (علیہا السلام) کی حقیقی بیٹیاں نہیں۔ سیّد جعفر مرتضیٰ عاملی نے ''بنات النبی أم

---

[۱] حاج سیّد ہاشم رسولی محلاتی، لمحاتِ جاودان حیاتِ امام حسین (علیہ السلام)، ص ۲۰ بحوالہ:
محمد بن یوسف بن محمد گنجی شافعی، (متوفی: ۶۵۸ء، دمشق)، کفایۃ الطالب، ص ۲۷۲

[۲] حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، ایران)، معجم اوسط، ج ۶ ص ۲۹۸
حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، ایران)، معجم الکبیر، ج ۳ ص ۶۶
علی ابنِ حسین ابنِ عبداللہ ابنِ عساکر دمشقی، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، تاریخ دمشق، ج ۱۳ ص ۲۲۹
حافظ نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی، (متوفی: ۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۸۴
علی متقی ہندی، (متوفی: ۹۷۵ھ، مکہ مکرمہ)، کنز العمال، ج ۱۲ ص ۱۱۸
محب طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، ج ۱ ص ۱۳۰

رَبائِبُہ؟'' (رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیٹیاں یا منہ بولی بیٹیاں؟) نامی کتاب اسی موضوع کے اثبات میں لکھی ہے۔ مشہورِ عالم امریکی انسائیکلو پیڈیا انکارٹا (Encyclopedia Encarta) نے بھی صرف ایک بیٹی حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کا ذکر کیا ہے۔

جنتی جوانوں کے سردار

قَالَ رَسُولَ اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)، ''اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ○''

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا، ''حسن (علیہ السلام) اور حسین (علیہ السلام) جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔''

مندرجہ بلا حدیثِ مبارکہ، امام حسن (علیہ السلام) اور امام حسین (علیہ السلام) کی شان میں بہت مشہور و معروف ہے جسے امیر المومنین حضرت علی ابنِ ابی طالب (علیہ السلام) کے علاوہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوہریرہ اور مُتعدّد صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے بیان کیا ہے۔ [1]

اور حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا، ''ایک فرشتہ ہے جو اس سے پہلے دُنیا میں کبھی نہیں اُترا۔ وہ اپنے رب کی اجازت سے مجھ پر سلام عرض کرنے حاضر ہُوا، اور مجھے بشارت دی کہ فاطمہ (علیہا السلام) جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن (علیہ السلام) اور حسین (علیہ السلام) جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔'' [2]

حسن و حسین (علیہما السّلام) کو گالی مت دینا

امام حسین (علیہ السلام) خود روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے نانا حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے سُنا کہ حسن (علیہ السلام) اور

---

[1] حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، ایران)، معجم اوسط، ج ۲ ص ۳۴۷۔ ج ۶ ص ۱۰
حاکم نیشاپوری، (متوفی: ۴۰۵ھ، نیشاپور، ایران)، مستدرک، ج ۳ ص ۱۸۲
حافظ نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی، (متوفی: ۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۲۰۱
جلال الدین سیوطی، (متوفی: ۹۱۱ھ، قاہرہ، مصر)، الدر المنثور فی تفسیر بالمأثور، ج ۵ ص ۴۸۹

[2] احمد بن شعیب النسائی، (متوفی: ۹۱۵ء، یروشلم، فلسطین)، سنن نسائی، ج ۵ ص ۸۰؛ ج ۵ ص ۵۰
ابوعیسیٰ محمد ترمذی، (متوفی: ۲۷۹ھ، ازبکستان)، جامع ترمذی، ج ۵ ص ۶۶۰، ابواب المناقب، ج ۵ ص ۶۵۶
ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، (متوفی: ۲۴۱ھ، عراق)، المسند، ج ۵ ص ۳۹۱؛ المسند، ج ۳ ص ۳
ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان، (متوفی: ۸۴۸ء، کوفہ، عراق)، المصنف، ج ۶ ص ۳۷۸؛ ج ۶ ص ۳۷۸
حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، ایران)، معجم کبیر، ج ۳ ص ۳۷
حاکم نیشاپوری، (متوفی: ۴۰۵ھ، نیشاپور، ایران)، مستدرک، ج ۳ ص ۴۳۹
حافظ نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی، (متوفی: ۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۸۳
احمد بن محمد المعروف ابنِ حجر ہیثمی، (متوفی: ۹۷۴ھ)، صواعق المحرقہ، ج ۲ ص ۵۶۰

حسین (علیہ السلام) کو گالی مت دینا کیونکہ وہ پہلی اور پچھلی تمام اُمتوں کے جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ [۱]

تمھاری جنگ میری جنگ

ترمذی میں حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین (علیہم السلام) سے فرمایا کہ جس کے ساتھ تمھاری جنگ ہے اُس کے ساتھ میری جنگ ہے، اور جس کے ساتھ تمھاری صلح ہے اُس کے ساتھ میری صلح ہے۔ [۲] ایسی کئی روایات مُتعدّد کتبِ احادیث و تواریخ میں کئی صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے مروی ہیں جن میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بار بار مُتنبّہ فرمایا کہ میں اور میرے اہل بیت (علیہم السلام) ایک ہی ہیں، لہٰذا ان سے اُسی طرح محبت و عقیدت رکھنا جس طرح مجھ سے رکھتے ہو۔ جس نے ان سے عداوت اور بغض و عناد رکھا اُس نے مجھ سے عداوت اور بغض و عناد رکھا، اور جس نے مجھ سے عداوت اور بغض و عناد رکھا اُس نے اللہ سے عداوت اور بغض و عناد رکھا، اور جس نے اللہ سے عداوت اور بغض و عناد رکھا اُس کا ٹھکانہ یقینی طور پر جہنم ہی ہے۔ [۳] مگر صد افسوس کہ لوگوں نے اس فرمانِ عالی شان کی ہمیشہ خلاف ورزی کی۔ ہوسِ اقتدار میں پہلے پہل رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بغض رکھا پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہلِ بیت اطہار (علیہم السلام) کو اس کا نشانہ بنایا۔

---

[۱] حافظ ابنِ عساکر، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، تاریخ دمشق الکبیر، ج ۱۴ ص ۱۳۱
حافظ نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی، (متوفی: ۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۸۴
حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، ایران)، معجم اوسط، ج ۱ ص ۱۱۸
ابوعلی محمد بن علی بدرالدین شوکانی، (متوفی: ۱۲۵۰ھ، صناء، یمن)، درالسحابہ فی مناقب القرابہ والصحابہ، ص ۳۰۱
[۲] ابوعیسیٰ محمد ترمذی، (متوفی: ۲۷۹ھ، ازبکستان)، جامع ترمذی، ج ۵ ص ۶۹۹
حاکم نیشاپوری، (متوفی: ۴۰۵ھ، نیشاپور، ایران)، مستدرک، ج ۶ ص ۳۷۸
ابوعبداللہ محمد بن یزید ابنِ ماجہ، (متوفی: ۸۸۶ء، قزوین، ایران)، سنن ابنِ ماجہ، ص ۱ ص ۵۲
محمد ابن حبان، (متوفی: ۳۵۴ھ، افغانستان)، الصحیح، ج ۱۵ ص ۴۳۴؛ ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان، المصنف، ج ۶ ص ۳۷۸
[۳] حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، اصفہان، ایران)، معجم الاوسط، ج ۵ ص ۱۸۲
حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، اصفہان، ایران)، معجم الکبیر، ج ۳ ص ۴۰؛ ج ۵ ص ۱۸۴
حافظ نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی، (متوفی: ۸۰۷ھ)، موارد الظمان، ج ۱ ص ۵۵۵
محب طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، ج ۱ ص ۶۲
حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۲ ص ۱۲۵
شیخ عبدالواحد خیاری، الامام الحسین (علیہ السلام)، ص ۵۲، ترجمہ نور محمد انیس بحوالہ امام حنبل

جس نے ان سے بغض رکھا

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ایک کندھے پر امام حسن (علیہ السلام) اور دوسرے پر امام حسین (علیہ السلام) سوار تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دونوں کو باری باری چوم رہے تھے۔ ایک شخص نے عرض کی، ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان سے محبت کرتے ہیں؟'' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''جس نے اِن دونوں سے محبت رکھی اُس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے اِن سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھا۔'' اس حدیثِ مبارکہ کو اہلِ سُنت کے بزرگان احمد اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوہریرہ اور مُتعدّد صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے روایت ہے کہ حضرت نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''جس نے حسن اور حسین (علیہما السّلام) سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھا۔ [۱] اور حضرت سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہُوئے سُنا کہ جس نے حسن اور حسین (علیہما السّلام) سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھا، اور جس نے مجھ سے بغض رکھا وہ اللہ کے ہاں مبغوض ہوگیا، اور جو اللہ کے ہاں مبغوض ہُوا اُسے اللہ نے آگ میں داخل کردیا جہاں اُس کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔'' [۲]

اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''یا اللہ! جو علی اور فاطمہ اور حسن

---

[۱] ابوعیسیٰ محمد ترمذی، (۲۷۹ھ، ازبکستان)، جامع ترمذی، ابواب المناقب، ج ۵ ص ۶۵۶
احمد بن شعیب النسائی، (متوفی: ۹۱۵ء، یروشلم، فلسطین)، سنن نسائی، ج ۵ ص ۵۰
ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، (متوفی: ۲۴۱ھ، عراق)، المسند، ج ۳، ص ۳
ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان، (متوفی: ۸۴۹ء، کوفہ، عراق)، المصنف، ج ۶ ص ۳۷۸
حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، ایران)، معجم اوسط، ج ۲ ص ۳۴۷؛ ج ۶ ص ۱۰
حاکم نیشاپوری، (متوفی: ۴۰۵ھ، نیشاپور، ایران)، مستدرک، ج ۳ ص ۱۸۲
حافظ نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی، (متوفی: ۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۲۰۱
جلال الدین سیوطی، (متوفی: ۹۱۱ھ، قاہرہ، مصر)، الدر المنثور فی تفسیر بالمأثور، ج ۵ ص ۴۸۹

[۲] احمد بن شعیب النسائی، (متوفی: ۹۱۵ء)، سنن نسائی، ج ۵ ص ۸۰؛ ابوعیسیٰ محمد ترمذی، (۲۷۹ھ)، جامع ترمذی، ج ۵ ص ۶۶۰
ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، المسند، ج ۵، ص ۳۹۱؛ ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان، المصنف، ج ۶ ص ۳۷۸
حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، ایران)، معجم کبیر، ج ۳ ص ۳۷
حاکم نیشاپوری، (متوفی: ۴۰۵ھ، نیشاپور، ایران)، مستدرک، ج ۳ ص ۴۳۹
ہیثمی، (متوفی: ۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۸۳؛ احمد بن محمد المعروف ابنِ حجر ہیثمی، (متوفی: ۹۷۴ھ)، صواعق المحرقہ، ج ۲ ص ۵۶۰

اور حسین (علیہم السلام) سے عداوت رکھے تُو اُس سے عداوت رکھ، اور جو انھیں دوست رکھے تُو اُسے دوست رکھ۔ [1]

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بے چینی

طبرانی نے بااسناد نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ مرض الوفات میں مبتلا تھے تو مروان اُن کے پاس آیا، اور کہا کہ جب سے ہم اکٹھے رہنے لگے ہیں میں تمھاری اس عادت سے خفا ہوں کہ تم حسن اور حسین (علیہما السلام) کی محبت میں حد سے تجاوز کر جاتے ہو۔ بقولِ راوی، یہ سُن کر حضرت ابو ہریرہ جو پہلے لیٹے ہُوئے تھے، اُٹھ کر بیٹھ گئے، اور کہا، ''غور سے سُن! میں اس واقعے کا چشم دِید گواہ ہوں جب ایک سفر میں ہم لوگ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھے اور حسن اور حسین (علیہما السلام) اور اُن کی والدہ محترمہ سیّدہ فاطمہ (علیہا السلام) بھی ہمراہ تھیں تو دورانِ سفر نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حسن اور حسین (علیہما السلام) کے رونے کی آواز آئی۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فوراً اپنی سواری کو بھگاتے ہُوئے اُن کے پاس گئے، اور جناب سیّدہ فاطمہ (علیہا السلام) سے پوچھا کہ میرے بیٹے کیوں رو رہے ہیں؟ حضرت فاطمہ (علیہا السلام) نے فرمایا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بچے پیاس کی وجہ سے رو رہے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنا مشکیزہ دیکھا مگر وہ خالی تھا پھر قافلے والوں میں پانی کے لیے اعلان کروایا مگر پانی نہ ملا کیونکہ اُس سفر میں پانی کی قلّت ہوگئی تھی۔ چنانچہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت فاطمہ (علیہا السلام) سے فرمایا کہ ایک بچہ مجھے دیجیے، اُنھوں نے چادر کے نیچے سے حسن (علیہ السلام) کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حوالے کر دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُن کو اپنے سینۂ اقدس سے لگا لیا مگر وہ خاموش نہ ہُوئے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی زبانِ اطہر اُن کے مُنھ میں دی جسے اُنھوں نے چوسنا شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ سیراب ہو کر خاموش ہوگئے، حسین (علیہ السلام) مسلسل رو رہے تھے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت فاطمہ (علیہا السلام) سے

---

[1] ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، (متوفی: ۲۴۱ھ، عراق)، مسند، ج ا ص ۳۳۱
ابوعبدالرحمٰن احمد ابنِ شعیب النسائی، (متوفی: ۳۰۳ھ، فلسطین)، الخصائص، ص ۴
محمد ابنِ جریر طبری، (متوفی: ۳۱۰ھ، بغداد)، تفسیر (مطبوعہ مصر)، ج ۲۲ ص ۵
ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی، (متوفی: ۴۵۸ھ، سبزوار، ایران)، سنن الکبریٰ، ج ۲ ص ۱۴۹
ابوالحسین مسلم بن الحجاج، (متوفی: ۲۶۱ھ، نیشاپور، ایران)، صحیح مسلم، حدیث ۵۵۹۵
ولی الدین محمد ابنِ عبداللہ الخطیب الامری تبریزی، (متوفی: ۷۴۰ھ)، مشکوٰۃ المصابیح
حاکم نیشاپوری، (متوفی: ۴۰۵ھ، نیشاپور، ایران)، مستدرک، ج ۲ ص ۱۷۲، ۱۵۹، ۱۴۶، ۴۱۶
حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی، (متوفی: ۴۶۳ھ، بغداد، عراق)، تاریخ بغداد، ج ۱۰
علی ابنِ حسین ابنِ عبداللہ ابنِ عساکر دمشقی، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، تاریخ دمشق
شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی، (متوفی: ۷۴۸ھ، دمشق)، تلخیص مستدرک
شیخ احمد ابنِ حجر مکی، (متوفی: ۹۷۴ھ، مکہ مکرمہ)، صواعق محرقۃ

فرمایا کہ حسین (علیہ السلام) بھی مجھے دیجئے۔ فاطمہ (علیہا السلام) نے اُن کو بھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سپُرد کر دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُنھیں بھی اپنی زبانِ اطہر چسائی، اور وہ بھی لسانِ نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سیراب ہوکر چُپ ہو گئے۔ [۱]

حسین (علیہ السلام) کو رونے مت دینا

علی بن حسین بن واقد سے اُن کے والد نے، اُن سے ابو غالب نے، اور وہ ابوامامہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی ازواجِ مطہرات (رضی اللہ عنہم) کو نصیحت کر رکھی تھی کہ حسین (علیہ السلام) کو کبھی رونے مت دینا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے ہاں قیام فرماتے تھے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں جبرائیل (علیہ السلام) حاضر ہُوئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے فرمایا کہ کسی کو کمرے میں مت آنے دیجئے گا۔ اسی دوران حسین (علیہ السلام) تشریف لے آئے، اور دروازہ بند دیکھ کر رونے لگے۔ حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) نے اُنھیں روتے دیکھا تو دروازہ کھول دیا چنانچہ حسین (علیہ السلام)، رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی گود میں جا کر بیٹھ گئے۔ [۲]

اگر حسین (علیہ السلام) روئے تو ملائکہ بھی رونے لگیں گے

منقول ہے کہ ایک عربی نے رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں ہرن کا ایک بچہ پیش کیا۔ اُس وقت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس کمسن حسن (علیہ السلام) موجود تھے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وہ بچہ اُنھیں دے دیا۔ کچھ دیر بعد حسین (علیہ السلام) نے اُنھیں ہرن کے بچے کے ساتھ کھیلتے دیکھا تو پوچھا کہ بھیا! آپ نے یہ کہاں سے لیا ہے؟ حسن (علیہ السلام) نے فرمایا کہ مجھے نانا جان نے دیا ہے۔ یہ سُن کر حسین (علیہ السلام) بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے اور عرض کی کہ نانا جان کیا آپ مجھے ہرن کا بچہ نہیں دیں گے جیسا بھائی کو دیا ہے؟ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے لختِ جگر کی فرمائش سُن کر اُن کا دھیان بٹانے کے لیے محبت آمیز گفتگو کرنے لگے مگر معصوم حسین (علیہ السلام) کا ہرنی کے بچے کے لیے اصرار بڑھنے لگا اور قریب تھا کہ وہ رونے لگیں۔ اچانک ایک ہرنی اپنے بچے کے ساتھ وہاں وارد ہوئی، اُس کے پیچھے ایک بھیڑیا لگا ہُوا تھا۔ ہرنی نے فصیح زبان میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں عرض کی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میرے دو بچے تھے جن میں سے ایک شکاری نے پکڑ لیا، یہ دُوسرا میرے پاس تھا، میں اسے دُودھ پلانے میں مصروف تھی کہ ایک غیبی آواز سنی۔ کوئی کہہ رہا تھا، ''اے ہرنی! جلدی کھڑی ہو جا اور یہ بچہ فوراً رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں پہنچا کیونکہ اُن کا بیٹا اس وقت اُن کے پاس موجود ہے، اور قریب ہے کہ رونے لگے۔ تمام فرشتے عبادت سے سر اُٹھا کر وہ منظر دیکھ رہے ہیں۔ اگر حسین (علیہ السلام) روئے تو ملائکہ بھی اُن کے ساتھ

---

[۱] احمد بن شعیب النسائی، (متوفی: ۹۱۵ء)، سنن نسائی، ج ۵ ص ۸۰؛ ابوعیسیٰ محمد ترمذی، (۲۷۹ھ)، جامع ترمذی، ج ۵ ص ۶۶۰
ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، المسند، ج ۵ ص ۳۹۱؛ ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان، المصنف، ج ۶ ص ۳۷۸
حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، ایران)، معجم کبیر، ج ۳ ص ۳۷
حاکم نیشاپوری، (متوفی: ۴۰۵ھ، نیشاپور، ایران)، مستدرک، ج ۳ ص ۴۳۹
ہیثمی، (متوفی: ۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۸۳؛ احمد بن محمد المعروف ابنِ حجر ہیثمی، (متوفی: ۹۷۴ھ)، صواعق المحرقہ، ج ۲ ص ۵۶۰

[۲] عبدالواحد خیاری، الامام الحسین (علیہ السلام)، ص ۴۴ بحوالہ: رواہ الطبری باسناد رجالہ ثقات، در الصحابہ للشوکانی

رونے لگیں گے۔ پس، اے ہرنی! قبل اس کے کہ حسین (علیہ السلام) کے آنسو جاری ہوں، فوراً اپنے بچے کو اُن کی خدمت پہنچاؤ ورنہ اس بھیڑیے کو تمھارے اُو پر مسلط کر دیا گیا ہے اور یہ تم دونوں کو کھا جائے گا۔'' یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! خُدا کا شُکر ہے کہ میں حسین (علیہ السلام) کے اشک رواں ہونے سے پہلے پہنچ گئی۔ اُس وقت صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے تکبیر بلند کی، اور رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہرنی کے لیے دُعائے خیر فرمائی۔ [1]

عرش کی زینت

حضرت رسول معظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل بیت (علیہم السلام) وجہ تخلیقِ کائنات ہیں اور کائنات کی زیب و زینت بھی انھیں عظیمُ المرتبت ہستیوں کے دَم سے ہے، چنانچہ شیخ صدوق (رحمۃ اللہ علیہ)، حضرت ابنِ عمر سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''روزِ قیامت ربُّ العالمین کے عرش کو ہر طرح کی زینت سے مُزیّن کیا جائے گا اور نور کے دو منبر لائے جائیں گے۔ ایک منبر کو عرش کے دائیں طرف، اور دوسرے کو بائیں طرف رکھا جائے گا پھر امام حسن اور امام حسین (علیہما السلام) آ کر اُن پر تشریف فرما ہوں گے۔ خداوند متعال ان دو بزرگ ہستیوں سے اپنے عرش کو اس طرح مُزیّن کرے گا جس طرح عورت گوشواروں سے خود کو آراستہ کرتی ہے۔ [2]

کم سِنی میں امام حسین (علیہ السلام) کا اندازِ تعلیم

امام حسین (علیہ السلام) ایک عظیم مُعلّم بھی تھے۔ آپ (علیہ السلام) کا طریقۂ تعلیم ایسا تھا کہ آپ سے علم حاصل کرنے والا جیسا بھی ہوتا اُس کو حصولِ علم کے وقت کسی مشکل اور ندامت و پشیمانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا اور وہ آپ (علیہ السلام) کی تعلیم سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ آپ (علیہ السلام) مدینۃُ العلم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نواسے، اور بابُ العلم (علیہ السلام) کے فرزند تھے، آغوشِ سیّدۃُ النساء العالمین (علیہا السلام) میں پروان چڑھے تھے، اور وارثِ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھے۔ مذکور ہے کہ حضرت حسن اور جناب حسین (علیہما السّلام) نے اپنے بچپن میں ایک عمر رسیدہ شخص کو غلط طریقے سے وضو کرتے دیکھا۔ حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے اُس شخص کو صحیح طریقہ تعلیم کرنے کے لیے اُس کے سامنے امام حسن (علیہ السلام) کے ساتھ وضو سے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ بوڑھا آپ کی طرف متوجہ ہُوا تو اُس سے فرمایا، اے مردِ پیر! ہم آپ کو اپنا قاضی بنا کر آپ کے سامنے وضو کرتے ہیں، آپ فیصلہ کیجئے کہ ہم میں سے کس کا وضو ٹھیک ہے۔ پس، دونوں شہزادوں نے اُس شخص کے سامنے وضو کیا تو وہ بولا،

---

[1] آیت اللہ سیّد احمد مستنبط تبریزی، (متوفی: ۱۳۹۹ھ، نجف، عراق)، فضائل اہل بیت (علیہم السلام)، ج ۲ ص ۳۸۷ بحوالہ: بحار الانوار

[2] آیت اللہ سیّد احمد مستنبط تبریزی، (متوفی: ۱۳۹۹ھ، نجف، عراق)، فضائل اہل بیت (علیہم السلام)، ج ۲ ص ۳۳۸

ابنِ بابویہ شیخ صدوق، (متوفی: ۳۸۱ھ)، امالی صدوق، ص ۱۸۴؛ حسن بن ابی الحسن دیلمی، (متوفی: قرن ہشتم)، ارشاد القلوب، ج ۲ ص ۱۴۱

''آپ دونوں کا وضو کامل ہے لیکن میں نادان ابھی تک وضو کے درست طریقے سے واقف نہیں تھا۔ آپ اپنے جد بزرگوار کی اُمّت پر مہربان ہیں، میں نے آپ سے صحیح وضو سیکھ لیا ہے، اور آپ کے وسیلے سے توبہ بھی کر لی ہے۔'' [۱]

کم سِنی میں ایک دقیق شرعی مسئلے کا جواب

علامہ باقر مجلسیؒ، ابو سلمہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں خلیفہ دُوَم کے ساتھ مراسمِ حج کے لیے جا رہا تھا کہ وادی ابطح (وادی بطحاء) میں ایک عرب نے اُن سے سوال کیا کہ میں نے حالتِ احرام میں شُتُر مُرغ کے کچھ انڈے کھا لیے ہیں اب مجھے اس کا کیا کَفّارَہ ادا کرنا ہوگا؟ اُنھوں نے کہا کہ مجھے اس مسئلے کا حکم معلوم نہیں، بیٹھ جاؤ کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب میں سے کسی کو بھیج دے جو تمھاری یہ مشکل حل کر دے۔ اسی دوران امیرالمومنین حضرت علی (علیہ السلام) اپنے کم سِن فرزند حسین (علیہ السلام) کے ہمراہ تشریف لائے تو خلیفہ نے اُس شخص سے کہا کہ اپنا سوال ان سے پوچھ لو۔ اعرابی نے جناب امیرالمومنین علی (علیہ السلام) سے سوال کیا تو آپ نے اپنے فرزند حسین (علیہ السلام) کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے فرمایا کہ اس کا جواب اس بچے سے پوچھ لو۔ اعرابی نے کہا کہ آپ میں سے ہر کوئی مجھے دوسرے سے رُجوع کرنے کے لیے کیوں کہتا ہے؟ وہاں موجود لوگوں نے اُس کی سَرزَنِش کرتے ہُوئے کہا کہ وائے ہو تم پر، یہ فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں ان سے پوچھ لو۔ پس، اعرابی نے جناب حسین (علیہ السلام) سے عرض کی کہ میں اعمالِ حج کی بجا آوری کے لیے گھر سے نکلا تھا، اور حالتِ احرام میں شُتُر مُرغ کے چند انڈے کھا لیے۔ مجھے بتایئے کہ مجھ پر کیا کَفّارَہ واجب ہے؟ حسین (علیہ السلام) نے اُس سے پوچھا، ''کیا تمھارے پاس اُونٹ ہیں؟'' اُس نے کہا، ''جی ہاں، ہیں۔'' فرمایا، ''جتنی مقدار میں انڈے کھائے ہیں اتنی مقدار میں اُونٹنیوں پر اُونٹ چھوڑ دو، اور اُن میں سے جتنے بچے پیدا ہوں اُنھیں راہِ خدا میں ہدیہ کر دو۔'' خلیفہ نے امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں عرض کیا، ''ہوسکتا ہے کہ بعض اُونٹنیوں کے بچے ساقط ہو جائیں، اس صورت میں اس کا وظیفہ کیا ہے؟'' فرمایا، ''ہوسکتا ہے کہ شُتُر مُرغ کے اُن انڈوں میں سے بعض خراب ہوں۔'' اُنھوں نے کہا، ''اے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فرزند! آپ نے سچ کہا، اور خوب کہا۔'' امیرالمومنین علی (علیہ السلام) نے امام حسین (علیہ السلام) کو سینے سے لگایا، اور مندرجہ ذیل آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی: [۲]

---

[۱] آیت اللہ سیّد احمد مستنبط تبریزی، (متوفی: ۱۳۹۹ ھ، نجف، عراق)، فضائل اہل بیت (علیہم السلام)، ج ۲ ص ۳۴۳
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۳۹
محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ ھ، حلب)، المناقب، ج ۳ ص ۴۰۰
آیت اللہ شیخ جعفر شوستری، (متوفی: ۱۳۰۳ ھ، نجف، عراق)، الخصائص الحسینیہ، ج ۱ ص ۷۸

[۲] آیت اللہ سیّد احمد مستنبط تبریزی، (متوفی: ۱۳۹۹ ھ، نجف، عراق)، فضائل اہل بیت (علیہم السلام)، ج ۲ ص ۳۸۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۳۹

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾

(یہ ایک نسل ہے ایک دوسرے سے، اور اللہ سنتا جانتا ہے۔) [1]

ایسی ہی ایک روایت حضرت امام حسن (علیہ السلام) سے متعلق بھی منقول ہے۔ اُس روایت میں اعرابی نے خلیفہ اوّل سے سوال کیا تھا۔ اُنھوں نے اُسے خلیفہ دُوَم کے پاس بھیجا، خلیفہ دُوَم نے اُسے عبدالرحمٰن کے پاس بھیج دیا، عبدالرحمٰن نے اُسے حضرت علی (علیہ السلام) کی طرف روانہ کردیا، اور حضرت علی (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اس سوال کا جواب میرے بیٹوں سے پوچھ لو۔ چنانچہ حضرت امام حسن (علیہ السلام) نے روایت سابقہ کی طرح اُسے جواب سے نوازا۔ [2]

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد

حضرت رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رحلت کے وقت امام حسین (علیہ السلام) صرف سات سال کے تھے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتِ گرامی جو تمام عالمین کے لیے رَحمت ہے، اہلِ بیت اطہار (علیہم السلام)، اور خصوصاً امام حسین (علیہ السلام) کے لیے تو شجرِ سایہ دار تھی۔ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بغض وعناد رکھنے والے نام نہاد مسلمان اور منافقین، بھلا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہلِ بیت اطہار (علیہم السلام) کو کس طرح برداشت اور تسلیم کرسکتے تھے۔ چنانچہ وِصالِ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دن سے ہی اُنھوں نے اپنے مکروہ چہروں پر پڑے ہُوئے دبیز نقاب اُلٹ دیے، اور خوفناک عزائم کے ساتھ اُس گھر کی طرف بڑھے جس کا دروازہ مسجد نبوی میں کھلتا تھا، جس کے مکین اہلِ بیت عظام (علیہم السلام) تھے، جہاں جبرائیل امیں (علیہ السلام) اجازت لے کر آیا کرتے تھے، اور جس کے دروازے پر رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دُرود وسلام کہا کرتے تھے۔ پس، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رِحلت کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہلِ بیتِ کِرام (علیہم السلام) بھی بالکل اُنھیں حالات سے دوچار ہوگئے جن سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے چچا حضرت ابوطالب (علیہ السلام) کی وفات کے بعد ہُوئے تھے۔ ان حالات کا اشارہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اپنے اہلِ بیت (علیہم السلام) سے ہونے والی آخری گفتگو سے بھی ملتا ہے۔

شیخ صدوق (رحمۃ اللہ علیہ)، حضرت جابر بن عبداللہ انصاری (رضی اللہ عنہ) سے ایک مُستند حدیث نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رِحلت سے تین دن پہلے علی ابنِ ابی طالب (علیہ السلام) سے یہ فرماتے ہُوئے سُنا، ''دُرود وسلام ہو تم پر اے میرے دو ریحانوں کے والد! میں تم سے اپنے ان دونوں پھولوں کی سفارش کرتا ہوں۔ اے علی! بہت جلد تمھاری زندگی کے دو

---

[1] سورۃ آلِ عمران، آیت: ۳۴

[2] آیت اللہ سیّد احمد مستنبط تبریزی، (متوفی: ۱۳۹۹ھ، نجف، عراق)، فضائل اہل بیت (علیہم السلام)، ج ۲ ص ۳۶۶ بحوالہ: بحارالانوار محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ھ، حلب)، مناقب، ج ۴ ص ۱۰

ستون مُنہدِم ہو جائیں گے اور میرا اللہ تمھارا محافظ ہے۔" [1] چنانچہ، رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وِصال کے بعد جناب امیرالمومنین (علیہ السلام) نے فرمایا، "یہ میری زندگی کے اُن دوستونوں میں سے ایک تھا جو ٹوٹ گیا۔" اور جب فاطمہ زہرا (علیہا السلام) کی شہادت ہوئی تو فرمایا، "یہ وہ دوسرا ستون تھا جس کی جدائی کی خبر پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے دی تھی۔" [2]

وارثانِ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

روایت ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مرضُ الوفات میں تھے کہ خاتونِ جنت جناب سیّدہ فاطمہ (علیہا السلام)، حسن اور حسین (علیہما السلام) کو لے کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نواسے حاضر ہُوئے ہیں انھیں اپنی وراثت میں سے کچھ عطا فرمایئے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، "حسن (علیہ السلام) میری سیادت و ہیبت کا وارث ہوگا، اور حسین (علیہ السلام) میری سخاوت و جرأت کا۔ [3]

والدہ گرامی کی رِحلت

جناب سیّدۃ النساء العالمین فاطمہ زہرا (علیہا السلام) کی رِحلت اپنے والد گرامی جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وِصال کے ۷۵ دن بعد، ۳ جمادی الثانی سنہ ۱۱ ہجری کو ہوئی۔ آپ (علیہا السلام) اپنے اُوپر ڈھائے جانے والے مظالم کے بعد چالیس روز تک سخت علیل رہیں اور جب اپنا آخری وقت قریب محسوس کیا تو حضرت اُمّ ایمن اور حضرت اسماء بنتِ عمیس کو طلب کیا اور کہا کہ امیرالمومنین (علیہ السلام) کو بُلا لائیں۔ امیرالمومنین (علیہ السلام) تشریف لائے تو آپ نے اپنے لیے تابوت بنوانے کی خواہش کی اور چند اہم معاملات کے بارے میں وصیّت کرتے ہُوئے یہ بھی فرمایا کہ جنھوں نے مجھ پر ظلم کیا اور میرا حق غصب کیا اُن میں سے کسی کو میرے جنازے پر مت آنے دیجیئے گا اور مجھے رات کے وقت دفن کیجیئے گا۔ بعد ازاں حضرت اسماء بنتِ عمیس سے پانی منگوا کر بہترین طریقے سے وضو اور غسل کیا، نیا لباس زیب تن فرمایا اور خوشبو لگائی۔ پھر حضرت اسماء سے فرمایا کہ وہ کافور لے کر آؤ جو جبرائیل (علیہ السلام) نے جنت سے لاکر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیا تھا، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُسے اپنے، علی (علیہ السلام) اور میرے لیے، تین حصّوں میں تقسیم کیا تھا۔ حضرت اسماء کافور لائیں تو فرمایا کہ اسے میرے سرہانے رکھ دو تا کہ مجھے اس سے حنوط کیا جائے۔ پھر آپ (علیہا السلام) نے اپنے پاؤں دراز کئے اور چادر لے کر لیٹ گئیں اور فرمایا کے اے اسماء! کچھ دیر بعد مجھے آواز دینا اور اگر میری طرف سے جواب نہ ملے تو سمجھ لینا کہ میں اپنے والد گرامی کے پاس چلی گئی ہوں، اور پھر تم

---

[1] حاج سیّد ہاشم رسولی محلاتی، لمحاتِ جاودان حیاتِ امام حسین (علیہ السلام)؛ ابنِ بابویہ شیخ صدوق، (متوفی: ۳۸۱ھ، رے، ایران)، امالی

[2] حاج سیّد ہاشم رسولی محلاتی، لمحاتِ جاودان حیاتِ امام حسین (علیہ السلام) بحوالہ: بحارالانوار

[3] عبدالواحد خیاری، الامام الحسین (علیہ السلام)، ص ۵۴، ترجمہ نور محمد انیس، بحوالہ: رواہ الطبرانی فی الاوسط

علی (علیہ السلام) کو اطلاع کرنا۔ حضرت اسماء نے کچھ دیر توقف کرنے کے بعد آواز دی تو جواب نہ ملنے پر سمجھ گئیں کہ مخدومہ تشریف لے جا چکی ہیں۔ اسی اثنا میں حضرت حسن اور حضرت حسین (علیہما السلام) گھر میں داخل ہوئے اور حضرت اسماء سے پوچھا کہ ہماری والدہ اس وقت کیوں سوئی ہوئی ہیں؟ حضرت اسماء نے عرض کی کہ وہ سوئی ہوئی نہیں ہیں بلکہ رحمتِ باری تعالیٰ میں تشریف لے جا چکی ہیں۔ یہ سنتے ہی امام حسن (علیہ السلام) والدہ گرامی کے اُوپر گر پڑے اور چہرۂ انور کے بوسے لیتے ہوئے کہنے لگے کہ اے مادرِ گرامی مجھ سے بات کریں اس سے پہلے کہ میری روح بھی پرواز کر جائے، اور حسین (علیہ السلام) والدہ ماجدہ کے پاؤں پر گر پڑے اور بوسے لیتے ہوئے کہنے لگے کہ مادرِ گرامی! میں آپ کا بیٹا حسین ہوں، مجھ سے بات کریں ورنہ میرا دِل پھٹ جائے گا۔ پس اسماء نے عرض کی کہ اے رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جگر گوشو! جاؤ اور اپنے والد گرامی کو ماں کی رحلت کی خبر دو۔ چنانچہ دونوں شہزادے گھر سے نکل کر جب مسجد کے قریب پہنچے تو بلند آواز میں گریہ کرنے لگے۔ صحابہ (رضی اللہ عنہم) گھبرا کر اُن کی طرف دوڑے اور رونے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا ہماری والدہ گرامی دُنیا سے تشریف لے گئیں۔ [1]

جنابِ سیّدہ (علیہا السلام) کی رحلت سے جہاں جناب امیر المومنین (علیہ السلام) کی زندگی کا دوسرا ستون ٹوٹ گیا وہاں کم سن حسنین (علیہما السلام) ممتا کی گھنی چھاؤں سے محروم ہو کر ایک طرح سے بے آسرا ہو گئے تھے۔ چھوٹی سے عمر میں شفیق ماں کے سائے سے محروم ہو جانے کے المیے کو سمجھنا چنداں دُشوار نہیں۔ اور اس پر ستم یہ کہ دونوں معصوم سب سے زیادہ محبت کرنے والے نانا جان جنابِ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے صدمے سے ابھی تک سنبھلے نہیں تھے۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے رُونما ہونے والے دو عظیم ترین سانحوں نے امام حسین (علیہ السلام) کو صبرِ عظیم کے اُس راستے پر لا کھڑا کیا جس کی منزل کربلا تھی۔

میرے بابا کے منبر سے اُتر جایئے

امام حسین (علیہ السلام) کی عمر مبارک کے تقریباً پچیس سال خلافتِ ثلاثہ کے زمانے میں بسر ہوئے۔ پہلی خلافت کے آغاز کے وقت آپ کی عمر صرف سات سال تھی جب کہ دوسری خلافت کے آغاز میں آپ نو سال کے تھے، اور تیسری خلافت کے وقت آپ کی عمر اُنیس سال تھی۔ [2] رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے بہت عرصہ بعد خلیفہ دُوم کے زمانے میں ایک مرتبہ وہ منبرِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بیٹھے ہوئے خطاب کر رہے تھے کہ اس دوران حضرت امام حسین (علیہ السلام) کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ اُن کو منبرِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر مُتمکّن دیکھ کر برداشت نہ کر سکے اور مسجد میں داخل ہو کر اُن کے سامنے کھڑے ہو گئے، اور فرمایا، ''میرے بابا کے منبر سے اُتر جایئے اور اپنے بابا کے منبر پر جا کر بیٹھیے۔'' خلیفہ فوراً منبر سے نیچے آئے اور عرض کی، ''میرے

[1] شیخ عباس قمی، (متوفی: ۱۳۵۹ھ) منتہی الآمال فی تواریخ النبی والآل (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سیرت معصومین (علیہم السلام) مترجم سیّد صفدر حسین نجفی، ج ۱ ص ۱۷۴

[2] محمد محمدی ری شہری (متوفی: ۲۰۲۲ء، ایران)، دانشنامہ امام حسین (علیہ السلام)، ج ۲ ص ۳۲۴

باپ کا تو کوئی منبر نہیں ہے یا ابنَ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!'' [۱] پھر شہزادے کو اپنے ہمراہ گھر لے گئے، اور پوچھا، ''آپ کو یہ بات کس نے سکھائی تھی؟'' حسین (علیہ السلام) نے فرمایا، ''مجھے کسی نے نہیں سکھائی، میں نے خود سے کہی ہے۔'' خلیفہ نے عرض کی، ''میرے ماں باپ آپ پر قربان، کبھی کبھی تشریف لایا کیجئے۔'' آپ نے فرمایا، ''ٹھیک ہے، آیا کروں گا۔'' پھر حسبِ وعدہ آپ ایک دن اُن کے گھر تشریف لے گئے مگر اُنھیں معاویہ بن ابوسفیان کے ساتھ محوِ گفتگو پا کر واپس چلے گئے۔ خلیفہ کو بعد میں معلوم ہُوا تو وہ پریشان ہو گئے، اور ایک دن سرِ راہ آپ (علیہ السلام) سے ملاقات ہوئی تو پوچھا کہ اے فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اُس دن آپ واپس کیوں تشریف لے گئے تھے؟ فرمایا کہ آپ محوِ گفتگو تھے اس لیے میں عبداللہ (عبداللہ ابنِ عمر) کے ساتھ چلا گیا تھا۔ خلیفہ نے عرض کی، ''یا ابنَ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میرے بیٹے سے زیادہ آپ کا مجھ پر حق ہے، اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ میرا وجود آپ کے صدقے میں ہے، اور میرا رُواں رُواں آپ ہی کے طفیل اُگا ہے۔'' [۲]

جنتی کو دیکھنا ہو تو حسین (علیہ السلام) کو دیکھ لو

حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہُوئے سُنا کہ جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہے تو وہ حسین بن علی (علیہ السلام) کو دیکھ لے۔ [۳]

نُورِ حسینی (علیہ السلام)

روایت ہے کہ اندھیرے میں حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی پیشانی اور گردن مبارک سے ایک نُور ساطع ہوتا تھا جس

---

[۱] محمد ابن سعد بغدادی، (متوفی: ۲۳۰ھ، بغداد، عراق)، طبقات الکبریٰ، ج ۱۰، ص ۳۹۴
شمس الدین ذہبی، (۱۳۴۸ء، دمشق)، تاریخ الاسلام، ج ۵ ص ۱۰۰
محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ھ، حلب)، مناقب آل ابی طالب، ج ۴ ص ۴۰
حافظ ابوبکر علی بن خطیب بغدادی، (متوفی: ۴۶۳ھ، بغداد، عراق)، تاریخ بغداد، ج ۱ ص ۱۵۲
[۲] سیّد نجم الحسن کراروی، (متوفی: ۱۹۸۲ء، پشاور، پاکستان)، چودہ ستارے، ص ۲۲۲
ابنِ حجر عسقلانی، (متوفی: ۱۴۴۹ء، قاہرہ، مصر)، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج ۲ ص ۲۵
علی بن حسام الدین عبدالملک، (متوفی: ۹۷۵ھ، مکہ مکرمہ)، کنز العمّال فی سنن الاقوال والافعال، ج ۱۳ ص ۶۴۹ ج ۷ ص ۱۰۷
قطب الدین احمد شاہ ولی اللہ، (متوفی: ۱۷۶۲ء، دہلی)، ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء، ج ۳ ص ۸۰
حافظ ابوبکر علی بن خطیب بغدادی، (متوفی: ۴۶۳ھ، بغداد، عراق)، تاریخ بغداد، ج ۱ ص ۱۴
[۳] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۸، ص ۲۰۶
ابنِ ابی الحدید، (متوفی: ۶۵۶ھ، بغداد، عراق)، شرح نہج البلاغہ، ج ۸، ص ۲۵۴

کی وجہ سے لوگ آپ (علیہ السّلام) کو پہچان لیا کرتے تھے۔ بقولے، اُس نور کی وجہ یہ تھی کہ جناب رسالت مآب (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) آپ کے گلوئے مبارک اور پیشانی کے بوسے لیا کرتے تھے۔ [۱]

سیّدۂ کائنات (علیہا السّلام) سے مُشابہت

محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ)، حضرت امام حسن (علیہ السّلام) سے روایت کرتے ہیں کہ حسین (علیہ السّلام) اپنی والدہ معظّمہ سیّدۂ کائنات حضرت فاطمہ زہرا (علیہا السّلام) سے بہت مُشابِہ تھے، اور میں اپنی جدّہ کفیلۃُ الاسلام حضرت خدیجۃُ الکبریٰ (علیہا السّلام) سے مشابہت رکھتا تھا۔ [۲]

نبی اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) سے مُماثلت

زُبانِ رسولِ خدا (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) چُوس کر پروان چڑھنے والے حضرت امام حسین (علیہ السّلام) آنحضرت (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کی کامل شبیہ تھے، چنانچہ منقول ہے کہ آپ (علیہ السّلام) صورت وسیرت میں رسولِ خدا (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) سے بہت مُماثلت رکھتے تھے۔ [۳]

امیر المومنین حضرت علی (علیہ السّلام) سے روایت ہے کہ حسن (علیہ السّلام) سر سے سینے تک، اور حسین (علیہ السّلام) سینے سے نیچے یعنی باقی جسم میں حضور نبی کریم (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) سے بہت مُطابقت رکھتے تھے۔ [۴] اور فرمایا کہ جس کی خواہش ہو کہ وہ لوگوں میں

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصّہ اوّل، ص ۲۶

[۲] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السّلام)، ج ۱ ص ۱۹۱

محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ھ، حلب)، مناقب آل ابی طالب، ج ۴ ص ۶۷

محمد بن فتال نیشاپوری، (متوفی: ۵۰۸ھ، نیشاپور)، روضۃ الواعظین ص ۱۷۰

[۳] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصّہ اوّل، ص ۲۶

[۴] شیخ عبدالواحد خیاری، الامام الحسین (علیہ السّلام)، ص ۴۲، ترجمہ نور محمد انیس، بحوالہ:

ابو عیسیٰ محمد ترمذی، (۲۷۹ھ، ازبکستان)، جامع ترمذی، ج ۵ ص ۵۵۰، ابواب المناقب

احمد بن حنبل، (متوفی: ۲۴۱ھ، بغداد، عراق)، المسند، ج ۱ ص ۹۹، فضائل الصحابہ، ج ۲ ص ۷۷۴

حافظ نور الدین علی بن ابوبکر ہیثمی، (متوفی: ۸۰۷ھ)، موارد الظمآن، ج ۱ ص ۵۵۳

حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۳ ص ۲۵۰

حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، اصفہان، ایران)، معجم الکبیر، ج ۳ ص ۹۵

حافظ ابنِ عساکر، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، تاریخ دمشق، ج ۱۴ ص ۱۲۵

علی بن حسام الدین عبدالملک بن قاضی خان متقی ہندی، (متوفی: ۹۷۵ھ، مکہ مکرمہ)،

کنز العمّال فی سنن الاقوال والافعال، ج ۱۳ ص ۶۴۹ ج ۱۳ ص ۶۵۹

ایسی ہستی کو دیکھے جو چہرے سے گردن تک حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کامل شبیہ ہو تو وہ حسن بن علی (علیہ السلام) کو دیکھ لے، اور جس کی تمنا ہو کہ وہ لوگوں میں ایسی ہستی کو دیکھے جو گردن سے ٹخنوں تک رنگت وصورت میں حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مکمل تصویر ہو، وہ حسین بن علی (علیہ السلام) کو دیکھ لے۔ [۱] چنانچہ مُتعدّد صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے روایت ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) کا جسمِ اطہر رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جَسدِ اَقدس کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ تھا۔ [۲]

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے مُشابہت

عبدالملک بن بشیر نے حضرت امام موسیٰ کاظم (علیہ السلام) سے روایت کی ہے کہ حضرت امام حسن (علیہ السلام) اور حضرت امام حسین (علیہ السلام) حضرت موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ [۳]

ریشِ مبارک

حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) نے امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے روایت کی ہے کہ کچھ لوگوں نے امام حسین (علیہ السلام) کی ریشِ مبارک پر خِضاب لگا ہُوا دیکھ کر آپ (علیہ السلام) سے اس بارے میں استفسار کیا تو آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک جنگ میں مسلمانوں کو خِضاب کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ مشرکین پر اسلام کی دھاک بیٹھ جائے۔ [۴] ابنِ سعد، ابنِ ابی شیبہ اور علامہ باقر مجلسیؒ نے بھی لکھا ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) خِضاب لگایا کرتے تھے۔ [۵]

---

[۱] حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، اصفہان، ایران)، معجم الکبیر، ج ۳ ص ۹۵
ابنِ حجر عسقلانی، (متوفی: ۱۴۴۹ء، قاہرہ، مصر)، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج ۲ ص ۷۷
حافظ ابنِ عساکر، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، تاریخ دمشق الکبیر، ج ۱۴ ص ۱۳۱

[۲] شیخ عبدالواحد خیاری، الامام الحسین (علیہ السلام)، ص ۴۲، ترجمہ نور محمد انیس، بحوالہ: طبرانی بسند ثقہ

[۳] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۱۹۲
ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۸ ص ۲۳۳

[۴] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۱۹۲
ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۶ ص ۴۸۱
حسن بن فضل طبرسی، (متوفی: ۵۴۸ھ، سبزوار، مشہد، ایران)، مکارم الاخلاق، ج ۱ ص ۱۸۵

[۵] محمد ابن سعد بغدادی، (متوفی: ۲۳۰ھ، بغداد، عراق)، طبقات الکبریٰ، ج ۶ ص ۴۱۹، ۴۲۲، ۴۲۲
ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان، (متوفی: ۸۴۸ء، کوفہ، عراق)، المصنّف، ج ۶ ص ۳، ۱۵
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۴۵

عمامہ مبارک

معجم الکبیر میں سدّی سے روایت ہے کہ میں نے حسین بن علی (علیہ السلام) کو دیکھا۔ آپ (علیہ السلام) نے عمامہ پہن رکھا تھا اور آپ کے سرِ اقدس کے کچھ بال عمامے کے نیچے سے دکھائی دے رہے تھے۔ مروی ہے کہ آپ (علیہ السلام) خز یعنی اُون اور ریشم سے بنے ہُوئے کپڑے کا عمامہ پہنا کرتے تھے۔[۱] ابنِ ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ ایک دن امام حسین (علیہ السلام) جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اور اُس وقت آپ سیاہ رنگ کا عمامہ پہنے ہُوئے تھے۔[۲]

لباس مبارک

لیث نے امام حسین (علیہ السلام) کے درزی سے روایت کی ہے کہ میں نے امام (علیہ السلام) کی قمیص تیار کرنا تھی تو عرض کی کہ کیا قمیص کی لمبائی پاؤں کے برابر ہو؟ فرمایا، "نہیں، ٹخنوں تک ہونی چاہیے کیونکہ جو لباس ٹخنوں سے زیادہ ہو جائے وہ جہنم میں جائے گا۔[۳] جعفر بن عیسیٰ سے روایت ہے کہ امام علی رضا (علیہ السلام) سے کسی نے خط لکھ کر دریافت کیا کہ کیا خز کا لباس پہننا جائز ہے؟ آپ (علیہ السلام) نے جواب میں لکھا کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے خز کا لباس زیب تن کیا تھا، اور آپ (علیہ السلام) کے بعد میرے جدّ بزرگوار نے بھی خز کا لباس پہنا تھا۔ الکافی میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ شہادت کے وقت امام حسین (علیہ السلام) کے بدنِ اطہر پر خز کا لباس تھا۔[۴] اسی طرح محمد بن حسن سے روایت ہے کہ شہادت کے وقت امام حسین (علیہ السلام) سیاہ رنگ کے خز کے جُبّے میں ملبوس تھے۔[۵]

---

[۱] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۱۹۲
حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، اصفہان، ایران)، معجم الکبیر، ج ۳ ص ۱۰۰ تا ۱۰۱
عبداللہ بن یوسف زیلعی، (متوفی ۷۶۲ھ)، نصب الرایۃ، ج ۴ ص ۲۸۸
[۲] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۱۹۲
ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان، (متوفی: ۸۴۸ء، کوفہ، عراق)، المصنّف، ج ۶ ص ۴۶
[۳] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۱۹۲
حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، اصفہان، ایران)، معجم الکبیر، ج ۳ ص ۱۰۰
حافظ نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی، (متوفی: ۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد، ج ۵ ص ۲۱۷
[۴] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۱۹۲
ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۶ ص ۴۵۲
[۵] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۱۹۳؛ حافظ ابنِ عساکر، تاریخ دمشق، ج ۴ ص ۲۵۲
حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، اصفہان، ایران)، معجم الکبیر، ج ۳ ص ۱۱۵

انگشتری مبارک

ابو جعفر سمان نے حضرت امام حسن عسکری (علیہ السلام) سے اور اُنھوں نے اپنے آبا وَ اجداد سے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا (علیہا السلام) کے پاس عقیق کی ایک انگشتری تھی جو اُنھوں نے وقتِ رحلت اپنے فرزند جناب امام حسن (علیہ السلام) کو دی۔ امام حسن (علیہ السلام) نے وقتِ شہادت وہ انگوٹھی امام حسین (علیہ السلام) کے حوالے کر دی۔ امام حسین (علیہ السلام) اُس پر کوئی نقش کُندہ کروانا چاہتے تھے کہ اسی دوران خواب میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے ملاقات ہوئی تو اُن سے پوچھا کہ اے روح اللہ! میں اس انگوٹھی پر کیا کُندہ کراؤں؟ اُنھوں نے فرمایا کہ آپ اس پر ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَلْمَلِکُ الْحَقُّ الْمُبِیْنَ''، نقش کروائیں کیونکہ یہ تورات کے ابتدائی، اور انجیل کے آخری الفاظ ہیں۔[1] محمد بن مسلم سے روایت ہے کہ میں ایک روز امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپ (علیہ السلام) نماز پڑھ رہے تھے، نماز کے بعد آپ (علیہ السلام) نے اپنا دستِ مبارک میری طرف بڑھایا۔ آپ (علیہ السلام) کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جس پر ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عُدَّةٌ لِلِقَاءِ اللّٰہِ'' لکھا ہُوا تھا۔[2]

علی بن سالم نے حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے، اور اُنھوں نے اپنے والد گرامی امام محمد باقر (علیہ السلام) سے روایت کی ہے کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے پاس دو انگوٹھیاں تھیں۔ ایک پر ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عُدَّةٌ لِلِقَاءِ اللّٰہِ'' کُندہ تھا، اور دوسری پر ''اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ''، نقش تھا۔[3] یونس بن ظبیان اور حفص بن غیاث نے حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے سنا کہ حضرت امام حسن (علیہ السلام) اور حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی انگوٹھیوں پر ''حَسْبِیَ اللّٰہُ'' لکھا ہُوا تھا۔[4]

امام حسین (علیہ السلام) بابا کے دَورِ خلافت میں

تیسری خِلافت کے بعد تین دن تک مَسندِ خلافت خالی رہی۔ اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علی (علیہ السلام) سے اس منصب کو قبول کرنے کے لیے سخت اصرار کیا مگر آپ (علیہ السلام) نے یہ بارِ گراں اُٹھانے سے انکار کر دیا، لیکن بعد میں مہاجرین و

---

[1] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۱۹۲
شیخ محمد بن حسن طوسی (متوفی: ۴۶۰ھ، نجف اشرف، عراق)، الغیبۃ الطوسی، ص ۲۹۸

[2] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۱۹۲
ابنِ بابویہ شیخ صدوق (متوفی: ۳۸۱ھ، رے، ایران)، امالی ص ۲۰۷

[3] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۱۹۲
ابنِ بابویہ شیخ صدوق، (متوفی: ۳۸۱ھ، رے، ایران)، امالی صدوق، ص ۱۹۳

[4] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۱۹۲
ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۶ ص ۴۷۳

انصار کے مجبور کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ [۱] شہادتِ حضرت عثمان کے تیسرے دن ۲۱ ذی الحجہ دوشنبہ کے دن مسجد نبوی میں آپ (علیہ السّلام) کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئی، اور کئی مسلمان آپ (علیہ السّلام) کی طرف اُمنڈ پڑے۔ یوں پچیس سالہ گوشہ نشینی کے بعد مسلمانوں کے شدید اصرار اور اتمامِ حُجّت کے لیے خلافت کی ذمہ داریاں اُٹھانے پر نہ چاہتے ہُوئے تیار ہُوئے۔ امام حسین (علیہ السّلام) اپنے بابا کی طویل خلوَت نشینی، خاموشی، خلافت سے پہلوتہی اور پھر مجبوراً آمادگی کا مطلب خوب سمجھتے تھے، اور یہ سب ہمیشہ آپ کے دِل و دماغ پر نقش رہا۔ احتجاجِ طبرسی میں منقول ہے کہ جب لوگوں نے علی ابنِ ابی طالب (علیہ السّلام) کی بیعت کر لی تو آپ (علیہ السّلام)، امام حسن اور امام حسین (علیہما السلام) کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور امام حسن (علیہ السّلام) سے فرمایا کہ بیٹا حسن (علیہ السّلام)! اُٹھو، اور حاضرین سے خطاب کرو تاکہ میرے بعد قریش تمھیں فراموش نہ کر دیں۔ چنانچہ امام حسن (علیہ السّلام) برسرِ منبر گئے، اور حمد وثنائے پروردگار کے بعد فرمایا کہ میں نے اپنے جد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا کہ وہ علم کا شہر ہیں اور علی (علیہ السّلام) اس کا دروازہ ہیں، تو کیا کوئی شخص بغیر دروازے کے شہر میں داخل ہو سکتا ہے؟ حضرت علی (علیہ السّلام) کھڑے ہُوئے اور امام حسن (علیہ السّلام) کو سینے سے لگا کر پیار کیا، پھر امام حسین (علیہ السّلام) سے فرمایا کہ بیٹا حسین (علیہ السّلام)! تم بھی اُٹھو، اور خطاب کرو تاکہ میرے بعد قریش تمھیں بھول نہ جائیں۔ چنانچہ امام حسین (علیہ السّلام) منبر پر تشریف لے گئے اور حمد وثنائے پروردگار اور محمد وآلِ محمد (علیہم السّلام) پر دُرود وسلام کے بعد فرمایا، ''میں نے رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہُوئے سُنا ہے کہ بے شک علی ابنِ ابی طالب (علیہ السّلام) ہدایت کا شہر ہیں لہٰذا جو شخص اس شہر میں داخل ہُوا وہ ہدایت یافتہ ہو گیا اور جو اس شہر سے دُور ہُوا وہ ہلاک ہو گیا۔'' حضرت امیر المومنین (علیہ السّلام) اپنی جگہ سے اُٹھے اور امام حسین (علیہ السّلام) کو پیار کیا، اور لوگوں سے فرمایا، ''اے لوگو! گواہ رہنا کہ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے یہ بچے تمھارے درمیان اُن کی امانت ہیں، اور میں بھی انھیں تمھارے درمیان امانت کے طور پر چھوڑ جاؤں گا۔'' [۲] یاد رہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم سے اپنی امانت کے بارے میں ضرور سوال کریں گے۔'' اس روایت کو شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی نے سیر اعلام النبلا میں، ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحق المعروف شیخ مفیدؒ نے الارشاد میں اور کلینیؒ نے الکافی میں نقل کیا ہے۔ [۳]

امیر المومنین علی (علیہ السّلام) کے خلیفہ بنتے ہی وہی ہُوا جو آپ پہلے سے جانتے تھے۔ کچھ نے تو بیعت سے ہی پہلوتہی

---

[۱] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۱۷

[۲] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۱۷

[۳] حاج سیّد ہاشم رسولی، لمحات جاویداں حیات امام حسین علیہ السّلام، ص ۴۴ تا ۴۵ بحوالہ احتجاج طبرسی

کرلی، اُن کا آپ (علیہ السلام) نے کوئی مُواخذَہ نہ کیا، اور بعض اصرار کرنے لگے کہ گزشتہ دَورِ خلافت کے تمام عاملین کو اُن کے سابقہ عہدوں پر برقرار رکھا جائے۔ اگرچہ سیاسی نقطۂ نظر سے یہ بات حضرت علی (علیہ السلام) کے مفاد میں جاتی تھی مگر آپ کی سیاست ذاتی مفاد کے لیے نہیں تھی۔ آپ (علیہ السلام) کے پیشِ نظر تو دینِ حق کی سربلندی اور اُمَّتِ مسلمہ کی خیر خواہی تھی چنانچہ فرمایا، ''سیاستِ دُنیا کے لحاظ سے بے شک یہی بہتر ہے جو تم کہتے ہو مگر جب میں جانتا ہوں کہ وہ ظالم اور نااہل ہیں تو اُنھیں اپنی طرف سے حکومت کا پروانہ بھیج کر میں کیوں اُن کے مظالم میں شریک بنوں؟'' [۱] اُدھر معاویہ نے خلیفہ سوم کے قتل کی تہمت آپ (علیہ السلام) پر لگا کر شام والوں کو آپ کے خلاف خوب مشتعل کر دیا۔ بروایتے دمشق کی جامع مسجد میں ماتمی جلسے مُنعقِد کیے گئے، اور خلیفہ کا خون آلودہ کُرتہ، اور اُن کی زوجہ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی اُنگلیاں منبر پر آویزاں کی گئیں جسے دیکھ کر پچاس ساٹھ ہزار کا مجمع نالہ وزاری کرتا تھا، اور جوشِ رقت میں اُن سے کہا جاتا تھا کہ اب تمھیں علی (علیہ السلام) سے اس خون کا بدلہ لینا ہے۔ [۲] اس شورِش کے سرکردگان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنھوں نے امام علی (علیہ السلام) کی بعنوانِ خلیفہ بیعت کی تھی، اور پھر بعد میں بیعت توڑ کر آپ کے مخالفین کے ساتھ مل گئے تھے۔ اُنھیں میں طلحہ و زبیر بھی شامل تھے جو خلافت کی کرسی پر نظریں جمائے ہُوئے تھے لیکن خلافت نہ ملی تو یہ خواب دیکھنے لگے کہ علی (علیہ السلام) خلافت کے معاملات میں اُن سے مُشاوَرَت کیا کریں گے لیکن مذکورہ اُمور میں سے کوئی ایک بھی رُونما نہ ہُوا تو اُن کی دِلی خُصُومَت آشکار ہوگئی اور وہ باقاعدہ علَمِ بغاوت بُلند کر کے جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔

جنگِ جمل

حضرت علی (علیہ السلام) ابھی اس فتنے سے نمٹنے کے لیے تیار ہو رہے تھے کہ مکہ مکرمہ سے اطلاع آئی کہ طلحہ و زبیر نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ کو آمادہ کر کے آپ کے خلاف مُحاذ قائم کر لیا ہے۔ [۳] چنانچہ مکہ کے حاکم نے آپ کو لکھا کہ طلحہ و زبیر یہاں آئے اور حضرت عائشہ کو اپنے ساتھ (بصرہ) لے گئے۔ [۴] امیر المومنین علی (علیہ السلام) یہ جان کر منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ دیا۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ لوگو! اُنھیں میری خلافت بُری لگی ہے اور وہ بصرہ چلے گئے ہیں پس اُن کی طرف جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ آپ (علیہ السلام) نے لشکر کی علمداری حضرت محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) کے سُپُرد کی، میمنہ پر حسن (علیہ السلام)، اور میسرہ

---

[۱] علامہ شیخ محمد حسین نجفی، (ولادت: ۱۹۳۲ء، سرگودھا)، سعادت الدارین فی مقتل حسین (علیہ السلام)، ص ۱۰۷
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۵ ص ۱۵۹

[۲] علامہ شیخ محمد حسین نجفی، (ولادت: ۱۹۳۲ء، سرگودھا)، سعادت الدارین فی مقتل حسین (علیہ السلام)، ص ۱۰۷
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۵ ص ۱۶۳

[۳] سبط ابن الجوزی، تذکرۃ الخواص، ۷۹

[۴] شمس الدین سبط ابنِ جوزی، (۶۵۴ھ، بغداد، عراق)، تذکرۃ الخواص، ۷۹

پر حسین (علیہ السلام) کو مُتعَیَّن فرمایا۔ سواروں کی سرداری حضرت عمار یاسر (رضی اللہ عنہ) اور پیادوں کی نمائندگی حضرت محمد بن ابی بکر (رضی اللہ عنہ) کے حوالہ کی، اور مقدمۃُ الجیش کا سردار حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) کو مقرر کیا۔ [۱] جنگِ جمل کے نام سے مشہور یہ جنگ مسلمانوں کے درمیان ہونے والی پہلی جنگ تھی جو ۱۰ جمادی الثانی، ۳۶ ہجری بمطابق ۴ دسمبر، ۶۵۶ عیسوی کو ہوئی۔ [۲] اور بروایتے جمادی الاوّل میں جمعرات کے دن صبح سے ظہر تک ہوئی۔ [۳] علامہ سیّد رضی جعفر نقوی اپنی تالیف مولا حسین (علیہ السلام) میں لکھتے ہیں کہ ۳۶ ہجری میں جنگِ جمل ہوئی جس میں سرکار سیّد الشہدا (علیہ السلام) نے اپنے پدرِ بزرگوار امیر المومنین علی ابنِ ابی طالب (علیہ السلام) کے ساتھ حق کی سربلندی کے لیے میدانِ کارزار میں قدم رکھا، اور دادِ شجاعت دیتے ہُوئے کُشتوں کے پُشتے لگا دیے۔ بیس ہزار سے زیادہ کی تعداد پر مشتمل وہ دشمنانِ دِین جنھوں نے گزشتہ سات آٹھ مہینوں سے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا، چند گھنٹے بھی ذوالفقارِ حیدری کی کاٹ برداشت نہ کر سکے چنانچہ دوپہر کے وقت شروع ہونے والی جنگ شام تک اختتام کو پہنچ گئی۔ [۴] اس معرکہ کے اختتام پر جب فریقِ مخالف شکست سے دوچار ہو چکا تو امیر المومنین (علیہ السلام) نے حضرت عائشہ کے لیے ایک خیمہ نصب کروایا۔ ہشام بن محمد سے منقول ہے کہ امیر المومنین حضرت علی (علیہ السلام) نے حضرت عائشہ کے لیے بہترین اسبابِ سفر تیار کرایا، بہت سا مال بھی اُنھیں دیا اور اُن کے ساتھ اُن کے سگے بھائی عبدالرحمٰن کو روانہ کیا۔ عبدالرحمٰن کے علاوہ تیس جوان اشرافِ بصرہ اور قبیلہ ہمدان اور عبدالقیس کی بیس دیندار عورتیں بھی ساتھ تھیں جن کو مردانہ لباس یعنی عمامہ وغیرہ پہنا دیا گیا تھا، اور تلواریں حمائل کرا دی گئیں تھیں۔ اُنھیں حکم دیا گیا کہ چہروں پر ڈھاٹے باندھ لو، اُمّ المومنین کے ساتھ رہو اور کسی مرد کو اُن کے قریب نہ آنے دو۔ وہ خواتین اسی طرح حضرت عائشہ کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ مدینہ پہنچنے پر حضرت عائشہ سے پوچھا گیا کہ واپسی کا سفر کیسا رہا؟ کہنے لگیں خدا کی قسم بہت اچھا رہا، اُس (علی علیہ السلام) نے دیا، اور بہت دیا لیکن (افسوس کہ) غیر مردوں کو میرے ساتھ کر دیا جو میری جان پہچان والے نہ تھے۔ یہ بات عورتوں تک پہنچی تو وہ حضرت عائشہ کے پاس آئیں، اور بتایا کہ ہم عورتیں ہیں مرد نہیں۔ تب حضرت عائشہ نے سجدۂ شُکر ادا کیا، اور کہنے لگیں کہ خدا کی قسم اے ابوطالب (علیہ السلام) کے بیٹے! تیرا کرم واقعی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ [۵]

---

[۱] سیّد نجم الحسن کراروی، (متوفی: ۱۹۸۲ء، پشاور، پاکستان)، چودہ ستارے، ص ۱۵۹

[۲] آزاد دائرۃ المعارف و یکی پیڈیا بحوالہ: بلاذری، ج ۲ ص: ۱۶۳ - ۱۶۴؛ طبری، ج ۴، ص ۴۶۸

[۳] شمس الدین سبط ابن جوزی، (۶۵۴ ھ، بغداد، عراق)، تذکرۃ الخواص، ص ۸۹

[۴] علامہ سیّد رضی جعفر نقوی، مولا حسین (علیہ السلام) ص ۱۰۰

[۵] علامہ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص (اردو ترجمہ) ص ۹۲

جنگِ صفین

جنگِ جمل کے بعد امیر المومنین علی (علیہ السلام) بصرہ سے کوفہ روانہ ہُوئے، اور اسی سال یعنی ۳۶ ہجری میں، رجب کی ۱۲ تاریخ کو کوفہ میں داخل ہُوئے۔ آپ نے جزیر بن عبد اللہ بجلی کے ہاتھ معاویہ کو خط روانہ کیا جس میں بیعت کا مطالبہ کیا گیا تھا مگر اُس نے کوئی جواب نہ دیا، اور اُسی سال ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر لے کر آپ (علیہ السلام) کے مقابلے پر صفین میں وارد ہُوا۔ حضرت علی (علیہ السلام) کے لشکر میں نوّے ہزار مجاہدین تھے، جن میں سے سترہ بدری مہاجرین اور ستر بدری انصار یعنی کل ستاسی بدری افراد تھے۔ ان کے علاوہ ایک ہزار آٹھ سو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) تھے، جن میں سترہ اصحاب (رضی اللہ عنہم) وہ تھے جنھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دستِ مبارک پر درخت کے نیچے ''بیعتِ رضوان'' کی تھی۔ حضرت علی (علیہ السلام) کے ساتھیوں میں سے حضرت عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہ)، حضرت اویس قرنی (رضی اللہ عنہ) اور اصحاب بدر (رضی اللہ عنہم) میں سے پچیس صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے اُس جنگ میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ بروایتے، اہلِ عراق کے مقتولین کی تعداد بیس ہزار تھی جبکہ اہلِ شام میں سے ستر ہزار افراد مارے گئے۔ [1]

عبد اللہ بن قیس سے مروی ہے کہ میں جنگِ صفین میں حضرت علی (علیہ السلام) کے ساتھ تھا، ابوالاعور سلمٰی نے نہرِ فرات پر قبضہ کر لیا تھا تاکہ امیر المومنین (علیہ السلام) کی فوج تک پانی نہ پہنچ سکے۔ جب لوگوں نے شدتِ پیاس سے مجبور ہو کر آپ سے شکایت کی تو آپ نے چند سواروں کو قبضہ چھڑانے کے لیے روانہ کیا مگر وہ ناکام لوٹ آئے۔ حسین (علیہ السلام) نے عرض کی کہ اے پدرِ بزرگوار! مجھے اجازت دیجئے کہ میں جا کر اُنھیں فرات سے بھگاؤں۔ پس اجازت ملتے ہی حسین (علیہ السلام) چند ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہُوئے، اور قابضین کے ساتھ جنگ کی۔ کئی منافق واصلِ جہنم ہُوئے باقی فرات کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حسین (علیہ السلام) نے اپنے سواروں کو فرات کے کنارے متعین کیا، اور خود جناب امیر (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہو کر فتح کی نوید سنائی۔ [2] صفین کے اس معرکہ میں امام حسین (علیہ السلام) کے عزیز ترین بھائی حضرت ابوالفضل عباس (علیہ السلام) بھی امام حسین (علیہ السلام) کے ہمرکاب تھے۔ اُس وقت اُن کی عمر صرف گیارہ سال تھی لیکن وہ مردوں کی طرح کامل تھے، اور بروایتے بلند کامتی میں اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے ممتاز تھے، اور جب گھوڑے پر سوار ہوتے تو آپ کے پاؤں زمین پر خط دیتے جاتے تھے۔ علامہ محمد باقر خراسانی لکھتے ہیں، ''حضرت عباس (علیہ السلام) اُس دن اپنے بھائی حسین (علیہ السلام) کے جلو

---

[1] علامہ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص (اردو ترجمہ) ص ۹۲ تا ۹۳
نجم الحسن کرواری، علمدارِ کربلا حضرت عباس (علیہ السلام) ص ۱۳۱ بحوالہ شجرہ طوبیٰ نجف اشرف ۱۳۵۴ھ الواعج الاحزان، ج ۱ ص ۹
[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۱۰۵

میں مُعین و مددگار کی حیثیت سے تھے جس روز معاویہ کے لشکر کا فرات سے قبضہ اُٹھانا اور اپنا قبضہ بٹھانا مقصود تھا۔''[1]

علامہ نجم الحسن کراروی بحوالہ صاحب ریاض القدس، لکھتے ہیں کہ جب امام حسین (علیہ السلام) کے بھائیوں کو خبر ہوئی کہ وہ میدانِ جنگ میں اُتر رہے ہیں تو آپس میں کہنے لگے کہ حسین (علیہ السلام) ابنِ فاطمہ (علیہا السلام) عازمِ میدانِ جنگ ہوں لیکن ہم لوگ بیٹھے رہیں، یہ کیسے ممکن ہے؟ غرض سب آ گئے، اور دُور تک آپ کے ہمرکاب رہے۔ حضرت عباس (علیہ السلام) بھی آپ کو میدانِ جنگ کی طرف رخصت ہوتے دیکھ کر بے چین ہو گئے۔ اگرچہ اُس وقت وہ کم سِن تھے لیکن بہت دلیری اور بے تابی کے ساتھ بھائی کی مدد کو بڑھے۔ امیر المومنین (علیہ السلام) کے اصحاب کا بیان ہے کہ ناگاہ ایک برق سی چمکی اور ایک سوار اس طرح ایک سَمت سے نکلا کہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون ہے۔ آناً فاناً وہ لشکر کی صفوں کے درمیان جا گھسا۔ اُس جرّار کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ اُس نے کمال غیظ و غضب سے نیزے کو حرکت دی، اور دشمن کے جوانوں کو نوکِ سناں پر اُٹھا اُٹھا کر پھینکنے لگا۔ وہ یکے بعد دیگرے اُن کو ہلاک کرنے لگا یہاں تک کہ اُس نے تھوڑی ہی دیر میں نوے اشقیا کو واصلِ جہنم کر دیا۔ اُس کے شیرانہ حملوں کی وجہ سے لشکر میں شور و غل مچ گیا کہ یہ دلیر کون ہے؟ معلوم ہُوا کہ قمرِ بنی ہاشم، فرزندِ حیدر کرار، عباس حق شناس (علیہ السلام) ہے۔[2] حضرت عباس (علیہ السلام) نے اس جنگ میں ابنِ شعثاء اور اُس کے سات بیٹوں کو جہنم واصل کیا۔ ابنِ شعثاء وہ شخص تھا جسے اہلِ شام اُس کی طاقت اور دلیری کے سبب کئی آدمیوں کے برابر سمجھتے تھے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عباس (علیہ السلام) اپنے چہرے پر نقاب ڈالے میدانِ جنگ میں اُترے۔ آپ کی ہیبت اور شجاعت کی وجہ سے کسی کو آپ کے مقابلے کی جرأت نہ ہوئی تو حاکمِ شام نے اپنے ایک بہادر ابنِ شعثا سے کہا کہ تُو اس جوان کے مقابلے پر جا۔ ابنِ شعثا نے جواب دیا کہ اہلِ شام مجھے ہزاروں کے برابر سمجھتے ہیں اس لیے اس نوجوان کے مقابلے پر جانا مجھے زیب نہیں دیتا، میں اپنے بیٹے کو روانہ کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اُس نے اپنے ایک بیٹے کو بھیجا جو جاتے ہی نقاب پوش کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ پھر اُس نے اپنے دوسرے بیٹے کو بھیجا۔ وہ بھی جاتے ہی مارا گیا۔ یہاں تک کہ اُس نے یکے بعد دیگرے اپنے ساتوں بیٹوں کو میدانِ جنگ میں اُتارا لیکن سبھی فرزندِ حیدر کرار (علیہ السلام) کی تلوار کا لقمہ بن گئے۔ ابنِ شعثاء کا ضبط جاتا رہا اس لیے خود قدم بڑھایا لیکن شیرِ خدا کے شیر دِل بیٹے عباس (علیہ السلام) نے آناً فاناً اُسے بھی جہنم رسید کر دیا تو مخالف فوج کو سانپ سُونگھ گیا، اور کسی کو میدانِ کارزار میں اُترنے کی جرأت نہ ہوئی۔ لوگوں کو شبہ ہُوا کہ نقاب کے پیچھے علی (علیہ السلام) ہیں لیکن جب وہ بنفسِ نفیس رَزم گاہ میں تشریف لائے، اور نوجوان کے چہرے سے نقاب سرکائی تو لوگوں نے دیکھا کہ یہ علی (علیہ السلام) نہیں بلکہ اُن کی

[1] سیّد نجم الحسن کراروی، علمدارِ کربلا عباس (علیہ السلام)، ص ۳۱، ۳۶، ۳۷، ۳۷ بحوالہ: کبریت احمر، جز ۱۰ ص ۶۵ طبع ایران ۱۳۴۳ء

[2] سیّد نجم الحسن کراروی، (متوفی: ۱۹۸۲ء)، علمدارِ کربلا عباس (علیہ السلام) ص ۳۹ تا ۴۰ بحوالہ: ریاض القدس، ص ۱۲۵؛ تحفہ یوسفیہ ص ۵۵

شجاعت کے وارث عباس (علیہ السلام) ہیں۔[۱] اس جنگ میں امام حسین (علیہ السلام) میمنہ (لشکر کا دایاں حصّہ) کے سپہ سالار تھے۔[۲]

جنگِ نہروان

جنگِ صفین کے بعد سنہ ۳۸ ہجری کو ماہِ صفر میں جنگِ نہروان واقع ہوئی۔ یہ جنگ امام علی (علیہ السلام) اور مارقین نامی گروہ کے درمیان لڑی گئی جو خَوارِج کے نام سے مشہور تھا۔ اس جنگ میں خَوارِج کو ذِلت آمیز شکست ہوئی، اور اُن کے سبھی لوگ جن کی تعداد تقریباً چار ہزار تھی، مارے گئے۔ بروایتے، صرف دس خارجی فرار ہونے میں کامیاب ہُوئے جن میں سے ایک عبد الرحمٰن بن ملجم تھا جس نے بعد میں امیر المومنین (علیہ السلام) کو حالتِ نماز میں شہید کیا۔[۳] بعض منابع کے مطابق امام حسین (علیہ السلام) نے اس جنگ میں بھی شرکت کی تھی۔[۴]

بابا کی شہادت

امام علی (علیہ السلام)، معاویہ سے ایک اور جنگ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ ۱۹ رمضان، ۴۰ ہجری کو نمازِ فجر کی ادائیگی کے دوران عبدالرحمٰن بن ملجم (لعنۃ اللہ علیہ) نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے آپ (علیہ السلام) پر حملہ کر دیا۔ آپ شدید زخمی ہُوئے اور دو دن بعد ۲۱ رمضان کو شہید ہو گئے۔ روایت ہے کہ امام علی (علیہ السلام) کے قتل کی سازش کے تحت عبدالرحمٰن ابنِ ملجم کوفہ آیا، اور قبیلہ ''تیم الرباب'' کے ہاں گیا جہاں اُس کی ملاقات اُس قبیلے کی ایک عورت ''قطام بنتِ شجنہ بن عدی بن عامر'' سے ہوئی۔ قطام، جسے قطامہ بھی کہا جاتا تھا، کا باپ اور بھائی نہروان کی جنگ میں حضرت علی (علیہ السلام) کے مقابل قتل ہو گئے تھے چنانچہ وہ امام علی (علیہ السلام) کی سخت مخالف تھی۔ اُس نے اپنی شادی کو امام علی (علیہ السلام) کے قتل کے ساتھ مشروط کر رکھا تھا چنانچہ جب ابنِ ملجم نے اُس سے شادی کی خواہش کی تو اُس نے کہا، ''میرا مہر تین ہزار دینار اور علی (علیہ السلام) کا قتل ہوگا۔'' ابنِ ملجم نے کہا، ''میں تو کوفہ میں آیا ہی علی (علیہ السلام) کے قتل کے لیے ہوں۔''[۵]

---

[۱] سیّد عبدالرزاق موسوی مقرم، (متوفی: ۱۳۹۱ھ)، العباس (علیہ السلام)، ۱۴۲۷ق، ص ۲۴۲
سیّد نجم الحسن کراروی، (متوفی: ۱۹۸۲ء، پشاور، پاکستان)، علمدارِ کربلا عباس (علیہ السلام)، ص ۴۰
علامہ محمد باقر خراسانی تلمیذ ملا حسین نوری، کبریت الاحمر، ج ۳ ص ۲۵ طبع ایران ۱۳۴۳ھ

[۲] ابو محمد احمد بن اعثم الکوفی، (متوفی: ۳۱۴ھ)، الفتوح ۱۴۱۱، ج ۳ ص ۲۴
محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ھ، حلب)، المناقب، ج ۳ ص ۱۶۸

[۳] آزاد دائرۃ المعارف وکی پیڈیا بحوالہ تفسیر احسن التفاسیر، حافظ محمد سیّد احمد حسن، التوبہ: ۵۸

[۴] ابن عبدالبر القرطبی، (متوفی: ۱۰۷۱ء، شاطبہ، اندلس)، الاستیعاب، ۱۴۱۲ق، ج ۳ ص ۹۳۹

[۵] رسول جعفریان، آئمہ اہل بیت (علیہم السلام)، ص ۱۱۶ بحوالہ: طبقات الکبریٰ، ج ۳ ص ۳۵

پس، ۱۹ رمضان، ۴۰ ہجری کو اُس ملعون نے اپنی زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے امیر المومنین (علیہ السلام) کے سرِ اقدس پر اُس وقت وار کیا جب آپ (علیہ السلام) نمازِ فجر ادا کر رہے تھے۔ تلوار کے گھاؤ اور زہر کے اثر سے دو دن بعد ۲۱ رمضان کو آپ (علیہ السلام) شہید ہو گئے اور آپ کی وصیّت کے مطابق آپ کو مخفی طور پر دفن کیا گیا۔ [۱]

امیر المومنین (علیہ السلام) کی بیٹوں کو وصیّت

شہادت سے قبل جناب امیر المومنین (علیہ السلام) نے اپنے تمام بیٹوں کو طلب فرمایا، اور اُنھیں فرزندانِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اِطاعت اور نُصرت کی وصیّت فرمائی [۲] پھر حضرت عباس (علیہ السلام) کے سوا سب کے ہاتھ امام حسن (علیہ السلام) کے ہاتھ میں دیے۔ [۳] حضرت عباس (علیہ السلام) کی مادرِ گرامی نے جب یہ دیکھا کہ جناب امیر المومنین (علیہ السلام) نے اپنے سبھی بیٹوں کو امام حسن (علیہ السلام) کے حوالے کیا مگر حضرت عباس (علیہ السلام) پر توجہ نہیں فرمائی تو بہت پریشان ہوئیں، اور عرض کی، ''میرے آقا! کیا اس کنیز سے کوئی خطا سرزد ہو گئی ہے یا حسین (علیہ السلام) کے خادم عباس (علیہ السلام) سے کوئی قصور ہو گیا ہے؟'' جناب امیر المومنین (علیہ السلام) نے دریافت فرمایا، ''کیا بات ہے اُمّ البنین (علیہا السلام)! آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟'' حضرت اُمّ البنین (علیہا السلام) نے عرض کی، ''مولا! آپ نے سب بیٹوں کو حسن (علیہ السلام) کے سُپرد فرمایا لیکن عباس (علیہ السلام) کو نہیں، میرا دِل ٹکڑے ٹکڑے ہُوا جا رہا ہے۔'' امیر المومنین (علیہ السلام) آبدیدہ ہو گئے، اور فرمایا، ''اے اُمّ البنین (علیہا السلام)! اگر آپ کو اس کا سبب معلوم ہوتا تو یہ سوال نہ کرتیں۔'' حضرت اُمّ البنین (علیہا السلام) نے عرض کی، ''مولا! آگاہ فرمائیے۔'' امیر المومنین (علیہ السلام) نے امام حسین (علیہ السلام) کو اپنے پاس بلایا، پھر عباس (علیہ السلام) کو طلب کیا، اور اُن کا ہاتھ امام حسین (علیہ السلام) کے ہاتھ میں دے کر امام حسین (علیہ السلام) سے فرمایا، ''بیٹا! عباس (علیہ السلام) تمھارے سُپرد ہے۔ میں اسے تمھاری اِطاعت میں دیتا ہوں۔'' پھر حضرت عباس (علیہ السلام) سے مخاطب ہُوئے، اور فرمایا، ''بیٹا! یہ تمھارے سردار ہیں، ان کی رفاقت اور نصرت تمھارا اوّلین فریضہ ہے۔ جب یہ کربلا میں دشمنوں کے نرغے میں گھر جائیں تو ان کی مدد کرنا۔'' علامہ کشوری بھی لکھتے ہیں کہ جناب امیر المومنین (علیہ السلام) نے حضرت عباس (علیہ السلام) کو امام حسین (علیہ السلام) کے سُپرد کیا، چنانچہ حضرت اُمّ البنین (علیہا السلام) اس خصوصی اعزاز پر مطمئن ہو گئیں۔ [۴]

---

[۱] ثقفی کوفی، الغارات، تعلیقہ علامہ حلی، ۱۳۵۳، ج ۲، ص ۵۸۳ - ۵۸۳

[۲] سیّد نجم الحسن کراروی، (متوفی: ۱۹۸۲ء، پشاور، پاکستان)، علمدارِ کربلا عباس (علیہ السلام)، ص ۴۶ بحوالہ ترجمہ بحار، ج ۹ ص ۲۱۷

[۳] ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، الکامل، ۱۳۸۵ ق، ج ۳ ص ۱۷۲

[۴] سیّد نجم الحسن کراروی، (متوفی: ۱۹۸۲ء، پشاور، پاکستان)، علمدارِ کربلا عباس (علیہ السلام)، ص ۴۸ بحوالہ: عمدۃ المطالب ص ۳۵۲؛ ناسخ التواریخ، ج ۳ ص ۳۰۷؛ ریاض القدس، ص ۶۹؛ ابن اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، اسد الغابہ، ۱۴۰۹ ق، ج ۳، ص ۴۹۰

امام حسین (علیہ السلام) اور عباس علمدار (علیہ السلام)

حضرت عباس (علیہ السلام)، امام حسین (علیہ السلام) سے چوبیس سال چھوٹے تھے۔ امام حسین (علیہ السلام) کو اپنے تمام بھائیوں سے بہت محبت تھی لیکن حضرت عباس (علیہ السلام) سے محبت کا انداز سب سے الگ اور منفرد تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ رہی ہو کہ جناب عباس (علیہ السلام) سے آپ کا تعلق بھی خاص اور منفرد نوعیت کا تھا۔ وہ تعلق جو حضرت عباس (علیہ السلام) نے اپنی چونتیس سالہ زندگی میں، روزِ ولادت سے لے کر روزِ شہادت تک نبھاتا تھا، اور جس کی وجہ سے حضرت امیر المومنین (علیہ السلام) اپنے مظلوم اور غریب الوطن بیٹے حسین (علیہ السلام) کے لیے ایک ایسے خوبصورت، بہادر، زیرک، باوقار اور باوفا بھائی کی تمنا رکھتے تھے جو آنے والے کڑے وقت میں اُن کا بازو بن سکے۔ چنانچہ آپ (علیہ السلام) نے اپنے برادرِ بزرگ جناب عقیل (رضی اللہ عنہ) سے اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہُوئے فرمایا کہ عرب کی کسی ایسی عورت کو تلاش کیجیے جو بہادروں کی نسل سے ہو، تا کہ میں اُس سے عقد کروں اور اُس کے بطن سے ایسا بہادر لڑکا پیدا ہو جو رزمگاہِ کربلا میں میرے فرزند حسین (علیہ السلام) کی کمال جاں فشانی سے مدد کر سکے۔'' حضرت عقیل (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ آپ اُمّ البنین وحیدیہ کلابیہ کو اپنی زوجیت میں لے لیں کیوں کہ اُن کے آباؤ اجداد سا بہادر دوسرا کوئی نہیں۔ [1] پس، حضرت اُمّ البنین (سلام اللہ علیہا)، جناب امیر المومنین (علیہ السلام) کی زوجیت میں آئیں اور تقریباً ایک سال بعد ۳ شعبانُ المعظم، ۶۲ ہجری کو امام علی (علیہ السلام) کی دُعا مستجاب ہوئی اور آپ کا گھر قمرِ بنی ہاشم حضرت عباس علمدار (علیہ السلام) کی ضوفشانی سے منور ہُوا۔ جناب امیر المومنین (علیہ السلام) کو خبر ملی تو آپ نے فوراً بارگاہِ الٰہی میں سجدۂ شُکر ادا کیا۔ [2]

حضرت عباس (علیہ السلام) کی ولادت کے حوالے سے بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ جس طرح حضرت عباس (علیہ السلام) کے والد گرامی جناب علی ابنِ ابی طالب (علیہ السلام) نے ولادت کے بعد آنکھوں کو بند رکھا اور حضرت رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آغوش مبارک میں آنے کے بعد کھولا، اور پہلی نگاہ رُخِ جناب رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ڈالی، [3] بالکل اُسی طرح حضرت عباس (علیہ السلام) نے بھی دُنیا میں آنے کے بعد اپنی آنکھیں بند رکھیں اور جب حضرت امام حسین (علیہ السلام) تشریف لائے اور آپ کو اپنی آغوشِ مبارک میں لیا تو فوراً آنکھیں کھول دیں اور پہلی نظر چہرۂ امام حسین (علیہ السلام) پر ڈالی۔ اور جس طرح حضرت علی (علیہ السلام) نے ولادت کے بعد دُودھ نہیں پیا اور حضرت رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (گھٹی کے طور) اُن کے دہنِ مبارک میں اپنی

---

[1] سیّد نجم الحسن کراروی، (متوفی: ۱۹۸۲ء، پشاور، پاکستان)، علمدارِ کربلا عباس (علیہ السلام)، ص ۱۲ بحوالہ تنقیح المقال، ص ۱۲۸

[2] سیّد نجم الحسن کراروی، (متوفی: ۱۹۸۲ء، پشاور، پاکستان)، علمدارِ کربلا عباس (علیہ السلام)، ص ۱۹ بحوالہ ریاض القدس، ج ۱ ص ۶۷

[3] سیّد نجم الحسن کراروی، (متوفی: ۱۹۸۲ء، پشاور، پاکستان)، علمدارِ کربلا عباس (علیہ السلام)، ص ۲۰ بحوالہ راحۃ ذی الصلابۃ فی محبۃ الصحابہ قلمی

زبانِ اطہر دی تو اُنھوں نے چُوسنا شروع کر دی، بالکل اُسی طرح حضرت عباس (علیہ السلام) نے بھی ولادت کے بعد دُودھ نہیں پیا، اور حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے اُن کے دہنِ مبارک میں اپنی زبانِ اطہر دی تو اُنھوں نے اُسے چُوسنا شروع کر دی۔ گویا جس طرح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے علی (علیہ السلام) سے اقرارِ وفا لیا اُسی طرح امام حسین (علیہ السلام) نے حضرت عباس (علیہ السلام) سے لیا۔ [۱] پھر امام حسین (علیہ السلام) ننھے بھائی کو اپنی عبا میں لیے ہُوئے امیرالمومنین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہُوئے، اور کہا، ''بابا جان! یہ بچہ مجھے بہت پیارا لگتا ہے اس لیے اس کی پرورش میں کروں گا۔'' امیرالمومنین (علیہ السلام) نے فرمایا، ''بیٹا! یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔'' امام حسین (علیہ السلام) نے پھر عرض کی، ''بابا جان! کیا وجہ ہے کہ اس کی محبت جوش مارتی ہے تو میرا دِل بھر آتا ہے؟'' حضرت (علیہ السلام) نے فرمایا، ''بیٹا! اللہ کے خاص بندوں کے لیے رنج وغم ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ آج یہ بچہ تمھیں خوش کر رہا ہے لیکن ایک دن ایسا بھی آئے گا جب تم اس پر گریہ کرو گے۔'' امام حسین (علیہ السلام) نے اس بات کی وضاحت چاہی تو امیرالمومنین (علیہ السلام) نے فرمایا، ''بیٹا! جبرائیل امیں تیری شہادت کی خبر لائے تھے، جس کے مطابق تم شہدائے کربلا کے سردار، اور عباس (علیہ السلام) علم بردار ہوں گے۔'' اور بروایتے آپ (علیہ السلام) نے فرمایا، ''میں نے بارہا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہُوئے سُنا ہے کہ حسین (علیہ السلام) تین دن کا بھوکا پیاسا صحرائے کربلا میں شہید ہوگا۔ [۲] اور عباس فرات پر جا کر اپنے بازو قلم کروائے گا۔'' پھر جناب امیرالمومنین (علیہ السلام) نے فرمایا، ''اے حسین (علیہ السلام)! ذرا عباس (علیہ السلام) کے شانے کھولو۔'' امام حسین (علیہ السلام) نے شانے کھولے تو جناب علی (علیہ السلام) نے اُن پر دو نشان دکھائے، اور فرمایا، ''ایک نشان علم کا ہے اور دوسرا مشکیزے کا۔'' [۳]

روایت ہے کہ امیرالمومنین (علیہ السلام) نے ایک موقع پر فرمایا کہ عباس (علیہ السلام) کے ہاتھ حسین (علیہ السلام) کی نصرت میں قلم ہوں گے، اور اللہ اس کو دو شہپر عطا فرمائے گا اور وہ اپنے چچا جعفر طیار (علیہ السلام) کی طرح جنت میں پرواز کرے گا۔ [۴]

کتبِ تاریخ میں ہے کہ امیرالمومنین علی (علیہ السلام) نے خود حضرت عباس (علیہ السلام) کی تربیت و پرورش کی، اُنھیں فنِ سپہ گری، جنگی علوم، معنوی کمالات، مروجہ اسلامی علوم و معارف اور خصوصاً فقہ کی تعلیم سے آراستہ کیا۔ حضرت عباس (علیہ السلام) نے اپنی زندگی تین آئمہ کرام، امام علی (علیہ السلام)، امام حسن (علیہ السلام) اور امام حسین (علیہ السلام) کے زیرِ سایہ گزاری، اور

---

[۱] سیّد نجم الحسن کراروی، (متوفی: ۱۹۸۲ء، پشاور، پاکستان)، علمدارِ کربلا عباس (علیہ السلام)، ص ۲۰، ۲۱ بحوالہ زیارت ناجیہ؛ نورالانوار، ص ۲۱۹

[۲] سیّد نجم الحسن کراروی، (متوفی: ۱۹۸۲ء، پشاور، پاکستان)، علمدارِ کربلا عباس (علیہ السلام)، ص ۲۱ بحوالہ ریاض الشہدا، ص ۲۵۹

[۳] ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ ھ، موصل، عراق)، الکامل، ۱۳۸۵ ق، ج ۳، ص ۱۷۲

[۴] یو آر و یکی شیعہ ڈاٹ نیٹ بحوالہ: قمر بنی ہاشم، ص ۱۹؛ مولد عباس بن علی، ص ۶۰

ان تینوں آئمہ طاہرین سے علم وفضل اور اکتسابِ فیض حاصل کیا۔ [۱] یہی وجہ ہے کہ چہاردہ معصومین (علیہم السلام) میں شامل نہ ہونے کے باوجود آپ کا شمار معصومین (علیہم السلام) کی قریب ترین مراتب والی ہستیوں میں ہوتا ہے۔ [۲]

آپ (علیہ السلام) نے امیر المومنین علی (علیہ السلام) کے فرزندِ ارجمند ہونے کے باوجود خود کو امام حسن (علیہ السلام) اور امام حسین (علیہ السلام) کے برابر کبھی نہیں سمجھا بلکہ اُن کو اپنا امام مانا، اور ہمیشہ اُن کے مطیع وفرمانبردار رہے۔ [۳] آپ اُنھیں ہمیشہ یا ابنَ رسول اللہ، یا سیّدی اور ایسے دیگر القابات سے پکارتے تھے۔ [۴]

امام حسین (علیہ السلام) مستقبل میں رُونما ہونے والے سانحۂ کربلا سے بخوبی آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ میرا یہ بھائی عباس اُس وقت میرا یاور اور جاں نثار ہوگا چنانچہ آپ اُن سے بہت محبت کرتے تھے، اور وہ بھی آپ پر پروانہ وار نثار ہوتے تھے۔ حضرت عباس (علیہ السلام) کی آپ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ کی خاکِ پا اپنی آنکھوں سے لگایا کرتے تھے، اور اُنھیں یہ پسند نہیں تھا کہ اُن کی جگہ کوئی اور امام عالی مقام (علیہ السلام) کی خدمت کرے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ مسجدِ کوفہ میں دونوں بھائی اپنے والد گرامی جناب علی (علیہ السلام) کے پاس جلوہ فرما تھے کہ جناب حسین (علیہ السلام) کو پیاس محسوس ہوئی۔ اُنھوں نے اپنے خاندانی خدمتگار قنبر سے پانی طلب فرمایا تو حضرت عباس (علیہ السلام) جھٹ سے کھڑے ہوگئے اور قنبر سے فرمایا، ''رکو! اپنے آقا کے لیے پانی میں خود لاؤں گا۔'' حضرت عباس (علیہ السلام) گئے اور پانی کا پیالہ سر پر رکھے ہُوئے واپس آئے۔ وہ اُس وقت کم سِن تھے، اور سر پر رکھے ہُوئے پیالے کے چھلکنے سے بھیگ گئے تھے۔ امام عالی مقام (علیہ السلام) نے اُنھیں پانی میں شرابُور دیکھا تو کربلا میں اُن کی سقائی کا خیال آگیا۔ پس، ضبطِ گریہ نہ رہا اور زاروقطار رونے لگے۔ [۵]

گزشتہ صفحات پر ذکر ہوچکا ہے کہ جنگِ صفین میں امام حسین (علیہ السلام) کو میدانِ جنگ میں جاتے ہُوئے دیکھ کر حضرت عباس (علیہ السلام) اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور کم عمری کے باوجود فوراً اُن کے پیچھے روانہ ہُوئے اور نہایت جرأت و جوانمردی کے ساتھ بھائی کے شانہ بشانہ لڑتے رہے۔ [۶]

---

[۱] المظفر، موسوعہ بطل العلقمی، ۱۴۲۹ق، ج ۲ ص ۱۱-۱۲
کلباسی، خصائص العباسیہ، ۱۳۸۷ش، ص ۱۰۷-۱۰۸؛ زجاجی کاشانی، سقای کربلا، ۱۳۷۹ش، ص ۶۶
عبدالرزاق موسوی مقرم، (۱۳۹۱ھ، نجف اشرف، عراق)، العبّاس (علیہ السلام)، ۱۴۲۷ق، ص ۱۳۰
[۲] کلباسی، خصائص العباسیہ، ۱۳۸۷ش، ص ۱۲۳۔ بہشتی، قہرمان علقمہ، ۱۳۷۴ش، ص ۱۰۳۔۱۰۷
[۳] المظفر، موسوعہ بطل العلقمی، ۱۴۲۹ق، ج ۲ ص ۳۵۵-۳۵۶؛ محمودی، ماہ بی غروب، ۱۳۷۹ش، ص ۹۷
[۴] المظفر، موسوعہ بطل العلقمی، ۱۴۲۹ق، ج ۲ ص ۳۵۵۔ بغدادی، العباس، ۱۴۳۳ق، ۱۷
[۵] سیّد نجم الحسن کراروی، (متوفی: ۱۹۸۲ء، پشاور، پاکستان)، علمدارِ کربلا عباس (علیہ السلام)، ص ۲۵ تا ۲۶
[۶] سیّد نجم الحسن کراروی، علمدارِ کربلا عباس (علیہ السلام)، ص ۳۱، ۳۶، ۳۷، ۳۹ بحوالہ: کبریت احمر، جز ۱۰ ص ۶۵، طبع ایران ۱۳۴۳ء

حضرت عباس (علیہ السلام) نورانی چہرے کے مالک تھے۔ آپ کے رُخِ زیبا کی کشش کا عالم یہ تھا کہ آپ جدھر سے گزرتے لوگ رُک رُک کر اور مڑ مڑ کے آپ کو دیکھتے اور آپ کی خوبصورتی کی مثالیں دیتے۔ آپ کے اسی حسن و جمال کی وجہ سے آپ کو "قمرِ بنی ہاشم" بھی کہا جاتا تھا۔ آپ کا شمار بنی ہاشم کے بہترین اور اہم ترین مردوں میں ہوتا تھا۔ آپ کا بدن مضبوط، اور قد لمبا تھا۔ گھوڑے پر سوار ہوتے تو پاؤں زمین تک پہنچ جاتے۔ کیا دوست کیا دشمن سبھی آپ کی شجاعت کے معترف تھے۔ آپ کا جُود و کرم ہر خاص و عام کے لیے اس قدر تھا کہ لوگوں کے لیے نمونۂ عمل بن گیا۔[۱]

بروایتے، حضرت عباس (علیہ السلام) جوان ہُوئے تو اُن کی والدہ نے امام حسین (علیہ السلام) کے سامنے اُن کی شادی کی خواہش بیان کی، چنانچہ امام (علیہ السلام) نے انتظامات شروع کر دیئے اور حضرت عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کی دُختر حضرت لبابہ سے اُن کا عقد کرایا۔ لسان الملک لکھتے ہیں کہ حضرت لبابہ سے حضرت ابوالفضل عباس (علیہ السلام) کے دو فرزند تھے، فضل اور عبیداللہ۔[۲]

امامِ حسین (علیہ السلام) اور حضرت امام حسن (علیہ السلام)

امام حسین (علیہ السلام) اپنے بڑے بھائی امام حسن (علیہ السلام) کا بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ اُن کی موجودگی میں کسی مسئلے پر اپنی رائے دینے سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ کتاب المناقب میں حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام) سے منقول ہے کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام)، حضرت امام حسن (علیہ السلام) کے احترام کی وجہ سے اُن کے سامنے گفتگو بھی نہیں کیا کرتے تھے۔[۳] آپ کسی معاملے میں خواہ وہ معمولی ہو یا اہم، برادرِ بزرگ پر سبقت لے جانے یا اُن کے خلاف جانے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ روایت ہے کہ امیرالمومنین علی (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد خوارِج نے امام حسن (علیہ السلام) کی بیعت نہ کی لیکن آپ کے پاس آ کر آپ کی بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا، "میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ حسن (علیہ السلام) کے ہوتے ہُوئے میں تمھاری بیعت قبول نہیں کرسکتا۔[۴] طبری کے مطابق قیس بن سعد بن عبادہ پہلا شخص تھا جس نے

---

[۱] طعمہ، تاریخ مرقد الحسین والعباس، ۱۴۱۶ق، ص ۲۳۶؛
المظفر، موسوعہ بطل العلقمی، ۱۴۲۹ق، ج ۲، ص ۹۴؛ کلباسی، خصائص العباسیہ، ۱۳۸۷ش، ص ۱۰۹

[۲] سیّد نجم الحسن کراروی، (متوفی: ۱۹۸۲ء، پشاور، پاکستان)، علمدارِ کربلا عباس (علیہ السلام)، ص ۵۱ بحوالہ:
ناسخ التواریخ، ج ۶، ص ۲۸۹ طبع بمبئی؛ المعارف، ص ۹۶، طبع مصر، ۱۳۵۳ھ، کبریت احمر

[۳] آیت اللہ سیّد احمد مستنبط تبریزی، (متوفی: ۱۳۹۹ھ، نجف)، فضائل اہل بیت (علیہم السلام)، ج ۲ ص ۳۴۷
محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ھ، حلب)، مناقب، ج ۳ ص ۴۱۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ اصفہان، ایران)، بحار الانوار، ج ۴۳ ص ۳۱۹

[۴] ابن قتیبہ دینوری، (متوفی: ۸۸۹ء، بغداد)، الامامہ والسیاسۃ، ۱۴۱۰ق، ج ۱ ص ۱۸۴

امام حسن (علیہ السلام) کی بیعت کی۔ اُس نے اپنا ہاتھ امام حسن (علیہ السلام) کی طرف بڑھاتے ہُوئے کہا کہ قرآن وسُنت پر عمل کرنے، اور منحرفین کے ساتھ جنگ کرنے کی شرط پر آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ امام حسن (علیہ السلام) نے اس سے کہا،''قرآن و سُنت کی بنیاد پر بیعت کرو کیونکہ تمام چیزیں انھیں دو چیزوں میں مضمر ہیں۔'' یعنی امام (علیہ السلام) نے قیس کی دوسری شرط کو رَد کردیا۔[۱] قیس نے امام حسین (علیہ السلام) کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے تو آپ نے اُس سے فرمایا، ''اے قیس! امام حسن (علیہ السلام) میرے بھی امام ہیں۔'' یعنی جو وہ فرما رہے ہیں، وہی کرو۔[۲] چنانچہ قیس نے بیعت کرلی۔

معتبر روایات کے مطابق معاویہ کے ساتھ معاہدۂ صلح کے وقت بھی آپ نے اپنے بھائی امام حسن (علیہ السلام) کی حمایت کی۔[۳] اور فرمایا کہ حسن (علیہ السلام) میرے امام ہیں۔[۴] اگرچہ وہ معاہدۂ صلح امام حسن (علیہ السلام) کی شرائط پر ہُوا تھا مگر مروی ہے کہ بعض لوگوں نے اُس پر اعتراض کرتے ہُوئے امام حسین (علیہ السلام) کو معاویہ پر حملہ کرنے کے لیے اپنے شیعوں کو اکھٹا کرنے کی تجویز دی تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے اُس سے عہد کیا ہے اس لیے کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کریں گے۔[۵] منقول ہے کہ اعتراض کرنے والوں سے فرمایا کہ جب تک معاویہ زندہ ہے تب تک انتظار کرو، اُس کی وفات کے بعد تصمیم لیں گے۔[۶] اور بروایتے یوں فرمایا کہ ہم اُس کے ساتھ معاہدہ کر چکے ہیں اس لیے جب تک وہ زندہ ہے اُس کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھائیں گے، اُس کے بعد جو ضروری ہُوا کریں گے۔[۷] اہلِ بیت (علیہم السلام) کی دشمنی میں قلم کو بے آبرو کرنے والے چند مؤرخین ایسے بھی ہیں جن کا کہنا ہے کہ صلح کے معاملے میں امام حسن (علیہ السلام) اور امام حسین (علیہ السلام) میں سخت اختلاف تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اختلاف کرنا تو درکنار امام حسین (علیہ السلام) اپنے برادرِ بزرگ کے فیصلے کے برعکس سوچتے بھی نہیں تھے۔

امام حسین (علیہ السلام) نے امام حسن (علیہ السلام) کی طرح صلح کیوں نہ کی؟

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے کہ جب امام حسین (علیہ السلام) نے عراق کا ارادہ کیا تو میں نے اُن

---

[۱] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، عراق)، تاریخ الامم والملوک، ج ۵ ص ۱۵۸

[۲] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا ص ۲۲ تا ۲۴

[۳] ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری، (متوفی: ۲۳۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال ص ۲۲۱

[۴] شیخ محمد بن حسن الطوسی، (متوفی: ۴۶۰ھ)، اختیار معرفۃ الرجال (رجال کشی) ص ۱۱۰

[۵] ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری، (متوفی: ۲۳۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال ص ۲۲۰

[۶] احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۱۵۰

[۷] محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، عراق)، تاریخ الامم والملوک، ج ۵ ص ۱۶۵
شمس الدین سبط حافظ ابن جوزی، (متوفی: ۶۵۴، بغداد، عراق)، المنتظم، ۱۹۹۲م، ج ۵ ص ۱۸۴

کی خدمت میں عرض کی کہ یابنَ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! بہتر ہوتا کہ آپ بھی اپنے برادرِ بزرگوار امام حسن (علیہ السلام) کی طرح اس قوم سے مصالحت کرلیتے۔ حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا، ''اے جابر! میرے برادر بزرگوار نے یہ کام اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے حکم سے انجام دیا تھا، اور میں بھی اللہ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے حکم کا تابع ہوں۔ [1]

بنواُمیہّ کا امیرالمومنین (علیہ السلام) پر سَبّ وشتم

معاویہ کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد مروان بن حکم کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ جمعہ کے دن مسجد میں حضرت علی (علیہ السلام) اور حضرت امام حسن مجتبیٰ (علیہ السلام) پر سَبّ وشتم کرنا اور اُن کی شان میں نازیبا کلمات ادا کرنا اُس کا معمول تھا۔ چنانچہ معاویہ نے اُسے خط کے ذریعے ہدایات جاری کیں کہ علی اور اولادِ علی (علیہم السلام) پر لعن طعن کا سلسلہ جاری رکھنا، امام حسن (علیہ السلام) سے مت ڈرنا (کیونکہ وہ بہت کریم اور درگزر کرنے والے ہیں) لیکن حسین ابنِ علی (علیہ السلام) سے محتاط رہنا کیونکہ وہ نازیبا الفاظ سُن کر برداشت نہیں کریں گے۔ چنانچہ مروان نے اُس کے حکم پر ہر نمازِ جمعہ کے بعد بدزبانی اور اہانت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ایک دن جب مسجد نبوی میں عوام وخواص سبھی موجود تھے، اُس نے منبرِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر جاکر امیرالمومنین علی (علیہ السلام) اور امام حسن (علیہ السلام) کی شان میں ناروا الفاظ کہے تو لوگوں نے جاکر امام حسن (علیہ السلام) سے شکایت کی۔ امام حسن (علیہ السلام) آبدیدہ ہوگئے لیکن ایک سرد آہ بھر کر خاموش ہورہے، لیکن مسجد میں موجود اُسامہ بن زید نے امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوکر روتے ہُوئے خبر دی تو اُن کی آنکھیں غیض وغضب سے سُرخ ہوگئیں۔ فرمایا، ''اے اُسامہ! کیا واقعی ایسا ہُوا ہے؟'' اُسامہ نے قسم کھا کر کہا کہ مروان نے ایسا ہی کیا ہے۔ امام حسین (علیہ السلام) اُسی وقت تلوارِ بے نیام لیے مسجدِ نبوی کی طرف روانہ ہوگئے۔ مروان کے غلام مسجد کے دروازے پر متعین تھے۔ حسین ابن علی (علیہ السلام) کو عالمِ غضب میں آتے ہُوئے دیکھا تو ڈر کر راستہ چھوڑ دیا۔ مروان ملعون منبر پر بیٹھا تھا، امام (علیہ السلام) سیدھے اُس کی طرف بڑھے اور اُسے گریبان سے پکڑ کر نیچے گھسیٹ لیا۔ آپ نے اُس کا عمامہ اُس کی گردن میں ڈال کر کھینچا تو وہ گھگیانے لگا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اُس کی نجس رُوح اُس کے بدن کا ساتھ چھوڑ رہی ہو، اُس کی ٹانگیں کپکپانے لگیں۔ امام حسن مجتبیٰ (علیہ السلام) بھی وہاں پہنچ گئے تھے، مروان نے رحم طلب نظروں سے اُن کی طرف دیکھا اور گڑگڑایا، ''اے حسن مجتبیٰ (علیہ السلام)! آپ کو اپنی مادرِ گرامی کی عصمت وطہارت کی قسم ہے مجھے اپنے بھائی حسین (علیہ السلام) سے بچایئے۔'' امام حسن (علیہ السلام)، امام حسین (علیہ السلام) کے پاس گئے اور فرمایا، ''اے جانِ برادر! درگزر کرو۔'' امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا، ''اے برادرِ بزرگوار! میں زندہ ہوں اور یہ امیرالمومنین بابا علی (علیہ السلام)

---

[1] علامہ طالب جوہری، حدیثِ کربلا، ص ۶۲ بحوالہ: معالی السبطین فی أحوال الحسن و الحسین- محمد مہدی الحائری، ج ۱ ص ۲۱۷

اور آپ کی شان میں گستاخی کر رہا ہے۔'' امام حسن (علیہ السلام) نے فرمایا، ''جانِ برادر! اس نے مجھے مادرِ گرامی کی قسم دے کر پناہ مانگی ہے اس لیے اسے چھوڑ دو۔'' چنانچہ امام حسین (علیہ السلام) نے اُس ملعون کو چھوڑ دیا۔[1]

شہادتِ امام حسن (علیہ السلام)

شام کے حاکم نے ایک سازش کے تحت امام حسن (علیہ السلام) کو اُن کی زوجہ جعدہ بنتِ اشعث بن قیس کندی کے ذریعے زہر دے کر شہید کروا دیا۔ شیخ مفید (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ جب معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کی جانشینی کے لیے لوگوں سے بیعت لینے کا فیصلہ کیا تو اُس نے جعدہ بنتِ اشعث بن قیس (زوجۂ امام حسن علیہ السلام) کے پاس ایک لاکھ درہم بھیجے، اور اُسے یہ وعدہ بھی دیا کہ حسن بن علی (علیہ السلام) کو مسموم کرنے کے عوض اُس کی شادی یزید کے ساتھ کر دی جائے گی۔[2] اور یہ بھی مروی ہے کہ اُس نے شاہِ روم سے منگوایا گیا سَرِیعُ الاثرَ زہر محمد بنِ اشعث یا مروان کے ذریعے جعدہ کو یہ کہہ کر بھجوایا کہ کام ہو جانے کے بعد تجھے ایک لاکھ درہم دوں گا، اور تیرا عقد اپنے بیٹے یزید کے ساتھ کر دوں گا، چنانچہ اُس نے امام حسن (علیہ السلام) کو وہ زہر دے کر شہید کر دیا۔[3] اہلِ سُنت کی اکثر اہم کتب میں بھی جعدہ کو امام حسن (علیہ السلام) کی قاتلہ لکھا گیا ہے۔[4]

---

[1] آقائی صدرالدین قزوینی، ریاض القدس، ج ا ص ۶۰ تا ۶۲

[2] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۳ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ۱۴۱۳ق، ج ۲، ص ۱۵
آقائی صدرالدین قزوینی، ریاض القدس، ج ا ص ۵۰
ابن شہر آشوب، محمد بن علی، مناقب آل ابی طالب (علیہ السلام)، ج ۳، ص ۲۰۲
بوالحسن اربلی، علی بن عیسیٰ، کشف الغمہ عن معرفۃ الائمہ، ج ۲، ص ۲۰۷؛ ۱۳۸
طبرسی، فضل بن الحسن، اعلام الوریٰ، ص ۴۰۳؛ طبرسی، فضل بن حسن، الاحتجاج علی اہل اللجاج، ج ۲ ص ۱۳

[3] سیّد نجم الحسن کراروی، (متوفی: ۱۹۸۲ء، پشاور، پاکستان)، چودہ ستارے، ص ۱۹۹ بحوالہ: تاریخ مروج الذہب مسعودی، ج ۲ ص ۳۰۳؛ مقاتل الطالبین، ص ۵۱ ابوالفداء، ج ا ص ۱۸۴؛ روضۃ الصفا، ج، ج ۳ ص ۷؛ حبیبُ السیر، ج ۲ ص ۱۸؛ استیعاب، ج ا ص ۱۴۴؛
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ص ۶۰۴
مادلونگ، جانشینی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ۱۳۷۷ ش، ص ۴۵۳
(منبع اصلی: Page 331, The Succession T0 Muhamad,Madelung)

[4] احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۵۵
عمادالدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر ابنِ کثیر، (متوفی: ۷۷۴ھ، شام)، البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۴۳
ابونصر بن مطہر بن طاہر مقدسی، البدء والتاریخ، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، ج ۶، ص ۵
مقدسی، البدء والتاریخ، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، ج ۶ ص ۵

۶۳ ہجری میں واقعہ حرہ میں جب مدینہ کو تاراج کیا گیا تھا تو جعدہ بنت اشعث کی اسی خدمت کے صلے میں اُس کا مال اُسے واپس کر دیا گیا تھا۔[1] بلاذری نے لکھا ہے کہ جعدہ اپنے والد (اشعث بن قیس) کے مکروفریب کے باعث ہی امام حسن مجتبیٰ (علیہ السلام) کے عقد میں آئی تھی۔[2] امام حسن مجتبیٰ (علیہ السلام) کو زہر دینے کے بعد جعدہ کو حضرت کی لعن ونفرین نے آن لیا۔[3] اور کہا جاتا ہے کہ اُسے انتہائی متعفن بیماری لگی اور وہ دردناک موت سے دوچار ہوئی۔[4]

منقول ہے کہ امام حسن (علیہ السلام) زہر دیئے جانے کے بعد چالیس روز تک سخت علیل رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔[5] بعض منابع کے مطابق آپ (علیہ السلام) کو معاویہ کے ایما پر شہادت سے پہلے کئی بار زہر دیا گیا تھا لیکن آپ (علیہ السلام) ہر بار محفوظ رہے تھے۔[6] اُمّ بکر بنتِ مسور سے بھی روایت ہے کہ امام حسن (علیہ السلام) کو کئی بار زہر دیا گیا تھا مگر آپ (علیہ السلام) ہر بار محفوظ رہے۔ آخری مرتبہ زہر اتنا شدید تھا کہ آپ (علیہ السلام) کے جگر کے ٹکڑے حلق کے راستے باہر آنے لگے تھے۔[7]

امام حسن (علیہ السلام) نے امام حسین (علیہ السلام) کو وصیّت کی تھی کہ اُنھیں اپنے نانا رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پہلو میں دفن کیا جائے۔[8] بروایتے، آپ (علیہ السلام) نے اس بارے میں اپنی زندگی میں ہی حضرت عائشہ سے بات کر کے اُن کی موافقت بھی لی تھی۔[9] لیکن جب اُنھیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قبرِ مطہر کے نزدیک دفن کرنے کی کوشش کی گئی تو مخالفین نے

---

[1] رسول جعفریان، (ولادت: ۱۹۶۴، ایران)، آئمہ اہل بیت (علیہم السلام) فکری وسیاسی زندگی، ص ۱۷۱
بحوالہ: ابن سعد، ترجمۃ الامام الحسن (علیہ السلام)، ص ۱۷۵
احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۸۸

[2] بلاذری، احمد بن یحیی، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۱۴
قرشی، باقر شریف، حیاۃ الامام الحسن (علیہ السلام)، ج ۲، ص ۴۵۸
ابن عساکر، علی بن حسن، تاریخ مدینۃ الدمشق، ج ۱۳، ص ۲۸۴

[3] قطب راوندی، سعید بن ہبۃ اللہ، الخرائج والجرائح، ج ۱ ص ۲۴۲

[4] قائمی، علی، در مکتب کریم اہل بیت (علیہم السلام)، ص ۴۵۶

[5] رسول جعفریان، آئمہ اہل بیت (علیہم السلام)، ص ۱۷۱ بحوالہ: ابنِ سعد، ترجمۃ الامام الحسن (علیہ السلام)، ص ۱۷۲

[6] رسول جعفریان، آئمہ اہل بیت (علیہم السلام)، ص ۱۷۱ بحوالہ: ابنِ سعد، ترجمۃ الامام الحسن (علیہ السلام)، ص ۱۷۲

[7] رسول جعفریان، آئمہ اہل بیت (علیہم السلام)، ص ۱۷۱ بحوالہ: ابنِ سعد، ترجمۃ الامام الحسن (علیہ السلام)، ص ۱۷۲

[8] احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۶۰
ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری (متوفی: ۲۸۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال، ۱۳۶۸ ش، ص ۲۲۱
شیخ محمد بن حسن طوسی، (متوفی: ۴۶۰ھ، نجف اشرف، عراق)، امالی، ۱۴۱۴ ق، ص ۱۶۰

[9] رسول جعفریان، آئمہ اہل بیت (علیہم السلام)، ص ۱۷۱ بحوالہ: ابنِ سعد، ترجمۃ الامام الحسن (علیہ السلام)، ص ۱۷۲

تکلیف دہ رکاوٹیں حائل کر کے یہ کوشش ناکام بنادی۔ اُن مخالفین کا سرغنہ مروان بن حکم کا تھا۔ منقول ہے کہ ابوسعید خدری اور ابوہریرہ نے اُس سے کہا کہ کیا حسن (علیہ السلام) کو اُن کے نانا کے پہلو میں دفن ہونے سے روکتے ہو؟ حالانکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُنھیں جوانانِ جنت کا سردار کہا تھا۔ مروان اُن کا مذاق اڑاتے ہوئے بولا کہ اگر تم جیسے لوگ حدیثِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی روایت نہ کرتے تو وہ ضائع ہو چکی ہوتی۔ [۱]

مروان بن حکم نے امام (علیہ السلام) کی وفات کی خبر معاویہ کو بھجوائی، اور کہا، ''لوگ حسن (علیہ السلام) کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پہلو میں دفن کرنا چاہتے ہیں لیکن جب تک میں زندہ ہوں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔'' [۲] چنانچہ جب بنی ہاشم امام حسن مجتبیٰ (علیہ السلام) کے جنازے کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قبرِ اطہر پر لے کر گئے تو مروان نے بنی اُمیہ کے بعض افراد کے ساتھ اسلحہ اُٹھا کر اُن کا راستہ روک لیا تاکہ آپ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن نہ ہونے دیا جائے۔ [۳] اس روایت کو شیخ محمد بن حسن طوسیؒ اور شیخ مفیدؒ نے بھی اپنی اپنی کتب میں نقل کیا۔ [۴] ابوالفرج اصفہانی لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ اُونٹ پر سوار ہو کر آئیں، اور بنی اُمیّہ کو اس کام سے منع کیا۔ [۵] لیکن بلاذری نے نقل کیا ہے کہ جب اُنھوں نے دیکھا کہ فساد برپا ہو گیا ہے، اور عنقریب یہ جھگڑا خونریزی میں تبدیل ہو جائے گا تو کہا، ''یہ گھر میرا ہے، اور میں اس میں کسی کو دفن نہیں ہونے دوں گی۔ [۶] مروان بولا کہ ہم ایسا کبھی نہیں ہونے دیں گے کہ عثمان (جن کا تعلق بنو اُمیّہ سے تھا) شہر سے باہر دفن ہوں اور حسن بن علی (علیہ السلام) (جن کا تعلق بنو ہاشم سے ہے) پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پہلو میں دفن ہوں۔ [۷] جب بنی ہاشم اور بنی اُمیّہ لڑائی پر آمادہ ہو گئے [۸] تو امام حسین (علیہ السلام) نے بھائی کی وصیّت کے مطابق اپنے ساتھیوں کو جھگڑے سے منع فرما دیا۔ یوں امام حسن (علیہ السلام) کا جنازہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

---

[۱] رسول جعفریان، آئمہ اہل بیت (علیہم السلام)، ص ۱۷۱ بحوالہ: ابنِ سعد، ترجمۃ الامام الحسن (علیہ السلام)، ص ۱۷۲

[۲] احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۶۲

[۳] احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۶۴
ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری (متوفی: ۲۸۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال، ۱۳۶۸ش، ص ۲۲۱

[۴] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۳ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ۱۴۱۳ق، ج ۲ ص ۱۸
شیخ محمد بن حسن طوسی، (متوفی: ۴۶۰ھ، نجف اشرف، عراق)، امالی، ۱۴۱۴ق، ص ۱۶۰

[۵] ابوالفرج اصفہانی، (متوفی: ۹۶۷ء، بغداد)، مقاتل الطالبیین، دارالمعرفہ، ص ۸۲

[۶] احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۶۱

[۷] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۳ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ۱۴۱۳ق، ج ۲ ص ۱۸-۱۹
محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ھ، حلب)، المناقب، ۱۳۷۹ق، ج ۴ ص ۴۴

[۸] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۳ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ۱۴۱۳ق، ج ۲ ص ۱۸

کی قبرِ اطہر کی بجائے بقیع لے جایا گیا اور اُنھیں (اُن کی دادی) حضرت فاطمہ بنتِ اسد (علیہا السلام) کے پہلو میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔[1] مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام حسن (علیہ السلام) کی تدفین کے لیے امام حسین (علیہ السلام) قبرِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے، اور ساتھیوں سے فرمایا کہ اس جگہ کو کھودو۔ اُس وقت سعید بن عاص مدینہ کا حاکم تھا۔ وہ تو وہاں سے چلا گیا مگر مروان نے بنی اُمیّہ کو آمادہ کر کے مسلح کیا، اور کہا کہ ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔ امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا کہ تیرا اس سے کیا تعلق ہے؟ کیا تُو شہر کا والی ہے؟ مروان نے کہا کہ نہیں، لیکن جب تک میں زندہ ہوں یہ کام ہونے نہیں دُوں گا۔ امام حسین (علیہ السلام) نے اُس وقت اُن لوگوں سے رُجوع کیا جو حلف اُلفضول میں بنی ہاشم کے ساتھ تھے۔ پس بنی تیم، بنی زُہرہ، بنی اسد، بنی ہاشم اور دیگر کچھ لوگ مسلح ہو گئے۔ اِدھر امام حسین (علیہ السلام) کے ہاتھ میں علم تھا تو اُدھر مروان کے ہاتھ میں۔ بنو ہاشم اور بنو اُمیّہ کے درمیان تیز اندازی شروع ہوئی تو کچھ لوگوں نے امام حسین (علیہ السلام) سے گزارش کی کہ امام حسن (علیہ السلام) کی یہ بھی وصیّت تھی کہ اگر خون خرابے کا خطرہ ہو تو مجھے بقیع میں میری جدّہ (حضرت فاطمہ بنتِ اسد علیہا السلام) کے پہلو میں دفن کر دینا اس لیے آپ اپنے بھائی کی وصیّت پر عمل کرتے ہُوئے اس اَمر پر اِصرار نہ کریں۔[2] بلاذری نے بھی نقل کیا ہے کہ جناب حسن بن علی (علیہ السلام) نے وصیّت کی تھی کہ اُن کے جنازے اور تدفین کے موقع پر کسی بھی جھگڑے اور فساد سے گریز کیا جائے۔[3] لہٰذا امام حسین (علیہ السلام) نے حسبِ وصیّت اپنے ساتھیوں کو جھگڑا کرنے سے منع کر دیا اور امام حسن (علیہ السلام) کا جنازہ بقیع لے جا کر حضرت فاطمہ بنتِ اسد (علیہا السلام) کے پہلو میں سُپردِ خاک کر دیا۔[4] لیکن شیخ مفیدؒ، طبرسی اور ابنِ شہر آشوب کے مطابق امام

---

[1] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ۱۴۱۳ق، ج ۲ ص ۱۸
احمد بن یحییٰ بن جابر بن داوٗد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۶۴
ابوحنیفہ احمد بن داوٗد دینوری (متوفی: ۲۳۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال، ۱۳۶۸ش، ص ۲۲۱
شیخ محمد بن حسن طوسی، (متوفی: ۴۶۰ھ، نجف اشرف، عراق)، امالی، ۱۴۱۴ق، ص ۱۶۰

[2] رسول جعفریان، (ولادت: ۱۹۶۴، ایران)، آئمہ اہل بیت (علیہم السلام) فکری وسیاسی زندگی ص ۱۷۳
ابن سعد، ترجمۃ الامام الحسن (علیہ السلام)، ص ۱۷۷

[3] احمد بن یحییٰ بن جابر بن داوٗد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۶۰

[4] احمد بن یحییٰ بن جابر بن داوٗد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۶۴
ابوحنیفہ احمد بن داوٗد دینوری (متوفی: ۲۳۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال، ۱۳۶۸ش، ص ۲۲۱
شیخ محمد بن حسن طوسی، (متوفی: ۴۶۰ھ، نجف اشرف، عراق)، امالی، ۱۴۱۴ق، ص ۱۶۰-۱۶۱
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ۱۴۱۳ق، ج ۲ ص ۱۸-۱۹
محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ھ، حلب)، المناقب، ۱۳۷۹ق، ج ۴ ص ۴۴

حسن مجتبیٰ (علیہ السلام) نے وصیّت کی تھی کہ اُن کے تابوت کو تجدیدِ عہد کی خاطر قبرِ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر لے جایا جائے پھر اپنی دادی حضرت فاطمہ بنتِ اسد (علیہا السلام) کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ [۱] مروان اُس وقت معزول تھا، اور اپنی اس کارگزاری سے معاویہ کو خوش کرنا چاہتا تھا لہٰذا اس مذموم مقصد میں کامیاب ہو جانے کے بعد اُس نے یہ خبر اُسے لکھ بھیجی۔ [۲]

ایک روایت کے مطابق امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت ربیع الاوّل، ۴۹ ہجری میں، اور دوسری کے مطابق ربیع الاوّل، ۵۰ ہجری میں واقع ہوئی۔ [۳] بنو ہاشم نے انصار کو امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت سے مطلع کرنے کے لیے مدینہ کے اطراف میں قاصد روانہ کیے۔ کہا جاتا ہے کہ لوگ گھروں سے نکل پڑے اور بنی ہاشم کی عورتیں ایک مہینے تک متواتر مجالسِ عزا برپا کرتی رہیں۔ [۴] حضرت محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت پر پورا مدینہ سوگوار تھا، اور سب لوگ رو رہے تھے۔ طبری نے امام محمد باقر (علیہ السلام) سے نقل کیا ہے کہ اہلِ مدینہ نے سات دن تک فرزندِ رسول (علیہ السلام) کی شہادت کا سوگ منایا اور بازار بند رکھے۔ امام (علیہ السلام) کی بقیع میں تدفین کے موقع پر لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ بقول لے اُوپر سے سوئی پھینکی جاتی تو وہ زمین پر نہ پہنچتی۔ [۵]

---

[۱] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ۱۴۱۳ق، ج ۲، ص ۱۸
احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۶۴
ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری (متوفی: ۲۸۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال، ۱۳۶۸ش، ص ۲۲۱
شیخ محمد بن حسن طوسی، (متوفی: ۴۶۰ھ، نجف اشرف، عراق)، امالی، ۱۴۱۴ق، ص ۱۶۰
[۲] رسول جعفریان، (ولادت: ۱۹۶۴، ایران)، آئمہ اہل بیت (علیہم السلام) فکری و سیاسی زندگی، ص ۱۷۳
ابن سعد، ترجمۃ الامام الحسن (علیہ السلام)، ص ۱۸۵
[۳] رسول جعفریان، (ولادت: ۱۹۶۴، ایران)، آئمہ اہل بیت (علیہم السلام) فکری و سیاسی زندگی، ص ۱۷۳
ابن سعد، ترجمۃ الامام الحسن (علیہ السلام)، ص ۱۸۹
احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۶۶
[۴] رسول جعفریان، (ولادت: ۱۹۶۴، ایران)، آئمہ اہل بیت (علیہم السلام) فکری و سیاسی زندگی، ص ۱۷۳
ابن سعد، ترجمۃ الامام الحسن (علیہ السلام)، ص ۱۸۱
ابنِ عساکر، ترجمۃ الامام الحسن (علیہ السلام)، ص ۱۷۳
[۵] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ۱۴۱۳ق، ج ۲، ص ۱۸
احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۶۴
ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری (متوفی: ۲۸۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال، ۱۳۶۸ش، ص ۲۲۱
شیخ محمد بن حسن طوسی، (متوفی: ۴۶۰ھ، نجف اشرف، عراق)، امالی، ۱۴۱۴ق، ص ۱۶۰

امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد بنی ہاشم میں بالحاظِ عمر کئی افراد امام حسین (علیہ السلام) سے بڑے تھے لیکن سب سے زیادہ معتبر، معزز اور معروف شخص صرف آپ ہی تھے۔ یعقوبی نے نقل کیا ہے کہ معاویہ نے حضرت امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد ابنِ عباس سے کہا کہ اب تو اپنی قوم (بنو ہاشم) کے بزرگ آپ ہی ہیں تو ابنِ عباس نے جواب دیا کہ نہیں، حسین ابنِ علی (علیہ السلام) کے ہوتے ہُوئے میں بزرگ نہیں۔ [۱] اسی طرح بنی ہاشم کے درمیان بھی (قبیلے کے سردار کی نامزدگی کے لیے) مشاورت ہوئی تو امام حسین (علیہ السلام) کو سب پر فوقیت دی گئی۔ [۲]

حضرت امام حسن مجتبیٰ (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد عراق کے شیعہ لوگوں نے امام حسین (علیہ السلام) کو خطوط لکھے کہ آپ کوفہ تشریف لائیں کیونکہ ہم حاکمِ شام کی خلافت سے اِنحراف کر کے آپ (علیہ السلام) کے دستِ مبارک پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ (علیہ السلام) نے انکار کر دیا اور اُنھیں یاد دلایا کہ ہمارے اور امیرِ شام کے درمیان ایک عہد ہے جس کا توڑنا اُس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ اُس کی مدت پوری نہ ہو جائے۔ [۳] شیخ مفیدؒ نے لکھا ہے کہ امام حسن (علیہ السلام) کے بعد امام حسین (علیہ السلام) ہی حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے لیے صالح ترین اور مناسب ترین شخصیت تھے تاہم معاویہ کے ساتھ امام حسن (علیہ السلام) کے معاہدے کی بنا پر آپ (علیہ السلام) اُس پر کاربند رہے۔ [۴] آپ (علیہ السلام) نے قیام سے اجتناب کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ معاویہ کی حاکمیت کی شرعی اور قانونی حیثیت کو بھی مسترد کر دیا۔ [۵]

---

[۱] ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، (متوفی: ۲۴۱ھ، عراق)، مسند احمد، ج ۱ ص ۳۳۱
ابوالفداء اسماعیل بن عمر ابنِ کثیر، (متوفی: ۷۷۴ھ، دمشق، شام) تفسیر القرآن، ج ۳ ص ۷۹۹
علامہ شیخ محمد ابنِ علی شوکانی، (متوفی: ۱۲۵۰ھ، صنعاء، یمن)، فتح القدیر، عالم الکتب، ج ۴ ص ۲۷۹

[۲] محمد ابنِ سعد بغدادی، (متوفی: ۲۳۰ھ، بغداد، عراق)، طبقات الکبری، ج ۱۰ ص ۴۱۴ تا ۴۱۶

[۳] ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری (متوفی: ۲۳۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال، ص ۲۲۲
احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۱۵۲
علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا ص ۲۵
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۳۲؛ آقائی صدرالدین قزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۵۷

[۴] ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری (متوفی: ۲۳۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال، ص ۲۲۲
احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۱۵۲
علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا ص ۲۵
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۳۲؛ آقائی صدرالدین قزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۵۷

[۵] ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری (متوفی: ۲۳۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال، ص ۲۲۲
احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۱۵۲

اشعث بن قیس کندی

اشعث بن قیس کندی، آلِ محمد (علیہم السلام) کا بدترین دشمن تھا۔ وہ خلیفہ اوّل کا بہنوئی تھا۔ عبد الرحمٰن ابنِ ملجم جب حضرت علی (علیہ السلام) کو شہید کرنے کوفہ آیا تو اسی کے ہاں مہمان ٹھہرا یعنی یہ اُس کا سہولت کار تھا۔ یہ امام حسن (علیہ السلام) کے قتل میں بھی ملوث تھا۔ شام سے منگوایا گیا سریعُ الاثر زہر اسی کی پیشکش پر اور اسی کے ذریعے اس کی بیٹی جعدہ تک پہنچا جس سے اُس نے امام حسن (علیہ السلام) کو شہید کیا۔ اس کا بیٹا محمد بن اشعث میدانِ کربلا میں لشکرِ یزید کے نیزہ بازوں کا سالار تھا۔ [۱]

امامتِ امام حسین (علیہ السلام)

۵۰ ہجری میں امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد منصبِ امامت امام حسین (علیہ السلام) کو منتقل ہو گیا جس پر آپ اپنی شہادت تک یعنی ۶۱ ہجری تک فائز رہے۔ شیخ مفیدؒ نے اس سے متعلق بعض احادیث نقل کی ہیں۔ مثلاً ''میرے یہ دو بیٹے حسن و حسین (علیہما السلام) امام ہیں چاہے قیام کریں چاہے بیٹھیں۔ [۲] اسی طرح امام علی (علیہ السلام) نے اپنی شہادت کے وقت امام حسن (علیہ السلام) کی امامت کے بعد امام حسین (علیہ السلام) کی امامت کی تاکید کی ہے۔ [۳] اور امام حسن (علیہ السلام) نے اپنی شہادت کے وقت حضرت محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) کو وصیّت کرتے ہُوئے اپنے بعد حسین (علیہ السلام) کو امام متعارف کیا ہے۔ [۴]

اخلاقِ امام حسین (علیہ السلام)

امام حسین (علیہ السلام) کے بچپن سے لے کر عہدِ شباب تک زمانہ آپ کی عظمت و بزرگی سے واقف اور قائل ہو چکا تھا۔ آپ نہایت زیرک، عالم، فاضل، صابر، شاکر، زاہد، متقی، غیور، شجاع، حلیم، کریم اور عادل تھے۔ آپ دنیائے اسلام کے بڑے بڑے کاموں اور حاجت مندوں کی حاجت روائی میں ہمیشہ نمایاں رہتے تھے۔ جب بھی کسی کو کسی جواد و سخی سے کوئی ضرورت درپیش ہوتی تو اُس کی نگاہیں آپ پر مرکوز ہو جاتیں۔ مکہ و مدینہ کے لوگوں میں آپ کی ہستی خورشیدِ فلک کی مانند تاباں رہتی۔ آپ عصمت و طہارت کا مجسمہ تھے۔ آپ کی عبادت، زُہد، سخاوت اور کمالِ اخلاق کے دوست و دشمن سبھی معترف تھے چنانچہ سب ہی آپ کا احترام کرتے تھے۔ آپ (علیہ السلام) کی بلند مرتبہ شخصیت کا اثر تھا کہ جہاں بھی تشریف لے جاتے لوگ نگاہ

---

[۱] سیّد محمد مہدی مازندارانی، معالی السبطین فی احوال الحسن والحسین علیہم السلام، طبع لکھنو، ج ۱ ص ۶۱، ۶۵

[۲] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲، ص ۳۰

[۳] ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱، ص ۲۹۷

[۴] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۴

ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱، ص ۳۰۱

اٹھا کر بات نہیں کرتے تھے۔ خلفا بھی آپ کی عظمت و بزرگی کے قائل تھے اور آپ کا نام ادب و احترام کے ساتھ لیتے تھے۔ پس، آپ (علیہ السلام) اپنے زمانے کے بے مثل و بے نظیر جوان اور سب کے نزدیک بزرگ اور محترم تھے۔ اگر اُن ایّام میں کوئی یہ کہتا کہ یہی جوان جس کی آج اتنی تعظیم کی جا رہی ہے، کل اپنی اُمّت کے ہاتھوں نہایت بے دردی سے قتل کیا جائے گا تو شاید کوئی بھی یقین نہ کرتا۔ [۱]

پانی کا معاوضہ

امام حسین (علیہ السلام) کے ایک موالی یحییٰ بن سالم موصلی سے روایت ہے کہ ہم امام (علیہ السلام) کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ آپ نے راستے میں ایک گھر کے دروازے پر رُک کر پانی طلب فرمایا۔ گھر کی کنیز پانی لائی تو آپ نے پانی نوش کرنے سے پہلے چاندی کا ایک سکہ اُسے دیا اور فرمایا کہ یہ اپنے مالک کو دے دینا۔ اس کے بعد آپ نے وہ پانی نوش فرمایا۔ [۲]

ضعیفہ کی مہمان نوازی کا بدلہ

ابوجعفر روایت کرتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام)، امام حسن (علیہ السلام) اور حضرت عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہ) سفرِ حج پر گامزن تھے کہ راستے میں کھانے پینے کا سامان گم ہو گیا۔ بھوک پیاس نے غلبہ کیا تو سرِ راہ ایک خیمہ دیکھ کر اُس کی طرف تشریف لے گئے۔ خیمے میں ایک بوڑھی عورت مقیم تھی۔ اُنھوں نے اُس سے پانی مانگا تو وہ کہنے لگی اس گوسفند سے دُودھ نکال کر نوش فرمالیں۔ پس دُودھ نوش فرمایا اور پھر کھانے کے لیے کچھ طلب کیا۔ ضعیفہ نے عرض کی کہ میرے پاس تو اس گوسفند کے علاوہ کچھ نہیں، اِسی کو ذبح کر لیں۔ اُنھوں نے گوسفند کو ذبح کیا اور ضعیفہ نے اُن کے لیے کھانا تیار کر دیا۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد وہ قیلولہ کرنے وہیں خیمے میں لیٹ گئے اور جب سفر پر روانہ ہونے لگے تو ضعیفہ سے فرمایا کہ ہمارا تعلق قریش سے ہے اور ہم حجِّ بیتُ اللہ سے مشرف ہونے جا رہے ہیں۔ حجّ کے بعد جب ہم اپنے وطن مدینہ واپس پہنچ جائیں تو تم ہمارے پاس آنا تاکہ تمھاری مہمان نوازی کا حق ادا کریں۔

اُن کی روانگی کے بعد خاتون کا شوہر آیا تو (اُس کی مہمان نوازی پر) سخت برہم ہُوا اور اُسے مارا پیٹا۔ کچھ دن گزرے تو اذیت و پریشانی سے تنگ آ کر وہ عورت مدینہ طَیبہ کی طرف عازمِ سفر ہوئی۔ جب شہر میں داخل ہوئی تو امام حسن

---

[۱] آیت اللہ العظمیٰ سیّد علی خامنہ ای، (ولادت: ۱۹۳۹ء مشہد مقدس، ایران)، امام حسین (علیہ السلام) دلربائے قلوب، موسسہ فرہنگی قدر ولایت، تہران، نشر ولایت پاکستان، مرکز حفظ و نشر آثار ولایت

[۲] رسول جعفریان، (ولادت: ۱۹۶۴، ایران)، آئمہ اہل بیت (علیہم السلام) فکری و سیاسی زندگی، ص ۱۷۷ بحوالہ ابنِ سعد، ترجمۃ الامام الحسین (علیہ السلام)، ص ۱۴۲

(علیہ السلام) نے اُسے دیکھ لیا۔ امام (علیہ السلام) نے اُس کی خوب خاطر داری کی اور ایک ہزار گوسفند اور ایک ہزار دینار عطا کرنے کے بعد ایک خادِم سے فرمایا کہ اسے حسین (علیہ السلام) کے پاس لے جاؤ۔ امام حسین (علیہ السلام) نے بھی امام حسن (علیہ السلام) کی طرح اُس کی خوب خاطر و مدارات کی اور ایک ہزار گوسفند اور ایک ہزار دینار سے نوازنے کے بعد ایک شخص کے ہمراہ اُسے عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہ) کے پاس روانہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہ) نے بھی اُس کو اتنی مقدار میں گوسفند اور دینار دیئے۔ یوں وہ ایک گوسفند کے بدلے درِ اہل بیت (علیہم السلام) سے تین ہزار گوسفند اور تین ہزار دینار لے کر مالا مال ہوگئ۔ [۱]

فقیروں کی دعوت

ابوبکر بن محمد بن حزم سے روایت ہے کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) ایک چبوترے کے پاس سے گزرے جہاں کچھ فقیر کھانا کھارہے تھے۔ اُنھوں نے آپ کو کھانے کی دعوت دی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ متکبر لوگوں کو پسند نہیں فرماتا، اور اُن کی دعوت قبول کر کے کھانے میں شامل ہوگئے۔ کھانا تناول فرمالینے کے بعد آپ نے اُنھیں کہا تم نے دعوت دی تو میں نے قبول کر لی اب میں تمھیں دعوت دیتا ہوں اور تم بھی قبول کرو۔ چنانچہ آپ (علیہ السلام) اُنھیں اپنے دولت کدے پر لائے اور اُن کی بہترین ضیافت کی۔ [۲] یوں بھی روایت ہے کہ چند مساکین عبا بچھائے بیٹھے ہُوئے خشک روٹی کھارہے تھے۔ امام حسین (علیہ السلام) کا وہاں سے گزر ہُوا تو آپ نے اُنھیں سلام کیا۔ اُنھوں نے سلام کا جواب دے کر عرض کی کہ یابنَ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کھانے میں شرکت فرمایئے۔ آپ (علیہ السلام) گھوڑے سے اُتر کر اُن کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں کھانے میں شامل نہیں ہوسکتا کیوں کہ یہ صدقہ ہے اور صدقہ ہم پر حرام ہے۔ اگر یہ صدقہ نہ ہوتا تو میں بلا تامُّل تمہارے ساتھ شامل ہوجاتا۔ پھر فرمایا کہ اُٹھو اور میرے گھر چلو تاکہ میں تمہاری ضیافت کروں۔ چنانچہ، آپ (علیہ السلام) نے اُنھیں اپنے دولت سرا پر لاکر اُن کی ضیافت کی اور بہت سا مال اور لباس دے کر رخصت کیا۔ [۳]

---

[۱] آیت اللہ سیّد احمد مستنبط تبریزی، (متوفی: ۱۳۹۹ھ، نجف)، فضائل اہل بیت (علیہم السلام)، ج ۲ ص ۴۴۳ بحوالہ: بحارالانوار
محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ھ، حلب، شام)، مناقب، ج ۴ ص ۱۶
علی بن عیسیٰ اربلی، (متوفی: ۶۹۲ھ، بغدار، عراق)، کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ، ج ۱ ص ۵۵۹
عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر ابنِ کثیر، (متوفی: ۷۷۴ھ، دمشق، شام)، البدایہ والنہایہ
ابنِ صباغ علی بن محمد مالکی، (متوفی: ۸۵۵ھ، مغربی یروشلم)، الفصول المھمۃ فی معرفۃ الائمۃ، ص ۱۳۹

[۲] رسول جعفریان، (ولادت: ۱۹۶۴، ایران)، آئمہ اہل بیت علیہم السلام فکری وسیاسی زندگی، ص ۱۷۷
بحوالہ ابنِ سعد، ترجمۃ الامام الحسین (علیہ السلام)، ص ۱۴۲
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۷ تا ۲۸

[۳] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۳۰

سخاوتِ امام حسین (علیہ السلام)

امام حسین (علیہ السلام) جُود و کرم اور عنایت و سخاوت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ آپ کی حتیٰ المقدور کوشش ہوتی تھی کہ سائل کے سوال سے پہلے اُسے عطا کر دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ سوال کرنے والے کی عزتِ نفس کا بہت خیال رکھتے تھے۔ آپ (علیہ السلام) کو اس کا ادراک بدرجۂ اَتم تھا کہ سوالی سوال کرتے وقت ندامت اور بیچارگی کے کن کن کے مراحل سے گزر رہا ہوتا ہے، چنانچہ سائل کو اُن تمام تکلیف دِہ مراحل کے احساس سے بچانے کے لیے آپ (علیہ السلام) اُس کی فوری اعانت فرماتے اور اپنے رویے اور الفاظ سے اُس کی ہر ممکن دِل جوئی کرتے اور احترام کے ساتھ پیش آتے۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک اعرابی مدینہ طَیبَہ میں وارد ہُوا اور لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے بہترین شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ امام حسین (علیہ السلام) سب سے کریم ترین مرد ہیں۔ یہ سُن کر وہ مسجد میں آیا جہاں امام عالی مقام (علیہ السلام) عبادت میں مصروف تھے۔ اُس نے چند شعر آپ کی شان میں کہے۔ آپ نے اپنے خاندانی خدمتگار قنبر سے پوچھا کہ مالِ حجاز سے کچھ بچا ہے؟ قنبر نے عرض کیا کہ چار ہزار طلائی دینار باقی ہیں۔ فرمایا، یہ شخص مجھے بہت مستحق لگتا ہے۔ پھر آپ گھر تشریف لے گئے اور وہ چار ہزار دینار اپنی رِدا میں باندھ کر، دروازے کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر اُس اعرابی کو دیے اور فرمایا کہ میری اس قلیل عطا کو قبول کر۔ میں اس قلت پر معذرت خواہ ہوں اور تم پر شفقت رکھتا ہوں۔ آج کل حالات متغیر ہیں اس لیے میرا ہاتھ تنگ ہے ورنہ تم پر میری عنایت ابرِ کرم کی طرح ہوتی۔ اور مزید فرمایا کہ یہ دینار تیرے سوال اور تیری آبرو کے عوض ہیں اور اس لیے بھی کہ تُو نے ہمارے پاس آنے کی زحمت کی۔ اعرابی آبدیدہ ہوگیا۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا، ''اے اعرابی! گویا میری عطا میں کچھ کمی ہے؟'' اعرابی نے عرض کی، ''نہیں، مگر میں تو اس لیے رو پڑا کہ ایسے سخی ہاتھ خاک میں پنہاں کیسے ہوسکتے ہیں۔''

مروی ہے کہ کسی نے امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں ایک عرضی پیش کی۔ آپ نے درخواست پڑھے بغیر سائل سے فرمایا کہ تردّد نہ کر تیری حاجت روائی کی جائے گی۔ کسی نے کہا کہ آپ نے اس کی درخواست تو پڑھی نہیں؟ فرمایا، ''اگر میں درخواست پڑھنے میں لگ جاتا اور سائل انتظار کرتا رہتا تو خداوند عالم اس پر مجھ سے باز پُرس فرماتا۔'' [1]

شاعر فرزدق پر عنائت

علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں کہ ایک روز فرزدق نامی شاعر امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہُوا اور آپ کی شان

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۹
آیت اللہ شیخ جعفر شوستری، (متوفی: ۱۳۰۳ھ، نجف، عراق)، الخصائص الحسینیہ، ج ۱ ص ۷۶ تا ۷۷

میں چند اشعار کہے۔ آپ (علیہ السلام) نے اُسے چار سو اشرفیاں عطا فرمائیں۔ لوگوں نے کہا کہ جناب وہ شاعر تو فاسق ہے آپ نے اتنی رقم اُس پر کیوں برباد کردی؟ فرمایا کہ تمھارا بہترین مال وہ ہے جس سے تمھاری آبرو کی حفاظت ہو۔ [۱]

بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں پر کرم

روایت ہے کہ شہادت کے بعد امام حسین (علیہ السلام) کی پشتِ اقدس پر بار برداری کے نشانات دیکھ کر لوگ متعجب ہُوئے اور آپ کے فرزند امام سجاد (علیہ السلام) سے اس کا سبب دریافت کیا۔ امام (علیہ السلام) نے فرمایا میرے بابا راتوں کو روٹیاں اور غلہ اپنی پشتِ اطہر پر لاد کر بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں کے گھر پہنچایا کرتے تھے، اور یہ نشانات اسی وجہ سے ہیں۔ [۲]

شہزادے کے معلم کو انعام

منقول ہے کہ امام عالی مقام (علیہ السلام) کے ایک کم سِن فرزند کو عبدالرحمٰن بن سلمہ نے سورۃ الحمد کی تعلیم دی۔ شہزادے نے جب آپ کو سورت سنائی تو آپ بہت خوش ہُوئے اور فرمایا کہ ایک ہزار طلائی دینار اور ایک ہزار دیبا کا حلہ عبدالرحمٰن بن سلمہ کو دو اور اُس کا مُنھ موتیوں سے بھر دو۔ لوگوں نے کہا کہ جناب! اُس کی مزدوری اتنی تو نہیں بنتی جتنی آپ عطا فرما رہے ہیں۔ فرمایا کہ اُس نے میرے فرزند کو جو تعلیم دی ہے یہ اُس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ [۳]

ولید کو بخشش

روایت ہے کہ جن دنوں ولید بن عقبہ مدینہ کا حاکم تھا وہ امام حسین (علیہ السلام) کی زمین پر ناجائز قابض ہوگیا۔ اس مسئلے پر اُس کی امام (علیہ السلام) سے تکرار ہوگئی، اور جب وہ حد سے تجاوز کر گیا تو امام (علیہ السلام) نے اُس کا عمامہ سر سے اُتار کر اس کی گردن میں لپیٹا اور اُسے زمین پر پٹخ دیا۔ مروان، جو وہیں موجود تھا، بولا کہ میں نے آج تک نہیں دیکھا کہ کسی نے حاکمِ وقت کے ساتھ ایسی جرأت کی ہو۔ اُس وقت ولید بولا کہ یہ زمین اِنھیں کی ہے اور حق بھی اِنھیں کی طرف ہے۔ امام (علیہ السلام) نے اُس کی بات سُن کر فرمایا کہ تُو نے اعتراف کرلیا ہے اس لیے اب میں یہ زمین تجھے بخشتا ہوں۔ [۴]

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۸

[۲] آیت اللہ سیّد احمد مستنبط تبریزی، (متوفی: ۱۳۹۹ھ، نجف)، فضائل اہل بیت (علیہم السلام)، ج ۱ ص ۲۹۰

آیت اللہ شیخ جعفر شوستری، (متوفی: ۱۳۰۳ھ، نجف، عراق)، الخصائص الحسینیہ، ج ۱ ص ۸۰؛ باقر مجلسی، بحارالانوار، حصّہ اوّل، ص ۳۰

[۳] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۳۰

آیت اللہ شیخ جعفر شوستری، (متوفی: ۱۳۰۳ھ، نجف، عراق)، الخصائص الحسینیہ، ج ۱ ص ۴۷

[۴] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۳۱

کنیز کی آزادی

مروی ہے کہ ایک کنیز نے امام حسین (علیہ السلام) کو ایک پھول، اور بروایتے گلدستہ پیش کیا۔ آپ نے اُسی وقت اُسے آزاد کردیا۔ کسی نے پوچھا کہ آپ نے محض ایک گلدستے کے عوض کنیز کو آزاد کردیا؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ جب کوئی تمھیں تحفہ پیش کرے تو اُسے اُس سے بہتر تحفہ دو یا پھر اُسی کو لوٹا دو۔ ''وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾'' (اور جب تم لوگوں کو کوئی تحفہ (سلام) پیش کیا جائے تو اس سے بہتر یا کم سے کم ویسا ہی واپس کرو کہ بیشک اللہ ہر شے کا حساب کرنے والا ہے۔ سورۃ النساء، آیت: ٨٦) [١]

غلام کی آزادی

منقول ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) کے ایک ملازم نے کوئی قابلِ سزا خیانت کردی۔ غلام نے آپ کی خدمت میں عرض کی، ''وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ'' (اور وہ غصے کو پی جانے والے ہیں)۔ [٢] امام عالی مقام (علیہ السلام) نے فرمایا، ''میں تجھ سے دستبردار ہُوا (میں نے غصہ ترک کردیا)۔'' غلام نے اسی آیت کا اگلا حصّہ پڑھا، ''وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ'' (اور وہ لوگوں کے قصور معاف کردیتے ہیں)۔ امام (علیہ السلام) نے فرمایا، ''میں نے تجھے معاف کیا۔'' اُس نے آیت کا آخری حصّہ بھی تلاوت کیا، ''وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ'' (اور اللہ بھلائی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔ کریم ابنِ کریم نے فرمایا، ''میں تجھے راہِ خدا میں آزاد کرتا ہوں، اور جو کچھ تجھے دیا کرتا تھا اُس سے دوگنا (آئندہ کے لیے) مقرر کرتا ہوں۔'' [٣]

یہودی کے غلام کی آزادی

روایت ہے کہ ایک یہودی کا غلام ایک کتے کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ امام حسین (علیہ السلام) کا اُدھر سے گزر ہُوا تو وہ منظر دیکھ کر پریشان ہوگئے اور غلام سے اس کا سبب پوچھا۔ اُس نے عرض کی کہ میں ایک یہودی کا غلام ہوں اور اُس سے نجات چاہتا ہوں۔ آج بہت پریشان اور بیقرار تھا تو سوچا اس کتے کو خوش کروں کہ شاید اس کی خوشی کے سبب مجھے خوشی مل جائے۔ غلام کی بات سُن کر امام (علیہ السلام) کا دِل بھر آیا، اور آپ اُس کے آقا کے پاس تشریف لے گئے۔ اُسے دو سو طلائی

---

[١] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ١١١٠ھ)، بحارالانوار، ج ١٠ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ٣٦
رسول جعفریان، (ولادت: ١٩٦٤ء، ایران)، آئمہ اہل بیت (علیہم السلام) کی فکری وسیاسی زندگی، ص ١٨٢
بحوالہ: (ابی سعد منصور بن حسین الابی)، نثر الدر، ج ١ ص ٣٣٥

[٢] سورۃ آلِ عمران، آیت: ١٣٤

[٣] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ١١١٠ھ)، بحارالانوار، ج ١٠ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ٣٦

دینار دیے اور فرمایا کہ ان کے بدلے تم اپنا غلام میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ یہودی نے عرض کی کہ میں اپنے غلام کو آپ کے اُن قدموں پر نثار کرتا ہوں جن سے چل کر آپ میرے ہاں تشریف لائے۔ آپ کا مال بھی آپ کو واپس کرتا ہوں اور اس کے علاوہ اپنا ایک باغ بھی غلام کو دیتا ہوں۔ امام (علیہ السلام) نے فرمایا، ''اپنا مال تو میں نے تجھے بخش دیا ہے (لہٰذا واپس نہیں لوں گا)۔'' پس، یہودی نے حسبِ حکم، غلام کو آپ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور آپ (علیہ السلام) نے اُسی وقت اُس کو آزاد کر دیا۔ [۱]

محمد و آلِ محمد (علیہم السلام) کے نزدیک کنیز اور غلام کا تصور

اگر چہ ابتدائے اسلام میں کنیز اور غلام رکھنے کی ممانعت نہیں تھی تاہم محمد و آل محمد (علیہم السلام) کے نزدیک ان کا تصور وہ نہیں تھا جو عام لوگوں کے ہاں پایا جاتا تھا؛ یعنی ان کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو، اور جیسے چاہو ان کا استحصال کرو، سب جائز ہے۔ محمد و آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاں کنیز اور غلام کی حیثیت افرادِ خانہ کی طرح تھی اور اُنھیں وہی مقام حاصل تھا جو گھر کے ایک فرد یا کسی معزز شخص کو حاصل ہوتا ہے۔ پس، نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''اپنے غلاموں کو وہی چیز کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو، اور اُنہیں وہی لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ میں اُسے دُنیا کا سامان دے دوں یہ میرے لیے اس سے زیادہ آسان ہے کہ وہ قیامت کے دن میری نیکیاں لے لے (یعنی دُنیا میں اُنھیں آسودہ حال رکھو ورنہ آخرت میں تمھاری نیکیاں اُنھیں دے دی جائیں گی)۔'' [۲] روایت ہے کہ مدینہ طیبہ کی کنیزوں میں سے کوئی حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ہاتھ پکڑ کر (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کسی کام یا مسئلہ کے حل کے لیے) کہیں لے جانا چاہتی تو لے جا سکتی تھی۔'' [۳]

حضرت ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''تمھارے غلام بھی تمھارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمھارے ماتحت کیا ہے، اس لیے جو تم خود کھاتے ہو اُنہیں بھی وہی کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو اُنہیں بھی وہی پہناؤ۔ اُنہیں اُن کی طاقت سے بڑھ کر کسی کام میں تکلیف نہ دو؛ اور اگر ایسا کوئی کام اُن کے ذمہ لگاؤ تو اُس میں خود بھی

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۳۵

[۲] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۳۷
ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۴۴۶
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۱۳۷
ابوالحسن مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، اثبات الوصیۃ، ص ۱۸۱
جار اللہ محمود بن عمر زمخشری، (متوفی: ۴۶۷ھ، کہنہ گرگانج، ترکمانستان)، ربیع الابرار، ج ۱ ص ۴۰۲
حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۴ ص ۳۸۶

[۳] محمد بن اسماعیل بخاری، (متوفی: ۲۵۶ھ، ازبکستان)، صحیح بخاری، کتاب الادب، ۵ / ۲۲۵۵
ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، (متوفی: ۲۴۱ھ، عراق)، مسند احمد، ۳ / ۹۸

اُن کی مدد کرو۔" [۱] عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ایک شخص بارگاہِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضر ہُوا اور عرض کی، "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں اپنے خادِم کو کتنی بار معاف کروں؟ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خاموش رہے۔ اُس نے پھر عرض کی، "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں اپنے خادِم کو کتنی بار معاف کروں؟" آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، "ہر روز ستر مرتبہ۔" [۲]

روایت ہے کہ حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ تین آدمیوں کے لیے دوہرا ثواب ہے، وہ اہلِ کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لائے اور حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بھی ایمان لائے۔ وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق بجالائے اور اپنے آقا کے حقوق بھی پورے کرے اور وہ شخص جس کے پاس کنیز ہو اور وہ اُسے بہترین آداب سکھائے، بہترین تعلیم دے، اور پھر اُسے آزاد کر کے اُس سے نکاح کر لے۔ [۳]

حضرت ابو مسعود بدری بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام کو چابک سے مار رہا تھا کہ میں نے عقب سے ایک آواز سنی، "اے ابو مسعود! جان لو!" میں غصے کی وجہ سے اُس آواز کو پہچان نہ سکا۔ جب آواز دینے والے میرے قریب ہُوئے تو میں نے پہچانا کہ وہ حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھے اور فرما رہے تھے، "اے ابو مسعود! جان لو، اے ابو مسعود! جان لو۔" ابو مسعود بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے کوڑا اچھینک دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، "اے ابو مسعود! جان لو کہ جتنا تم

---

[۱] علامہ محمد الرّی شھری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج۱ ص۲۳۷
ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج۱ ص۴۴۶
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج۲ ص۱۳۷
ابوالحسن مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، اثبات الوصیۃ، ص۱۸۱
جار اللہ محمود بن عمر زمخشری، (متوفی: ۴۶۷ھ، کہنہ گرگانج، ترکمانستان)، ربیع الابرار، ج۱ ص۴۰۲
حافظ ابو عبد اللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج۴ ص۳۸۶

[۲] ابو عیسیٰ محمد ترمذی، (۲۷۹ھ)، جامع ترمذی، سنن، ۴/۳۳۶؛ ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل، (متوفی: ۲۴۱ھ، عراق)، مسند احمد، مسند، ۲/۱۱۱
ابو داؤد سلیمان بن اشعث، (متوفی: ۲۷۵ھ، بصرہ)، سنن ابو داؤد، ۴/۳۴۱
ابو یعلیٰ الموصلی، (متوفی: ۹۲۰ء، موصل، عراق)، مسند، ۱۰/۱۳۳؛ حافظ المنذری، (متوفی: ۶۵۶ھ، مصر)، ترغیب والترہیب، ۲/۱۵۱

[۳] علامہ محمد الرّی شھری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج۱ ص۲۳۷
ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج۱ ص۴۴۶
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج۲ ص۱۳۷
ابوالحسن مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، اثبات الوصیۃ، ص۱۸۱
جار اللہ محمود بن عمر زمخشری، (متوفی: ۴۶۷ھ، کہنہ گرگانج، ترکمانستان)، ربیع الابرار، ج۱ ص۴۰۲
حافظ ابو عبد اللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج۴ ص۳۸۶

اِس غلام پر قادر ہو اللہ تعالیٰ تم پر اُس سے زیادہ قادر ہے۔" ابو مسعود نے عرض کی، "میں آئندہ کسی غلام کو کبھی نہیں ماروں گا۔" اِس حدیث کو مسلم، ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ ابو مسعود نے کہا، میں عرض گزار ہُوا، "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! یہ (غلام) اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرتے تو تمھیں آگ چمٹ جاتی۔"[۱]

قرض دار کی مدد

روایت ہے کہ امام حسین (علیہ السّلام) اُسامہ بن زید کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اُس کا آخری وقت تھا، اُس نے آپ کو دیکھ کر آہ بھری، اور کہا، "میں بہت غمگین ہوں۔ آپ نے پوچھا، "تمھارے غم کا سبب کیا ہے؟" اُسامہ نے عرض کی، "میں ساٹھ ہزار درہم کا مقروض ہوں۔" فرمایا، "میں تیرے قرض کی ادائیگی کا ذمہ لیتا ہوں۔" اُس نے کہا، "میں چاہتا ہوں کہ مقروض حالت میں دُنیا سے نہ جاؤں۔" چنانچہ آپ (علیہ السّلام) نے اُسی وقت اُس کا قرض ادا کر دیا۔[۲]

بھائی کے ساتھ صلہ رَحمی

روایت ہے کہ ایک دفعہ امام حسین (علیہ السّلام) اور اُن کے بھائی محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) کے درمیان کچھ خفگی ہوگئی۔ حضرت محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) نے آپ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ میرے اور آپ کے والد بزرگوار علی (علیہ السّلام) ہیں، اس نسبت سے میں آپ کے برابر ہوں لیکن آپ کی مادرِ گرامی فاطمہ زہرا (علیہا السّلام) دُخترِ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں۔ اگر تمام زمین سونے سے بھر جائے اور میری والدہ اُس کی مالک ہوں تو تب بھی آپ کی والدہ کے مقام و مرتبے تک نہیں پہنچ سکتیں۔ پس جب آپ میرا خط پڑھیں تو مجھ تک قدم رَنجہ فرمائیں اور اپنی تشریف آوری سے میرے دل کو شاد کریں کیونکہ آپ احسان و کرم کرنے میں مجھ سے اَولیٰ اور برتر ہیں، والسّلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ امام حسین (علیہ السّلام) نے جونہی اُن کا خط پڑھا اُن کے گھر تشریف لے گئے اور اُس دن کے بعد کبھی کوئی رنجش باہم پیدا نہیں ہونے دی۔[۳]

---

[۱] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السّلام)، ج ۱ ص ۲۳۷
ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۴۶۴
شیخ مفیدؒ، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۱۳۷؛ ابو الحسن مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، اثبات الوصیۃ، ص ۱۸۱
جار اللہ محمود بن عمر زمخشری، (متوفی: ۴۶۷ھ، کہنہ گرگانج، ترکمانستان)، ربیع الابرار، ج ۱ ص ۴۰۲
شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق، شام)، سیر اعلام النبلا، ج ۴ ص ۳۸۶
[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصہّ اوّل ص ۲۸
[۳] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصہّ اوّل ص ۳۱

حج اور سواری کے جانور

علامہ باقر مجلسیؒ، ابنِ بطہ عکبری کی کتاب الابانہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) نے پچیس حج پا پیادہ کیے۔ [1] حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ آپ حج پر تشریف لے جاتے تو خود پیدل چلتے، اور سواری کے جانور آپ کے پیچھے پیچھے چلا کرتے۔ [2] اس روایت کے سطحی مطالعے پر تعجب ہوسکتا ہے کہ اگر پیدل تشریف لے جا رہے ہیں تو سواری کے جانور پیچھے پیچھے لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر گہرائی سے جانچا جائے تو کئی توجیہات پیش کی جاسکتی ہیں، مثلاً جانوروں کو صرف بار برداری کے لیے استعمال کر رہے تھے سواری کے لیے نہیں، یا اُن میں بار برداری کے علاوہ قربانی کے جانور یعنی اُونٹ وغیرہ بھی ہوتے تھے۔

چند معجزاتِ امام (علیہ السلام)

امام حسین (علیہ السلام) کی حیاتِ طیبہ معجزات و کرامات سے بھری پڑی ہے۔ قبل از ولادت تا حال آپ (علیہ السلام) کے معجزات کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے اس لیے یہاں صرف چند ایک پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

امام (علیہ السلام) کے لعابِ دہن کی برکت

علامہ باقر مجلسیؒ، صالح بن میثم اسدی کی کتاب بصائر الدرجات سے نقل کرتے ہیں کہ ایک صالح اور عبادت گذار خاتون اکثر امام حسین (علیہ السلام) کی زیارت کے لیے جایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑ گئی اور اُس کی پیشانی پر دونوں آنکھوں کے درمیان ایک بدنما سفید داغ اُبھر آیا جس کی وجہ سے اُس نے گھر سے نکلنا ترک کر دیا چنانچہ زیارتِ امام حسین (علیہ السلام) بھی موقوف ہوگئی۔ امام حسین (علیہ السلام) کو اُس کے بارے میں معلوم ہُوا تو اُس کی عیادت کے لیے اُس کے گھر تشریف لے گئے اور اپنا لعابِ دہن اُس داغ پر لگایا جس کی برکت سے وہ اُسی وقت شفایاب ہوگئی اور وہ داغ جاتا رہا۔ [3]

دُعائے امام (علیہ السلام) سے مرحومہ زندہ ہوگئی

باقر مجلسیؒ، بحار الانوار میں لکھتے ہیں کہ قطب راوندی نے کتاب خزائج میں ابو خالد کابلی سے اور اُس نے یحییٰ بن اُمّ

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۳۳

[2] رسول جعفریان، (ولادت: ۱۹۶۴، ایران)، آئمہ اہل بیت (علیہم السلام) کی فکری و سیاسی زندگی، ص ۱۷۷

بحوالہ: ابن سعد، ترجمۃ الامام الحسین (علیہ السلام)، ص ۱۴۹

[3] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۵ تا ۱۶

طویل سے روایت کی ہے کہ ایک جوان روتا ہُوا امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کی کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے، اُس نے وراثت میں مالِ کثیر چھوڑا ہے لیکن وَصِیَّت کرنے کی بجائے صرف یہ کہا کہ پہلے میری موت کی خبر امام حسین (علیہ السلام) کو دینا بعد میں تجہیز و تکفین کرنا۔ امام حسین (علیہ السلام) اُس کی بات سُن کر اُس کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں پہنچ کر بارگاہِ الٰہی میں دُعا فرمائی کہ خدایا! اس مرحومہ کو زندہ کر دے تاکہ وَصِیَّت کرے۔ آپ (علیہ السلام) کی دُعا سے مرحومہ اُٹھ کر بیٹھ گئی، کلمۂ شہادت پڑھا اور عرض کی کہ مولیٰ! حکم دیجئے تاکہ تعمیل کروں۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ خدا تجھ پر رحم کرے اپنی وَصِیَّت بیان کر۔ چنانچہ اُس نے اپنے مال سے متعلق وَصِیَّت کی اور امام (علیہ السلام) کی خدمت میں درخواست کی کہ میری نمازِ جنازہ آپ ہی پڑھوائیے گا اور تجہیز و تکفین بھی خود کروائیے گا۔ اس کے بعد وہ دوبارہ فوت ہو گئی۔ [1]

اعرابی کا امتحان

حضرت امام سجاد (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ ایک اعرابی معجزاتِ امام حسین (علیہ السلام) کا چرچا سُن کر امتحان لینے کے ارادے سے امام (علیہ السلام) کی بارگاہ میں، حالتِ جَنابت میں حاضر ہو گیا۔ امام (علیہ السلام) نے اُسے دیکھتے ہی فرمایا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ تُو جُنُب ہو کر آیا ہے۔ اعرابی نے عرض کی کہ یا بنَ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں اپنی مراد کو پہنچا، میرا مقصد پُورا ہُوا، اور آپ کا اعجاز اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اُس نے جا کر غسل کیا اور دوبارہ آپ (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضری دی۔ [2]

قاتلوں کی شناخت

امام سجاد (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) اپنے خدمتگاروں کو کسی مقصد کے لیے کہیں بھیجتے تو ارشاد فرماتے کہ فُلاں دن جانا اور فُلاں دن مت جانا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کے خدمتگاروں نے آپ (علیہ السلام) کے منع کرنے کے باوجود سفر کیا اور راستے میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں لُٹ کر قتل ہو گئے۔ امام حسین (علیہ السلام) کو خبر ہوئی تو مدینہ کے حاکم کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں تمہیں اُن راہزنوں کے نام بتاتا ہوں، تم اُنھیں گرفتار کر کے سزا دو۔ حاکم نے حیرت سے عرض کی کہ کیا آپ (علیہ السلام) اُنھیں پہچانتے ہیں؟ حضرت (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں اُنھیں ایسے ہی پہچانتا ہوں جیسے تمھیں پہچانتا ہوں۔ یہ فرما کر آپ (علیہ السلام) نے اُس کے پاس کھڑے ہُوئے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ یہ شخص بھی اُنھیں میں سے ایک ہے۔ وہ شخص بولا کہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں اُن میں سے ایک ہوں؟ امام (علیہ السلام) نے فرمایا کہ جب تُو راہزنی کے ارادے سے نکلا تھا تو فُلاں فُلاں لوگ بھی تمہارے ساتھ تھے۔ حاکم نے تفتیش کی تو وہ شخص مان گیا چنانچہ تمام مجرموں کو بلا

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۸

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۸

کر سزا سنادی گئی۔ [1]

مشورہ

مذکور ہے کہ ایک مالدار شخص امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہُوا اور ایک امیر عورت سے نکاح کرنے کے بارے میں مشورہ مانگا۔ آپ (علیہ السلام) نے اُسے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ اُس شخص نے آپ (علیہ السلام) کا مشورہ نہ مانا اور اُس عورت سے نکاح کرلیا اور چند ہی روز میں سب مال و متاع گنوا کر مفلس و بدحال ہوگیا۔ پس، راہنمائی لینے کے لیے دوبارہ آپ (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں نے تمھیں اُس عورت سے نکاح کرنے سے منع کیا تھا لیکن تم نے بات نہیں مانی، پس اُسے طلاق دے کر فلاں عورت سے نکاح کرلو۔ اس مرتبہ اُس شخص نے آپ کے حکم پر عمل کیا اور چند ہی ماہ میں کافی مالدار، خوشحال اور صاحبِ اولاد ہوگیا۔ [2]

بیمار کی عیادت

محمد باقر مجلسیؒ، ابن شہر آشوب کی کتاب مناقب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام حسین (علیہ السلام) ایک بیمار کی عیادت کے لیے اُس کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ شخص شدید بُخار میں مبتلا تھا۔ آپ (علیہ السلام) نے جونہی اُس کے گھر میں قدم رکھا، آپ کے قدموں کی برکت سے اُس کا بُخار جاتا رہا۔ اُس شخص نے بصد عقیدت و احترام عرض کی کہ یا ابن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! حق تعالیٰ نے جو فضل و شرف آپ کے خاندان کو عطا فرمایا ہے میں دل و جان سے اُس کا معتقد ہوں اور یہ تو ایک ادنیٰ سا معجزہ ہے جو آپ (علیہ السلام) کے قدموں کی برکت سے میرا بُخار زائل ہوگیا ہے۔ امام عالی مقام (علیہ السلام) نے فرمایا کہ بخدا، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ایسی کوئی چیز خلق نہیں فرمائی جسے ہماری اطاعت کا حکم نہ دیا ہو۔ [3]

شیر خوار بچے کی گواہی

حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ ایک عورت اور اُس کے شیر خوار بچے کے دو اشخاص دعویدار تھے۔ ہر ایک کہتا تھا کہ یہ عورت اُس کی بیوی اور بچہ اُس کا بیٹا ہے۔ امام حسین (علیہ السلام) نے عورت سے پوچھا تو اُس نے اُن میں سے ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے کہا کہ یہ میرا شوہر اور میرے بچے کا باپ ہے۔ امام عالی مقام (علیہ السلام)

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۱۸ تا ۱۹

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۱۹

[3] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۰

شیر خوار بچے سے مخاطب ہُوئے اور فرمایا کہ اے طفل! بحکمِ خدا تُو بیان کر کہ تیری ماں سچ کہتی ہے یا نہیں۔ وہ بچہ حضرت (علیہ السلام) کے اعجاز سے بول پڑا اور اُس نے کہا کہ وہ اُن دونوں میں سے کسی کا بیٹا نہیں۔ بلکہ فُلاں قبیلے کا فُلاں شخص جو کہ ایک چرواہا ہے، اُس کا باپ ہے۔ امام حسین (علیہ السلام) نے بچے کی گواہی پر حد جاری فرما دی۔''[1]

سیاہ فام غلام کے لیے دُعا

حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ ایک سال حضرت امام حسین (علیہ السلام) حج پر تشریف لے گئے تو پیدل چلنے کی وجہ سے پاؤں پر وَرم آ گیا۔ اصحاب نے عرض کی کہ آپ سوار ہو جایئے تا کہ سوجن کم ہو جائے۔ فرمایا منزل کے قریب ہمیں ایک حبشی غلام ملے گا۔ اُس کے پاس ایک تیل ہو گا جو اس وَرم کے لیے بہت مفید ہے۔ مُنہ مانگی قیمت ادا کر کے لے لینا۔ ایک خدمتگار نے تعجب سے کہا کہ جناب اس راہ میں کوئی روغن فروش نہیں۔ فرمایا، عنقریب وہ آئے گا۔ پس کچھ دُور جانے کے بعد ایک سیاہ فام غلام نمودار ہُوا۔ حضرت (علیہ السلام) نے اپنے خدمتگار سے فرمایا کہ جاؤ، اُس سے روغن خرید لو۔ تیل بیچنے والے کو جب معلوم ہُوا کہ خریدار امام حسین (علیہ السلام) ہیں تو اُس نے قیمت لینے سے انکار کر دیا اور آپ (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مولا! میں آپ سے محبت کرنے والا ہوں اس لیے قیمت کی بجائے آپ کی دُعا لوں گا۔ میری بیوی کے ہاں ولادت متوقع ہے، آپ دُعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ مجھے صحیح الخلقت بیٹا عطا فرمائے جو اہلِ بیت (علیہم السلام) کا دوست دار ہو۔ امام (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اپنے گھر جاؤ، حق تعالیٰ نے تجھے صحیح الخلقت فرزند عطا فرما دیا ہے۔ یہ سنتے ہی حبشی اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا اور جا کر دیکھا کہ اللہ نے امام (علیہ السلام) کی دُعا سے اُسے ایک مکمل اور بے عیب بیٹا عطا فرمایا ہے۔ وہ فوراً امام (علیہ السلام) کی خدمت میں پلٹا اور دعائے خیر دے کر عرض کی کہ اے فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا تھا ویسا ہی ہُوا۔ بعد ازاں امام (علیہ السلام) نے وہ روغن اپنے پائے مبارک پر لگایا تو ورم جاتا رہا۔ (بعض منابع میں یہ روایت حضرت امام حسن علیہ السلام سے بھی منسوب ہے۔)[2]

بارش کے لیے دُعا

علامہ باقر مجلسیؒ نے کتاب عیون المعجزات سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) نے اپنے والد گرامی حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام) سے، اور اُنھوں نے اپنے والد گرامی حضرت امام زین العابدین (علیہ السلام) سے روایت کی ہے کہ امیر المومنین امام علی (علیہ السلام) کی خدمت میں اہلِ کوفہ حاضر ہُوئے اور کمی باراں کی شکایت کرتے ہُوئے درخواست کی کہ یا

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۲

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۴

مولا! آپ ہمارے حق میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے طلبِ باراں کیجئے۔ امیرالمومنین (علیہ السلام) نے حضرت امام حسین (علیہ السلام) سے فرمایا کہ دُعا کریں۔ چنانچہ امام حسین (علیہ السلام) نے دُعا فرمائی اور ابھی دُعا ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ یکا یک بارش شروع ہوگئی، اور ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ ایک اعرابی نواحی کوفہ سے خبر لایا کہ گھاٹیاں اور تالاب پانی سے بھر گئے ہیں۔ [1]

عبادتِ امام اور خشیتِ الٰہی

امام عالی مقام امام حسین (علیہ السلام) جیسی عابد وزاہد ہستی شاید ہی چشمِ فلک نے دیکھی ہو۔ آپ دُنیا میں تشریف لانے سے قبل، بطن مادرِ گرامی میں مصروفِ عبادتِ پروردگار رہے اور دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی۔ حضرت سیّدۃ النساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہرا (علیہا السلام) فرماتی ہیں کہ مجھے اپنے بطن سے حسین (علیہ السلام) کی تسبیح الٰہی کرنے کی صدائیں سنائی دیا کرتی تھیں۔ اور روایت ہے کہ شہادت کے بعد جب آپ (علیہ السلام) کے سرِ اقدس کو نوکِ نیزہ پر چڑھایا گیا تو کٹے ہُوئے سر سے قرآن مجید کی تلاوت کی آواز آتی تھی۔ [2] امام حسین (علیہ السلام) کی عبادات میں اخلاص اور عشقِ الٰہی کے ساتھ ساتھ خشیتِ الٰہی کا یہ عالم تھا کہ جب وضو کرتے تو چہرۂ اقدس مُتغیّر ہوجاتا، اور جسم پر کپکپی طاری ہوجاتی۔ آپ (علیہ السلام) سے اس کیفیت سے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا، ''قیامت کے دن عذابِ الٰہی سے وہی امان پائے گا جو دُنیا میں اللہ سے ڈرتا ہوگا۔'' یوں بھی روایت ہے کہ کسی نے امام حسین (علیہ السلام) سے سوال کیا کہ آپ اللہ سے اتنا کیوں ڈرتے ہیں؟ آپ (علیہ السلام) نے ارشاد فرمایا کہ روزِ قیامت عذابِ خدا سے صرف اُنھیں کو امان ملے گی جو دُنیا میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے خوف زدہ ہوں گے۔ [3]

حضرت امام زین العابدین (علیہ السلام) سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کے والد گرامی کی اولاد کم کیوں ہے؟ فرمایا کہ وہ کیسے کثیر اولاد والے ہوسکتے تھے جبکہ ہر رات ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ [4] ہر رات ایک ہزار رکعت نماز پڑھنے سے متعلق ذہن میں گمان پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہزار رکعت ایک شب میں پڑھنا کیسے ممکن ہے؟ جبکہ ایک منٹ میں ایک رکعت کا حساب بھی لگائیں تو ایک ہزار منٹ یعنی تقریباً سترہ گھنٹے بنتے ہیں جب کہ رات اتنی طویل تو نہیں ہوتی۔ اس کا استدلال یہ ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اپنے خاص بندوں کو جو فضیلتیں اور خصوصیات اُس نے عطا کر رکھی ہیں یہ خصوصیت بھی اُنھیں میں سے ایک ہوسکتی ہے۔ اور اگر کسی کا ذہن قادرِ مطلق کی اس عنایت کو نہیں مانتا تو پھر دوسری توجیہہ یہ ہے کہ ''ہزار'' یا ''لاکھ'' کے الفاظ بہت بڑی تعداد کو ظاہر کرنے کے لیے مجازاً یا محاورتاً بھی استعمال ہوتے ہیں، جیسے ''لاکھوں میں ایک''، ''ہزار طرح

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۵

[2] آیت اللہ شیخ جعفر شوستری، (متوفی: ۱۳۰۳ھ، نجف، عراق)، الخصائص الحسینیہ، ج ۱ ص ۴۷

[3] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۳۳

[4] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۳۷

سے''، ''ہزار بار''، وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ ہزار رکعت سے مراد بہت بڑی تعداد بھی ہوسکتی ہے۔ (مؤلف)

ہم وارثِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں

اصبغ بن نباتہ سے روایت ہے کہ میں نے امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوکر سوال کیا کہ مجھے ایک ایسے راز سے متعلق بتایئے جس پر مجھے یقین ہے اور اُس کے حامل آپ ہیں۔ حضرت (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے اصبغ! تُو دیکھنا چاہتا ہے کہ مسجدِ قبا میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فُلاں شخص سے کیسے خطاب فرمایا؟ میں نے عرض کی کہ جی ہاں یابنَ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں یہی چاہتا ہوں۔ حضرت (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اُٹھ کھڑا ہوجا۔ میں اور آپ (علیہ السلام) اُس وقت کوفہ میں تھے، میں پلک جھپکنے نہ پایا تھا کہ خود کو حضرت (علیہ السلام) کے ساتھ مسجدِ قبا میں پایا۔ امام (علیہ السلام) نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ اے اصبغ! حق تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے لیے مسخر کیا تھا لیکن وہ ایک پہر میں ایک مہینے کا سفر طے کرتے تھے جب کہ حق تعالیٰ نے ہمیں اس سے زیادہ قدرت عطا فرمائی ہے۔ میں نے عرض کی کہ اے فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بخدا آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ وہ ہم ہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا علم عطا فرمایا ہے اور جو کچھ کتابِ الٰہی میں ہے وہ سب ہم خوب اچھی طرح جانتے ہیں اور خلقِ خدا میں کسی کے پاس وہ نہیں ہے جو کچھ ہمارے پاس ہے، پس یہی وجہ ہے کہ ہم قدرت کے تمام اسرار و رُموز سے بخوبی واقف ہیں اور ہم آلِ خدا اور وارثِ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ اس کے بعد آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے اصبغ! مسجد میں داخل ہوجاؤ۔ جب میں اندر گیا تو دیکھا کہ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی ردائے پاک لپیٹے ہُوئے تشریف فرما ہیں اور جناب امیرالمومنین علی (علیہ السلام) ایک شخص کا گریبان پکڑے ہُوئے موجود ہیں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُس شخص سے فرمایا کہ تُو نے اور تیرے ساتھیوں نے میرے اہل بیت (علیہم السلام) کے حق میں بہت بُرائی کی ہے، اور تم پر تاابد نفرینِ خدا اور رسول ہو۔ [1]

ازواجِ حسین (علیہ السلام)

کتبِ تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے پانچ خواتین کے ساتھ عقد فرمایا، [2] لیکن عمیق مطالعے سے ان ازواج کے ناموں میں تاریخی مغالطوں اور کتابت کی غلطیوں کی نشاندہی بھی ہوتی ہے تاہم کتب میں مرقوم ہر ایک معظّمہ کے مختصر حالات مندرجہ ذیل ہیں:

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۲ تا ۲۳

[2] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۳۷

ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۶ ص ۴۷۳

حضرت شہر بانو (علیہا السلام):

امام عالی مقام (علیہ السلام) کی زوجہ معظّمہ حضرت شہر بانو (علیہا السلام) کے تیئیس (۲۳) نام تاریخ میں رقم ہیں جو مغالطے کا سبب بنتے ہیں۔ مثلاً شہربان/شہربانو/شہربانویہ، شاہِ زنان/شہِ زنان، غزالہ، سلامہ، سلافہ، جہان بانویہ، جہان شاہ، حُلوَة، برّۃ، سندیۃ، حرار، جیّدہ/جیّدا، خولہ، سارہ، فاطمہ، مریم اور سیّدۃ النساء۔ ان ناموں میں بعض کا مرجع ایک ہی نام ہے جو لہجوں کے اختلاف کی وجہ سے تلفُّظ میں بھی مختلف ہوگیا ہے، اور بعض اسما کا اختلاف تصحیف یا تخفیف پر مبنی ہے۔ لیکن آپ کا نام شہربانو حضرت امام علی (علیہ السلام) نے اور بقولے امام حسین (علیہ السلام) نے خود تجویز کیا تھا چنانچہ زیادہ تر مصادر میں یہی مذکور ہے۔

حضرت شہربانو (علیہا السلام)، ایران کے بادشاہ یزدجرد ساسانی کی بیٹی اور چوتھے امام حضرت زین العابدین (علیہ السلام) کی والدہ ماجدہ تھیں۔ [۱] ابنِ شہر آشوب نے لکھا ہے کہ آپ شہزادہ علی اصغر (علیہ السلام) کی والدہ تھیں۔ اور بقولے آپ حضرت اُمّ زینب اور حضرت اُمّ کلثوم (علیہا السلام) کی والدہ بھی تھیں جو اپنے بچپن میں وفات پاگئی تھیں۔ [۲]

حضرت لیلیٰ (علیہا السلام):

حضرت لیلیٰ (علیہا السلام) امام عالی مقام (علیہ السلام) کی دوسری زوجہ، اور حضرت علی اکبر (علیہ السلام) کی والدہ ماجدہ تھیں۔ آپ آمنہ، برّہ اور مرّہ کے اسمائے گرامی سے بھی موسوم ہیں۔ آپ کے والد ابومرۃ بن عروہ بن مسعود ثقفی (رضی اللہ عنہ) معروف اور بزرگ صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھے۔ آپ کی والدہ کا نام میمونہ بنتِ ابوسفیان تھا جن کا تعلق بنواُمیّہ سے تھا۔ اُنھیں کی نسبت سے عاشورہ کے دن اُمویوں نے حضرت علی اکبر (علیہ السلام) کے لیے امان نامہ پیش کیا لیکن حضرت علی اکبر (علیہ السلام) نے اُسے ٹھکرادیا تھا۔ [۳]

---

[۱] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۳۷؛ کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۴۶۶
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۳ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۱۳۷؛ ابوالحسن مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، اثبات الوصیۃ ص ۱۸۱
جاراللہ محمود بن عمر زمخشری، (متوفی: ۴۶۷ھ، کہنہ گرگانج، ترکمانستان)، ربیع الابرار، ج ۱ ص ۴۰۲
حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۴ ص ۳۸۶
[۲] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۳۷ بحوالہ راجع ص ۲۲۵
[۳] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۳۷؛ کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۴۶۶
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۳ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۱۳۷؛ ابوالحسن مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، اثبات الوصیۃ ص ۱۸۱
جاراللہ محمود بن عمر زمخشری، (متوفی: ۴۶۷ھ، کہنہ گرگانج، ترکمانستان)، ربیع الابرار، ج ۱ ص ۴۰۲
حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۴ ص ۳۸۶

حضرت رباب (علیہا السّلام):

امام حسین (علیہ السّلام) کی زوجہ، حضرت رباب (علیہا السّلام) بھی حضرت شہر بانو (علیہا السّلام) کی طرح حسن و جمال کا پیکر اور علم وفضل میں اپنی مثال آپ تھیں۔ آپ کے والد کا نام امرؤ القیس بن عدی تھا۔ آپ حضرت سکینہ (علیہا السّلام) اور حضرت علی اصغر (علیہ السّلام) کی والدہ ماجدہ تھیں، اور سانحۂ کربلا میں اپنی اولاد کے ساتھ موجود تھیں۔ بعدازاں آپ کوفہ وشام میں قید و بند کی صعوبتوں میں بھی مبتلا رہیں۔ [۱]

حضرت اُمّ جعفر (علیہا السّلام):

آپ کا نام سلافہ مشہور تھا۔ آپ حضرت جعفر بن حسین (علیہ السّلام) کی والدہ تھیں جنہوں نے امام (علیہ السّلام) کی زندگی میں ہی وفات پائی اور اُن کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ تذکرۃ الخواص میں آپ کا نام ''ملومہ'' بھی رقم ہے۔ [۲]

حضرت اُمّ اسحاق (علیہا السّلام):

حضرت اُمّ اسحاق (علیہا السّلام) کا اصل نام گرامی تاریخی کتب میں مذکور نہیں کیونکہ آپ اسی کُنیّت سے مشہور تھیں۔ آپ کے والد کا نام طلحہ بن عبید اللہ تیمی اور والدہ کا نام جرباءبنتِ قسامہ تھا۔ آپ حضرت امام حسین (علیہ السّلام) کی سب سے بڑی شہزادی فاطمہ (علیہا السّلام) کی والدہ تھیں۔ [۳] بعض مصادر میں مذکور ہے کہ امام حسین (علیہ السّلام) کی زوجیت میں آنے سے پہلے آپ

---

[۱] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السّلام)، ج ۱ ص ۲۳۷
ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۴۶۴
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۱۳۷؛ ابوالحسن مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، اثبات الوصیۃ، ص ۱۸۱
جاراللہ محمود بن عمر زمخشری، (متوفی: ۴۶۷ھ، کہنہ گرگانج، ترکمانستان)، ربیع الابرار، ج ۱ ص ۴۰۲
حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۴ ص ۳۸۶

[۲] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السّلام)، ج ۱ ص ۲۳۷
ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۴۶۴
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۱۳۷؛ ابوالحسن مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، اثبات الوصیۃ، ص ۱۸۱
جاراللہ محمود بن عمر زمخشری، (متوفی: ۴۶۷ھ، کہنہ گرگانج، ترکمانستان)، ربیع الابرار، ج ۱ ص ۴۰۲
حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۴ ص ۳۸۶

[۳] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السّلام)، ج ۱ ص ۲۳۷؛ کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۴۶۴
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۱۳۷؛ ابوالحسن مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، اثبات الوصیۃ، ص ۱۸۱
جاراللہ محمود بن عمر زمخشری، (متوفی: ۴۶۷ھ، کہنہ گرگانج، ترکمانستان)، ربیع الابرار، ج ۱ ص ۴۰۲
حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۴ ص ۳۸۶

امام حسن (علیہ السلام) کے نکاح میں تھیں اور اُن کی شہادت کے بعد امام حسین (علیہ السلام) نے آپ سے عقد فرمایا۔[1]

اولادِ امام حسین (علیہ السلام)

شیخ مفیدؒ نے حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی چھ اولادوں کا ذکر کیا ہے۔[2] ۱) علی اکبر (علیہ السلام)، ۲) علی اصغر (علیہ السلام)، ۳) جعفر (علیہ السلام)، ۴) عبداللہ (علیہ السلام)، ۵) سکینہ (علیہا السلام) اور ۶) فاطمہ (علیہا السلام)۔ ابنِ شہر آشوب اور ابنِ طلحہ نے نو اولادیں شمار کی ہیں۔[3] ۱) علی الاکبر (علیہ السلام)، ۲) علی الاوسط (علیہ السلام)، ۳) علی الاصغر (علیہ السلام)، ۴) محمد (علیہ السلام)، ۵) عبداللہ (علیہ السلام)، ۶) جعفر (علیہ السلام)، ۷) زینب (علیہا السلام)، ۸) سکینہ (علیہا السلام) اور ۹) فاطمہ (علیہا السلام)۔

ابنِ فندق نے ''لبابُ الانساب'' میں دس اولادوں کا ذکر کیا ہے۔ چھ فرزند اور چار دختران۔ ان میں ایک فرزند علی اوسط (علیہ السلام) کی جگہ ابراہیم (علیہ السلام) کا نام ہے اور ایک بیٹی اُمّ کلثوم (علیہا السلام) کا نام مندرجہ بالا فہرست سے زیادہ ہے۔[4]

حضرت علی اکبر (علیہ السلام):

حضرت علی بن حسین (علیہ السلام)، علی اکبر (علیہ السلام) کے نام سے مشہور ہیں اور شہدائے کربلا میں سے ایک ہیں۔ آپ

---

[1] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۳۷
ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۴۶۴
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۱۳۷؛ ابوالحسن مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، اثبات الوصیۃ، ص ۱۸۱
جاراللہ محمود بن عمر زمخشری، (متوفی: ۴۶۷ھ، کہنہ گرگانج، ترکمانستان)، ربیع الابرار، ج ۱ ص ۴۰۲
حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۴ ص ۳۸۶

[2] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۳۷
ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۴۶۴
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۱۳۷؛ ابوالحسن مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، اثبات الوصیۃ، ص ۱۸۱
جاراللہ محمود بن عمر زمخشری، (متوفی: ۴۶۷ھ، کہنہ گرگانج، ترکمانستان)، ربیع الابرار، ج ۱ ص ۴۰۲
حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۴ ص ۳۸۶

[3] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۵۷
بحوالہ: ابنِ طلحہ شافعی، (متوفی: ۶۵۲ھ)، مطالب السؤول فی مناقب آلِ الرسول؛ محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ھ، حلب)، مناقب

[4] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۳۷؛ کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۴۶۴
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۱۳۷؛ ابوالحسن مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، اثبات الوصیۃ، ص ۱۸۱
جاراللہ محمود بن عمر زمخشری، (متوفی: ۴۶۷ھ، کہنہ گرگانج، ترکمانستان)، ربیع الابرار، ج ۱ ص ۴۰۲
شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق، شام)، سیر اعلام النبلا، ج ۴ ص ۳۸۶

ظاہری شکل وشمائل اور باطنی سیرت کے لحاظ سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے اسی لیے آپ کو ہم شکلِ پیمبر اور شبیہ پیغمبر بھی کہا جاتا ہے۔[1] منقول ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) جب بھی رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دیدار کے مشتاق ہوتے تو علی اکبر (علیہ السلام) کے چہرے کی طرف نظر کرتے تھے۔ علی اکبر (علیہ السلام) روزِ عاشورہ شجاعت کے جوہر دکھاتے ہُوئے یزیدی لشکر کے ہاتھوں شہید ہُوئے۔ تاریخِ طبری، مقاتل الطالبین اور زیارتِ ناحیہ کے مطابق حضرت علی اکبر (علیہ السلام) بنو ہاشم کے پہلے شہید تھے۔[2] آپ کی قبر حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ ہے۔ اصفہانی کے بقول آپ اپنے جدّ بزرگوار حضرت علی (علیہ السلام) سے بہت زیادہ احادیث نقل کرنے کی وجہ سے مُحدِّث کے نام سے بھی مشہور ہیں۔[3] آپ کی کُنّیت ابومحمد تھی، اور آپ کی والدہ محترمہ کا نام شاہِ زنان/شہربانو (علیہا السلام) بنت کسریٰ یزجرد تھا۔[4] اور بروایتے، آپ کی والدہ ماجدہ کا نام لیلیٰ (علیہا السلام) بنت ابی مُرہ بن عُروہ بن مسعود ثقفی تھا، آپ کی ولادت ۱۱ شعبان، ۳۳ھ میں ہوئی، اور آپ کی کُنّیت ابوالحسن تھی۔[5] شیخ طوسیؒ نے رجال میں اور شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں حضرت امام سجاد (علیہ السلام) کو امام حسین (علیہ السلام) کے بڑے فرزند قرار دیا ہے اور حضرت علی اکبر (علیہ السلام) کو جو کربلا میں شہید ہُوئے اُن سے چھوٹا بیان کیا ہے۔[6] جبکہ علامہ حلیؒ نے شیخ مفید

---

[1] ابن اعثم، الفتوح، ج ۵ ص ۱۱۴ / مثیر الاحزان، ص ۶۸
سید بن طاوس، لہوف، ص ۱۳۹ / خوارزمی، مقتل الحسین، ج ۲ ص ۳۴

[2] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۳۷
ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۴۴۶
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۱۳۷
ابوالحسن مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، اثبات الوصیۃ، ص ۱۸۱
جاراللہ محمود بن عمر زمخشری، (متوفی: ۴۶۷ھ، کہنہ گرگانج، ترکمانستان)، ربیع الابرار، ج ۱ ص ۴۰۲
حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۴ ص ۳۸۶

[3] ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص ۸۶

[4] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۵۸

[5] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۶۱
عبدالرزاق موسوی مقرم، (۱۳۹۱ھ، نجف اشرف، عراق)، مقتل الحسین (علیہ السلام)، مقرم ص ۲۵۵
اصفہانی، مقاتل الطالبین، ص ۸۶؛ ابی مخنف، وقعۃ الطف، ص ۲۷۶؛ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۱۸۴

[6] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۳۷؛ شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۱۳۷
حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۴ ص ۳۸۶؛ کلینی، الکافی، ج ۱ ص ۴۴۶
ابوالحسن مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، اثبات الوصیۃ، ص ۱۸۱؛ جاراللہ محمود بن عمر زمخشری، ربیع الابرار، ج ۱ ص ۴۰۲

کے اس قول کو رَد کیا ہے کیونکہ مُتعدِّد مؤرخین نے حضرت علی اکبر (علیہ السلام) کو امام حسین (علیہ السلام) کا بڑا فرزند لکھا ہے۔[١] مصعب زبیری نے نسب قریش میں، اور ابومخنف نے، جسے طبری نے اپنے ہاں نقل کیا، اور مسعودی نے حضرت علی اکبر (علیہ السلام) کو امام عالی مقام (علیہ السلام) کے بڑے بیٹے قرار دیا ہے۔[٢] کمال الدین ابنِ طلحہ نے لکھا ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) کے بڑے صاحبزادے کا نام علی اکبر (علیہ السلام) ہے، ان کے بعد علی اوسط (علیہ السلام) ہیں اور ان کے بعد علی اصغر (علیہ السلام) ہیں۔[٣] چنانچہ حاصلِ کلام یہ ہے امام حسین (علیہ السلام) کے تین صاحبزادوں کا نام "علی" تھا۔ علی اکبر (علیہ السلام)، علی اوسط (علیہ السلام) اور علی اصغر (علیہ السلام)؛ جن میں سے دو فرزند کربلا میں شہید ہُوئے جن کے اسمائے گرامی علی اکبر (علیہ السلام) اور علی اصغر (علیہ السلام) مشہور و معروف ہیں۔ ایک فرزند جنہیں سلسلۂ امامت منتقل ہُوا اور جو شدید علالت کے سبب جنگ میں شامل نہ ہوسکے، کا اسم گرامی بھی علی تھا جو علی عابد (علیہ السلام)، زین العابدین (علیہ السلام) اور سجاد (علیہ السلام) کے القاب سے معروف ہیں۔ پس اگر شہید ہونے والے شہزادوں کو علی اکبر (علیہ السلام) اور علی اصغر (علیہ السلام) کے ناموں سے موسوم کیا جائے تو امام زین العابدین (علیہ السلام) کا نام علی اوسط (علیہ السلام) بنتا ہے، اور اگر آپ کو عمر میں سب سے بڑا تسلیم کرلیا جائے تو شہید ہونے والے فرزندان میں سے جناب علی اکبر (علیہ السلام) کو علی اوسط (علیہ السلام) کہنا پڑے گا۔ (مؤلف)

حضرت علی اوسط (علیہ السلام):

آپ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے دوسرے فرزند تھے۔ آپ کا اسم گرامی بھی علی (علیہ السلام) تھا۔ آپ کو علی

---

[١] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ا ص ۲۳۷
ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ا ص ۴۶۴
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۱۳۷
ابوالحسن مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، اثبات الوصیۃ، ص ۱۸۱
جاراللہ محمود بن عمر زمخشری، (متوفی: ۴۶۷ھ، کہنہ گرگانج، ترکمانستان)، ربیع الابرار، ج ا ص ۴۰۲
حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۴ ص ۳۸۶
[٢] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ا ص ۲۳۷
ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ا ص ۴۶۴
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۱۳۷
ابوالحسن مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، اثبات الوصیۃ، ص ۱۸۱
جاراللہ محمود بن عمر زمخشری، (متوفی: ۴۶۷ھ، کہنہ گرگانج، ترکمانستان)، ربیع الابرار، ج ا ص ۴۰۲
حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۴ ص ۳۸۶
[٣] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ا ص ۲۳۷ بحوالہ راجع ص ۲۲۵

اوسط (علیہ السلام) اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ آپ حضرت علی اکبر (علیہ السلام) سے چھوٹے، اور حضرت علی اصغر (علیہ السلام) سے بڑے تھے۔[1] آپ سلسلۂ امامت کے چوتھے امام تھے۔ مشہور قول کے مطابق آپ کی ولادت باسعادت ۳۸ ہجری میں ہوئی۔[2] لیکن لیکن دیگر اقوال بھی ہیں جن کے مطابق آپ کا سن ولادت ۳۶ ہجری، ۳۷ ہجری[3] یا ۴۸ ہجری ہے۔[4] سنِ ولادت کی طرح آپ کی تاریخ ولادت سے متعلق بھی مختلف اقوال ہیں۔ طبرسی اور ابنِ شہر آشوب کے مطابق آپ کی ولادت بروز جمعرات ۱۵ جمادی الثانی کو ہوئی۔ اور ۹ شعبان بھی مذکور ہے۔[5] جب کہ اربلی کے نزدیک آپ ۵ شعبان کو دُنیا میں تشریف لائے۔[6] آپ کے مشہور ترین القاب زین العابدین (علیہ السلام)، سیّد الساجدین (علیہ السلام) اور سجاد (علیہ السلام) ہیں۔ شیخ مفیدؒ کے مطابق آپ کی والدہ گرامی کا نام شہر بانو بنتِ یزدجرد/ یزدگرد ابن شہریار بن کسریٰ تھا۔[7] امام حسین (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد منصبِ امامت آپ کو منتقل ہُوا اور آپ ۳۵ سال امامت کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ واقعہ کربلا میں موجود تھے لیکن بیماری کی وجہ سے جنگ میں حصّہ نہ لے سکے۔ امام حسین (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد عمر بن سعد کے سپاہی آپ کو اسیرانِ کربلا کے ساتھ کوفہ اور شام لے گئے جہاں آپ کے دیئے گئے خطبات کے باعث لوگ اہل بیت (علیہم السلام) کے مقام و منزلت اور اُن پر ڈھائے جانے والے مظالم سے آگاہ ہُوئے۔ آپ نے اپنا چچا حضرت امام حسن (علیہ السلام) کی صاحبزادی فاطمہ (علیہا السلام) سے عقد کیا تھا جن کی کُنیّت اُمّ عبداللہ تھی۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اُن کے بطن سے تین فرزند، محمد باقر، الحسین اور عبداللہ عطا فرمائے۔[8] آپ کے بعد سلسلۂ امامت آپ کے فرزند ارجمند جناب محمد باقر (علیہ السلام) کو منتقل ہُوا۔

---

[1] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ا ص ۲۷۹ بحوالہ: موسوعۃ امام حسین علیہ السلام، ج ا ص ۲۲۳

[2] کلینی، الکافی، ۱۴۰۷ اق، ج ا ص ۴۶۶؛ شیخ مفید، الارشاد، ۱۴۱۳ اق، ج ۲ ص ۱۳۷
طبرسی، اعلام الوری، ۱۳۹۰ اق، ص ۲۵۶؛ اربلی، کشف الغمہ، ۱۳۸۱ اق، ج ۲ ص ۷۳

[3] طبرسی، اعلام الوری، ۱۳۹۰ اق، ص ۲۵۶؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ۱۳۷۹ اق، ج ۴ ص ۱۷۵

[4] شہیدی، زندگانی علی بن الحسین (ع)، ۱۳۸۰ ش، ص ۳۲

[5] طبرسی، اعلام الوری، ۱۳۹۰ اق، ص ۲۵۶؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ۱۳۷۹ اق، ج ۴، ص ۱۷۵۔

[6] اربلی، کشف الغمہ، ۱۳۸۱ اق، ج ۲ ص ۷۳

[7] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ا ص ۲۷۹ بحوالہ: راجع ص ۱۹۷
شیخ مفید، الارشاد، ۱۴۱۳ اق، ج ۲ ص ۱۳۷، شیخ صدوق، عیون اخبار الرضا، ۱۳۷۸ ش، ج ۲ ص ۱۲۸

[8] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ا ص ۲۷۱ بحوالہ:
مصعب بن عبداللہ زبیری، (متوفی: ۲۳۶ ھ، بغداد، عراق)، نسب قریش، ص ۵۹
ابوالحسن بیہقی ابنِ فندق، (متوفی: ۱۱۶۹ء، ایران)، لباب الانساب، ج ا ص ۳۷۹

حضرت علی اصغر (علیہ السلام):

آپ کربلا کے سب سے کم سن شہید تھے جنہیں شیر خواری کی عمر میں اپنے والد کی گود میں شہید کیا گیا۔ آپ کی والدہ کا نام حضرت رباب (علیہا السلام) بنت امرؤالقیس بن عدی تھا۔ بعض مصادر میں آپ کا نام عبداللہ (علیہ السلام) اور والدہ کا نام لیلیٰ (علیہا السلام) بنت ابی مُرہ بن عُروہ بن مسعود ثقفی بھی مذکور ہے۔[1]

حضرت عبداللہ (علیہ السلام):

آپ کی والدہ کا نام لیلیٰ (علیہا السلام) بنت ابی مُرہ بن عُروہ بن مسعود ثقفی تھا۔[2] اکثر مصادر میں آپ کا نام علی اصغر (علیہ السلام) اور والدہ کا نام حضرت رباب (علیہا السلام) بنت امرؤالقیس بن عدی بھی بیان کیا گیا ہے۔

حضرت محمد (علیہ السلام):

اکثر کتبِ تاریخ میں امام حسین (علیہ السلام) کے اس شہزادے کو اسیرانِ کربلا میں شمار کیا گیا جب کہ بعض میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ آپ کربلا میں شہید ہُوئے۔[3]

حضرت جعفر (علیہ السلام):

بقولے آپ کی والدہ کا نام سُلافۃ (علیہا السلام) تھا اور وہ قبیلہ بَلِی بن قُضاعہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ ابتدائی عمر میں ہی انتقال کر گئے تھے۔[4]

---

[1] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج۱ ص۲۷۷، ۲۷۹؛ بحوالہ: الشجرہ المبارکہ، ص۳۷؛
تذکرۃ فی الانساب لمطہرہ، ص۲۴۲؛ محمد ابنِ سعد بغدادی، (متوفی: ۲۳۰ھ، بغداد، عراق)، طبقات کبریٰ، ج۱ ص۴۷۶
مصعب زبیری، (متوفی: ۲۳۶ھ، بغداد، عراق)، نسب قریش، ص۵۹؛
حسن بن محمد بن حسن قمی، (متوفی: ۴۰۶ھ)، تاریخ قم، ص۴۹۷

[2] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج۱ ص۲۷۷، ۲۷۹
بحوالہ: الشجرہ المبارکہ، ص۳۷، تذکرۃ فی الانساب لمطہرہ، ص۲۴۲؛ محمد ابنِ سعد بغدادی، (طبقات کبریٰ، ج۱ ص۴۷۶؛
مصعب زبیری، (متوفی: ۲۳۶ھ، بغداد، عراق)، نسب قریش، ص۵۹؛ حسن بن محمد بن حسن قمی، (متوفی: ۴۰۶ھ)، تاریخ قم، ص۴۹۷

[3] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج۱ ص۲۸۰
حمید بن احمد مُحلّی، الحدائق الوردیۃ فی مناقب ائمہ الزیدیۃ، ج۱ ص۱۱۷

[4] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج۱ ص۲۷۸ بحوالہ: الشجرۃ المبارکہ، ص۳۷، السلسلۃ العلویہ، ص۳۰
فضل بن حسن بن فضل طبرسی، (متوفی: ۵۴۸ھ، مشہد، ایران)، اعلام الوریٰ، ج۱ ص۴۷۸

حضرت زینب بنت الحسین (علیہا السلام):

آپ کی والدہ کا نام شہر بانو (علیہا السلام) تھا، اور آپ بچپن ہی میں انتقال فرما گئی تھیں۔ [۱]

حضرت سکینہ بنت الحسین (علیہا السلام):

آپ میدانِ کربلا میں موجود تھیں اور سانحہ کربلا کے بعد قید ہو کر کوفہ اور شام لائی گئیں۔ آپ عمر بھر عبادتِ الٰہی میں مصروف رہیں۔ آپ کی والدہ کا نام حضرت رُباب (علیہا السلام) تھا۔ اُنھوں نے ہی آپ کو سکینہ (علیہا السلام) کا لقب دیا تھا۔ جبکہ آپ کے اسمائے گرامی آمنہ، امینہ اور اُمیمہ بھی تاریخ کی کتب میں مذکور ہیں۔ [۲]

حضرت فاطمہ بنت الحسین (علیہا السلام):

آپ، امام حسین (علیہ السلام) کی سب سے بڑی شہزادی تھیں۔ [۳] آپ کی والدہ کا نام اُمّ اسحاق (علیہا السلام) بنتِ طلحہ بن عبید اللہ تیمی تھا۔ آپ کی شادی حضرت امام حسن (علیہ السلام) کے صاحبزادے حسن مثنیٰ (علیہ السلام) سے ہوئی تھی۔ [۴] آپ واقعہ کربلا میں موجود تھیں جہاں حسن مثنیٰ (علیہ السلام) زخمی ہُوئے۔ آپ کو اسیر بنا کر کوفہ و شام لے جایا گیا۔ [۵] آپ فوجِ اشقیا کی خیامِ حسینی پر یلغار، اُن کی لوٹ مار، اور اسیرانِ کربلا کی سرگزشت کی چشم دید گواہ اور راویہ تھیں۔ [۶]

---

[۱] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ا ص ۲۸۲؛ ابوالحسن بیہقی، (متوفی: ۱۱۶۹ء)، لباب الانساب، ج ا ص ۳۵۰

[۲] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ا ص ۲۸۵
شمس الدین سبط حافظ ابن جوزی، (متوفی: ۶۵۴، بغداد، عراق)، تذکرۃ الخواص، ص ۲۷۸
حمید بن احمد مُحلّی، الحدائق الوردیۃ فی مناقب ائمہ الزیدیۃ، ج ا ص ۱۱۷
حافظ ابنِ عساکر، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، تاریخ دمشق، ج ۶۰ ص ۱۶۸

[۳] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ا ص ۲۸۱
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۵ ص ۴۶۴
ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، الکامل فی التاریخ، ج ۲ ص ۵۷۷

[۴] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ا ص ۲۸۱
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۵ ص ۴۶۴
ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، الکامل فی التاریخ، ج ۲ ص ۵۷۷

[۵] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ا ص ۲۸۱؛ حافظ ابنِ عساکر، (متوفی: ۵۷۱ھ)، تاریخ دمشق، ج ۷۰ ص ۱۷
مصعب زبیری، (متوفی: ۲۳۶ھ، بغداد، عراق)، نسب قریش، ص ۵۹؛ ابوالحسن بیہقی، (متوفی: ۱۱۶۹ء، ایران)، لباب الانساب، ج ا ص ۳۸۵

[۶] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ا ص ۲۸۲ بحوالہ: موسوعہ امام حسین (علیہ السلام)، ج ۵

شہادتِ امام حسین (علیہ السلام) کی پیشگی خبریں

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خبر:

اہلِ سنت کے عالم ابنِ حجر ہیثمی اپنی کتاب صواعق المحرقہ میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے حجرے میں تھے اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ سے فرمایا کہ کسی کو اندر نہ آنے دینا۔ اسی دوران حسین (علیہ السلام) آئے اور اندر چلے گئے لیکن حضرت عائشہ کو معلوم نہ ہوسکا۔ حجرے میں جبرائیل (علیہ السلام) نازل ہُوئے اور امام حسین (علیہ السلام) کو دیکھ کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا کہ یہ بچہ کون ہے؟ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا یہ میرا بیٹا ہے۔ یہ کہہ کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حسین (علیہ السلام) کو زانو پر بٹھالیا۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمّت اس بچے کو قتل کردے گی۔ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حکم ہو تو میں اُس سرزمین سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آگاہ کروں جہاں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بیٹے کو شہید کیا جائے گا۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اجازت ملنے پر سرزمین ''طف'' کی طرف اشارہ کیا اور اُس زمین کی مٹی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دکھائی، اور کہا، ''یہ خاک اس کے مقتل کی ہے۔''[1]

''مقتل الحسین'' میں علامہ خوارزمی نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حسین (علیہ السلام) کو اپنے زانو پر بٹھایا ہُوا تھا کہ اتنے میں جبرائیل (علیہ السلام) نازل ہُوئے اور پوچھا کہ کیا یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بیٹا ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اثبات میں جواب دیا تو اُنھوں نے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمّت اسے قتل کرے گی۔ اس پر جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر جبرائیل (علیہ السلام) نے پوچھا کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پسند فرمائیں تو میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اُس زمین (مقتل) کی مٹی دکھلا دوں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے آمادگی ظاہر فرمائی تو جبرائیل (علیہ السلام) نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کربلا کی خاک دکھائی۔[2]

اس روایت کو علامہ طبرانی نے **المعجم الکبیر** میں یوں بیان کیا کہ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر وحی ہورہی تھی کہ اتنے میں حسین (علیہ السلام) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس پہنچے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پشت پر بیٹھ کر

---

[1] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ا ص ۲۹۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۷۰ تا ۷۱

[2] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا، ص ۱۵
بحوالہ: موفق بن احمد خوارزمی، (متوفی: ۵۶۸ھ)، مقتل الحسین (علیہ السلام)، ج ا ص ۱۵۹، طبع نجف
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۶۹

کھیلنے لگے۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا کہ کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس بچے کو بہت چاہتے ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میں اپنے بیٹے کو کیوں نہ چاہوں؟ جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمّت اسے قتل کرے گی۔ پھر جبرائیل (علیہ السلام) نے ہاتھ پھیلایا اور کچھ مٹی ہاتھ میں لائے اور کہا کہ اس زمین پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بیٹا قتل کیا جائے گا؛ اس کا نام ''طف'' ہے۔ جبرائیل (علیہ السلام) کے رخصت ہونے پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گریہ کرتے ہُوئے حجرے سے باہر تشریف لائے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ میں وہ مٹی تھی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھ سے فرمایا کہ جبرائیل (علیہ السلام) نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا بیٹا حسین (علیہ السلام) سرزمینِ طف (کربلا) پر قتل کیا جائے گا اور میری اُمّت میرے بعد فتنوں میں مبتلا ہو جائے گی۔ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گریہ کرتے ہُوئے اصحاب کی طرف تشریف لے گئے جہاں علی (علیہ السلام) حذیفہ، عمار، ابوذر (رضی اللہ عنہم) اور چند اور لوگ موجود تھے۔ لوگوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گریہ کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ جبرائیل (علیہ السلام) نے مجھے بتایا ہے کہ میرے بعد میرا بیٹا حسین (علیہ السلام) سرزمینِ طف پر قتل کیا جائے گا۔ جبرائیل (علیہ السلام) یہ مٹی بھی لائے ہیں اور کہا ہے کہ وہ اس زمین میں دفن ہوگا۔ [۱]

شیعہ عالم شیخ مفیدؒ نے اپنی کتاب امالی میں یہ روایت حضرت عائشہ سے یوں نقل کی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حسین (علیہ السلام) کو اپنے زانو پر بٹھا کر بوسہ دیا تو جبرائیل (علیہ السلام) جو وہاں موجود تھے بولے کہ کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس فرزند کو بہت چاہتے ہیں؟ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ہاں۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا، آپ جان لیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمّت اسے شہید کر دے گی۔ [۲]

علی بن حسین بن واقد سے اُن کے والد نے، اور اُن سے ابو غالب نے بیان کیا کہ ابو امامہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی ازواج کو نصیحت کر رکھی تھی کہ حسین (علیہ السلام) کو کسی بات پر رونے مت دینا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے ہاں قیام فرماتے تو جبرائیل (علیہ السلام) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر

---

[۱] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱، ص ۲۹۱
حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ھ)، **المعجم الکبیر**، ص ۱۴۴
حافظ نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی، (متوفی: ۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۸۷
موفق بن احمد خوارزمی، (متوفی: ۵۶۸ھ)، مقتل الحسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۱۵۹
علی متقی ہندی، (متوفی: ۹۷۵ھ، مکہ مکرمہ)، کنزالعمال، ج ۱۳ ص ۱۱۱
احمد بن محمد المعروف ابنِ حجر ہیثمی، (متوفی: ۹۷۴ھ)، صواعق محرقہ، ص ۱۹۰، طبع مصر
شیخ سلیمان قندوزی، ینابیع المودۃ، ص ۳۱۸؛ علامہ نبہانی، الفتح الکبیر، ج ۱ ص ۵۵، طبع مصر
[۲] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱، ص ۲۹۱

ہُوئے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کسی کو حجرے میں مت آنے دینا۔ اسی دوران سیّدنا حسین (علیہ السلام) تشریف لے آئے اور حجرے کا دروازہ بند دیکھ کر رونے لگے۔ حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) نے اُنھیں روتے دیکھا تو فوراً دروازہ کھول دیا، چنانچہ حضرت حسین (علیہ السلام) رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی گود میں جا کر بیٹھ گئے۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ کی اُمّت اس بچے کو قتل کرے گی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ کیا وہ مسلمان ہوتے ہُوئے بھی حسین (علیہ السلام) کو قتل کریں گے؟ جبرائیل (علیہ السلام) نے عرض کی کہ جی ہاں، مسلمان ہی قتل کریں گے۔ پھر جبرائیل (علیہ السلام) نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حسین (علیہ السلام) کے مقتل کی مٹی دکھائی۔ [1]

اس روایت کو باقر مجلسیؒ نے بحار الانوار میں امالی شیخ صدوق کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے کہ ایک دن جب رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر تشریف رکھتے تھے تو اُن سے فرمایا کہ کسی کو میرے پاس (حجرے میں) مت آنے دینا۔ حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ اس وقت کم سِن حسین (علیہ السلام) تشریف لے آئے تو میں اُنھیں رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جانے سے نہ روک سکی۔ کچھ دیر کے بعد میں بھی گئی اور دیکھا کہ حسین (علیہ السلام) رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سینۂ مبارک پر بیٹھے ہیں اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گریہ کناں ہیں۔ اُس وقت کوئی چیز آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ میں تھی جسے کبھی ایک ہاتھ میں لیتے اور کبھی دوسرے میں۔ میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس گریہ واضطراب کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ ابھی جبرائیل خبر لائے تھے کہ میرا یہ فرزند قتل کیا جائے گا، اور یہ مٹی مجھے دی جو اس کے مقتل کی ہے۔ اے اُمّ سلمہ! تم یہ مٹی اپنے پاس رکھو، جب یہ خون میں تبدیل ہو جائے تو سمجھ لینا کہ میرا حبیب میرا حسین (علیہ السلام) شہید ہو گیا ہے۔ حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بارگاہِ اَحدِیّت سے سوال کیجیے کہ اس بلا کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فرزندِ دل بند سے دُور رکھے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میں خدا سے اس کا سوال کر چکا ہوں، حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ اس شہادت کے بدلے میں تمھارے فرزند کو ایسا عالی درجہ ملے گا جس پر ہماری مخلوقات میں کوئی بھی فائز نہیں ہوگا۔ بعض روایات میں حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کی بجائے فرشتۂ بارانِ رحمت کا نام آیا ہے جو یہ خبر لے کر آیا تھا۔ [2]

راویانِ حدیث کہتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) کی ولادت کے ایک سال بعد نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں بارہ

---

[1] ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱، ص ۲۹۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۶۵

[2] ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱، ص ۲۹۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۷۱ تا ۷۲

فرشتے مختلف شکلوں میں حاضر ہُوئے اور بیان کیا کہ حسین (علیہ السلام) کے ساتھ بھی ویسا ہی ہوگا جیسا ہابیل کے ساتھ قابیل کے ہاتھوں ہُوا تھا۔ راویان نے یوں بھی بیان کیا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر آسمان کے سارے ملائکہ مقربین نے سلام پیش کیا اور قتلِ حسین (علیہ السلام) کی تعزیت کی، جو ثواب امام (علیہ السلام) کو عطا ہوگا اُس کا ذکر کیا اور خاکِ کربلا بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں پیش کی۔ اس پر رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دُعا کی کہ الٰہی! جو حسین (علیہ السلام) کو چھوڑ دے اُسے تُو بھی چھوڑ دے اور جو حسین (علیہ السلام) کو قتل کرے اُسے تُو بھی قتل کر دے... الخ۔ [1]

رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے شہادت امام حسین (علیہ السلام) کی خبر نقل کرنے والوں کے نام مختلف روایات میں کثیر تعداد میں موجود ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں: امیر المومنین حضرت علی ابنِ ابی طالب (علیہ السلام)، امام حسن (علیہ السلام)، امام حسین (علیہ السلام)، حضرت اُمِ سلمہ، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس بن حارث، حضرت زینب بنتِ جحش، حضرت اُمّ الفضل بنتِ حارث، معاذ بن جبل، امامہ، ابوالطفیل اور جناب اسماء (رضی اللہ عنہم) وغیرہ۔ [2]

حضرت ابنِ عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے خواب میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھا کہ نصف النہار کا وقت ہے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پریشان حال ہیں اور جسمِ اقدس پر غبار لگا ہُوا ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک بوتل ہے جس میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خون ڈال رہے ہیں یا کوئی اور چیز (خون جیسی)۔ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ کیا ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ یہ حسین (علیہ السلام) اور اُس کے ساتھیوں کا خون ہے، آج سارا دن یہیں سمیٹتا رہا ہوں۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا بیان ہے کہ ہم نے خواب کی وہ تاریخ محفوظ کر لی اور تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ حضرت حسین (علیہ السلام) اُسی روز شہید کیے گئے تھے۔ [3]

اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میرا یہ بیٹا (حسین علیہ السلام) عراق کی سرزمین پر، جس کا نام کربلا ہے، شہید کیا جائے گا لہٰذا تم میں سے جو بھی وہاں موجود ہو وہ اس کی مدد کرے۔ [4]

علامہ باقر مجلسیؒ نے بحارالانوار میں یہ روایت اشعث بن عثمان، اشعث کے باپ، اور حضرت انس بن ابوشحیم کے حوالے سے بیان کی ہے۔ حضرت انس بن ابوشحیمؓ کربلا میں امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ حاضر تھے اور آپ کی نصرت میں جامِ شہادت نوش کیا۔ [5]

---

[1] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱

[2] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا ص ۲۰

[3] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا، ص ۲۰

[4] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱

[5] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۸۷

امیرالمومنین حضرت علی (علیہ السلام) کو خبر:

مسند احمد کی روایت کے مطابق حضرت علی (علیہ السلام) کے خادم عبداللہ بن نجی نقل کرتے ہیں کہ ہم حضرت علی (علیہ السلام) کے ساتھ صفین کی طرف جا رہے تھے۔ نینویٰ (کربلا) کے قریب پہنچے تو حضرت علی (علیہ السلام) نے مجھ سے فرمایا کہ فرات کے کنارے رُکو۔ میں نے رُکنے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں ایک دن رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہُوا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اشکبار دیکھا۔ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آنکھوں میں آنسو؟ خیر تو ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کس نے ستایا؟ فرمایا کہ کسی نے نہیں ستاتا، بات یہ ہے کہ ابھی کچھ دیر پہلے جبرائیل (علیہ السلام) آئے تھے اور مجھے بتایا کہ آپ کے نواسے حسین (علیہ السلام) کو دریائے فرات کے کنارے قتل کیا جائے گا۔ پھر کہا کہ اگر آپ چاہیں تو اُس سرزمین کی مٹی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سنگھاؤں؟ میں نے کہا ضرور لائیے۔ اس پر اُنھوں نے اپنا ہاتھ دراز کیا، اور ایک مٹھی مٹی مجھے تھمادی، اس پر میرے آنسو بہہ نکلے۔ [1]

جناب امیرالمومنین (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھ سے فرمایا کہ جبرائیل (علیہ السلام) میرے پاس آئے تھے اور مجھے خبر دی کہ حسین (علیہ السلام) کو دریائے فرات کے کنارے شہید کیا جائے گا۔ [2]

علامہ باقر مجلسیؒ بحوالہ کامل الزیارت لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے منقول ہے کہ جب جبرائیل (علیہ السلام) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی شہادت کی خبر لائے تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، علی (علیہ السلام) کا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لے گئے۔ دونوں بزرگ بڑی دیر تک آپس میں گفتگو فرماتے اور گریہ کرتے رہے یہاں تک کہ اُن پر رقت طاری ہوگئی۔ ابھی وہ جُدا نہ ہُوئے تھے کہ جبرائیل (علیہ السلام) پھر نازل ہُوئے اور کہا کہ پروردگارِ عالم بعد از سلام ارشاد فرماتا ہے کہ میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ اس مصیبت پر صبر کرو۔ پس دونوں بزرگوں نے حکمِ خدا پر صبر فرمایا۔ [3]

علامہ باقر مجلسیؒ، شیخ ابن بابویہ کی کتاب امالی سے ابنِ عباس کی روایت نقل کرتے ہُوئے لکھتے ہیں کہ جناب امیر المومنین علی (علیہ السلام) جنگِ صفین پر جاتے ہُوئے دریائے فرات کے کنارے واقع نینویٰ سے گزرے تو بلند آواز میں ابنِ عباس سے کہا کہ کیا تم اس مقام کو پہچانتے ہو؟ ابنِ عباس نے عرض کی کہ یا امیرالمومنین (علیہ السلام)! میں نہیں پہچانتا۔ حضرت (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے ابنِ عباس! اگر تم بھی اس جگہ کے بارے میں جانتے تو میری طرح گریہ کرتے۔ اتنا فرما کر آپ

---

[1] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ا ص ۲۹۱

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۸۸

[3] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۷۱

آبدیدہ ہوگئے یہاں تک کہ ریش مبارک تر ہوگئی اور آنسوؤں کے قطرے سینۂ مبارک پر رواں ہوگئے۔ ابنِ عباس کہتے ہیں کہ امیرالمومنین (علیہ السلام) کو روتا دیکھ کر ہم بھی رونے لگے۔ پھر آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ آہ! آہ! آلِ ابوسفیان و آلِ حرب سے مجھے کیا مطلب؟ وہ تو لشکرِ شیطان اور سرگروہِ کفر و عدوان ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اے ابوعبداللہ! تیرے باپ کو بھی ان اشقیا کے ہاتھوں وہی صدمات پہنچے ہیں جو تجھے پہنچیں گے۔ [۱]

حضرت فاطمۃ الزہرا (علیہا السلام) کو خبر:

اگر کسی ماں کو یہ معلوم ہوجائے کہ اُس کی گود میں آنے والا اُس کا لختِ جگر بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا جائے گا تو اُس کا کیا حال ہوگا؟ اُس کے اضطراب اور حزن و ملال کو بیان کرنا شاید ممکن ہی نہیں ہے۔ مگر اہل بیتِ رسول (علیہم السلام) کا کردار، اُن کا تقویٰ اور صبرِ جمیل ملاحظہ فرمایئے کہ وہ ایسے حالات میں بھی رضائے الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے صابر و شاکر رہا کرتے تھے۔ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی والدہ ماجدہ اُن کی ولادت سے قبل یہ جانتی تھیں کہ اُن کے لختِ جگر کو آنے والے دنوں میں اپنے اقربا اور اصحاب کے ہمراہ غربت کے عالم میں نہایت ظالمانہ طریقے سے شہید کر دیا جائے گا۔ اس وجہ سے وہ نہایت مضطرب و بیقرار تھیں لیکن خوشنودیِ خلاقِ عالم کے لیے پیکرِ صبر و رضا بن گئی تھیں۔ آپ (علیہا السلام) کبھی اپنے لختِ جگر کے انجامِ دلفگار پر مُضطرب ہوجاتیں تو کبھی رضائے الٰہی پر راضی۔

علامہ باقر مجلسیؒ نے بحار الانوار میں کامل الزیارات کے حوالے سے حضرت امام جعفر الصادق (علیہ السلام) سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گوہرِ امام حسین (علیہ السلام) کے صدفِ مادرِ گرامی میں قیام پزیر ہونے سے قبل جبرائیل (علیہ السلام) نے رسولِ محتشم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خبر دی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جگر گوشہ سیّدہ فاطمہ (علیہا السلام) کے ہاں ایک فرزند مُتَوَلِّد ہوگا جسے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قوم شہید کر دے گی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ مجھے ایسا فرزند نہیں چاہیے جو فاطمہ (علیہا السلام) کی آغوش میں آنے کے بعد شہید کر دیا جائے۔ جبرائیل (علیہ السلام) چلے گئے لیکن پھر واپس آئے اور وہی خبر دی۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پھر وہی جواب دیا اور جبرائیل (علیہ السلام) بارِ دگر واپس آسمان پر چلے گئے مگر پھر لوٹ آئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! حق تعالیٰ بعد از تحفۂ سلام خوشخبری دیتا ہے کہ ہم نے اُس فرزند کی ذُریّت میں امامت و ولایت اور وصایت کو مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میں اس پر راضی ہوں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جب یہ اطلاع حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کو بھیجی کہ آپ (علیہا السلام) کے ہاں ایسا فرزند پیدا ہوگا جسے اُمّت شہید کر دے گی تو جناب سیّدہ (علیہا السلام) سخت مضطرب و بے قرار ہوگئیں اور فرمایا کہ میں ایسا فرزند نہیں چاہتی جسے شہید کر دیا جائے۔ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۹۲ تا ۹۳

جنابِ سیّدہ (علیہا السلام) کو مطلع کیا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے اُس فرزند کی ذُرّیت میں امامت وولایت اور وصایت کو مقرر کیا ہے تو حضرت سیّدہ (علیہا السلام) نے فرمایا کہ میں رضائے الٰہی پر راضی ہوں۔ پس، جب امام حسین (علیہ السلام) بطنِ مادر گرامی میں تشریف لائے تو سیّدۃ النساء العالمین (علیہا السلام) بے چین اور پریشان تھیں، اور اس پر رنجیدہ تھیں کہ ستم گارانِ اُمّت میرے فرزند کو شہید کردیں گے۔ [۱]

حضرت آدم (علیہ السلام) کو خبر:

روایت ہے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) زمین پر تشریف لائے تو حضرت حوّا کی تلاش میں سرزمینِ کربلا تک جا پہنچے۔ کربلا پہنچ کر اُن کا دِل گھبرانے لگا، اور غم واندوہ کی کیفیت طاری ہوگئی، یہاں تک کہ مقتلِ امام حسین (علیہ السلام) پر پہنچے تو ایک پتھر سے ٹھوکر لگی، پائے مبارک زخمی ہُوا اور اُس سے خون جاری ہوگیا۔ آپ نے اس اضطراب اور پریشانی کے عالم میں آسمان کی طرف مُنھ کیا اور عرض کی، ''الٰہی! کیا مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہُوا ہے جس کے بدلے یہ عتاب نازل کیا ہے؟ میں تمام روئے زمین پر گھوما ہوں مگر جو تکلیف مجھے یہاں ہوئی ہے اور کہیں نہیں ہوئی تھی۔'' حق تعالیٰ نے وحی کی اور فرمایا، ''اے آدم (علیہ السلام)! تم سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہُوا۔ اس زمین پر میرا ایک برگزیدہ بندہ اور تیرا فرزند حسین (علیہ السلام) شہید کیا جائے گا۔ میں نے چاہا کہ اُس کے غم میں تمھیں بھی شریک کروں اور جہاں اُس کا خون گرے گا وہاں تمھارا خون بھی شامل کروں۔'' حضرت (علیہ السلام) نے عرض کی، ''اے پالنے والے! کیا حسین (علیہ السلام) تیرا کوئی پیغمبر ہے؟'' فرمایا، ''نہیں! بلکہ میرے پیغمبرِ آخر الزمان محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا نواسہ اور ہمارا برگزیدہ ہے۔'' آدم (علیہ السلام) نے پوچھا، ''پروردگار! اُس کا قاتل کون ہوگا؟'' ارشاد ہُوا، ''اُس کا قاتل یزید ہوگا جس پر ساکنانِ زمین وآسمان لعنت کرتے ہیں۔'' آدم (علیہ السلام) نے جبرائیل (علیہ السلام) سے پوچھا کہ اس مصیبت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا، ''آپ اُس (یزید) پر لعنت کیجیے۔'' چنانچہ آدم (علیہ السلام) نے شقی القلب یزید پر چار مرتبہ لعنت کی؛ اور وہاں سے روانہ ہُوئے تو چند قدم چلنے کے بعد ہی قدرتِ الٰہی سے کوہِ عرفات پر پہنچ گئے جہاں حضرت حوّا کو موجود پایا۔ [۲]

بروایتِ تفسیر آیت مجیدہ (فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ○ پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے پروردگار سے کچھ دُعا یہ کلمات (حاصل کئے) تو اُس نے اُن کی توبہ قبول کی کیونکہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔ سورۃ البقرہ، آیت: ۳۷)، حضرت آدم (علیہ السلام) نے پنجتن پاک (علیہم السلام) کے اسمائے مبارکہ کو

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۶۱؛ ۱۷ تا ۲۷

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۸۲

عرش پر لکھا ہُوا دیکھا تو جبرائیل (علیہ السلام) نے وہ نام آپ کو تعلیم کئے اور کہا کہ اے آدم (علیہ السلام)! آپ یوں کہیے، ''یَا حَمِیدُ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ یَا عَالِی بِحَقِّ عَلِی یَا فَاطِرُ بِحَقِّ فَاطِمَة یَا مُحسِن بِحَقِّ الحَسَن وَ الحُسَین۔'' جب حضرت آدم (علیہ السلام) نے امام حسین (علیہ السلام) کا نام لیا تو بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور حالت متغیّر ہوگئی۔ جبرائیل (علیہ السلام) سے پوچھا کہ جب بھی پانچویں بزرگ کا نام لیتا ہوں تو شیشۂ دِل سینے میں چُور ہوجاتا ہے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے ہیں۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا کہ آپ کا یہ بیٹا ایسی مصیبت میں مبتلا ہوگا جو سب مصیبتوں سے عظیم ہے اور سب مصائب اس کے سامنے پست ہیں۔ آدم (علیہ السلام) نے پوچھا کہ وہ کونسی مصیبت ہے؟ جبرائیل (علیہ السلام) نے بتایا کہ وہ مظلوم تن تنہا عالم غربت میں شہید ہوگا اور کوئی اُس کا یاور اور مددگار نہ ہوگا۔ اے آدم (علیہ السلام)! کاش تم دیکھتے کہ وہ مظلوم پیاسا مدد کے لیے فریاد کرے گا لیکن کوئی اُس کی مدد کو نہیں آئے گا، اُس پر تلوار چلے گی اور اُسے کسی گوسفند کی طرح ذبح کر دیا جائے گا۔ اُس کا مال و اسباب لوٹ کر، اُس کا سر نوکِ نیزہ پر بلند کر کے شہر شہر پھرایا جائے گا۔ اُس کی مخدراتِ عصمت وطہارت شترانِ برہنہ پشت پر اُس کے ہمراہ ہوں گی اور یہی خداوند عالم کے علم میں ہے۔ اس کے بعد حضرت آدم (علیہ السلام) اور جبرائیل (علیہ السلام) زاروقطار رونے لگے۔ [1]

حضرت نوح (علیہ السلام) کو خبر:

روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جب حق تعالیٰ نے قومِ نوح کو ہلاک کرنا چاہا تو حضرت نوح (علیہ السلام) پر وحی کی کہ ساگوان کے درخت کو کاٹ کر تختے بناؤ۔ نوح (علیہ السلام) تختے بنا کر پریشان تھے کہ اب ان کا کیا کروں تو جبرائیل (علیہ السلام) ایک صندوق لے کر نازل ہُوئے جس میں ایک لاکھ اُنتیس ہزار کیلیں تھیں۔ اُنھوں نے نوح (علیہ السلام) کو کشتی کا نمونہ دکھایا اور کہا کہ تختوں کو ان کیلوں کی مدد سے جوڑ کر اس طرح کی کشتی تیار کیجیے۔ چنانچہ نوح (علیہ السلام) لکڑی کے تختوں اور اُن کیلوں کی مدد سے کشتی تیار کرنے لگے۔ ابھی چند کیلیں باقی تھیں جب ایک کو اُٹھایا تو اُس میں سے کسی روشن ستارے کی طرح نُور ساطع ہُوا، نوح (علیہ السلام) حیران رہ گئے۔ وہ کیل بزبانِ فصیح گویا ہوئی کہ مجھ کو خالقِ کائنات نے سرورِ انبیا جناب محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام سے خلق کیا ہے۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے تائید کی اور کہا کہ اس کیل کو کشتی کے دائیں طرف لگائیے۔ نوح (علیہ السلام) نے اگلی کیل اُٹھائی تو اُس میں سے بھی پہلے جیسا نُور طلوع ہُوا۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے بتایا کہ یہ کیل نبی آخرالزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچازاد بھائی اور وصی علی ابنِ ابی طالب (علیہ السلام) کے نام پر پیدا ہوئی ہے، اس کو کشتی کے بائیں طرف لگائیے۔ نوح (علیہ السلام) نے تیسری کیل اُٹھائی تو اُس میں سے بھی وہی نُور پیدا ہُوا۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا کہ یہ کیل بنتِ رسول جناب فاطمہ (علیہا السلام) کے نام پر بنی ہے اس کو بھی دائیں طرف لگائیے۔ پھر نوح (علیہ السلام) نے ایک اور کیل لی تو اُس سے

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۸۵

بھی گزشتہ تینوں کیلوں کی طرح ایک نُور نکلا۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے بتایا کہ یہ کیل رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نواسے حسن بن علی (علیہ السلام) کے نام پر خلق کی گئی ہے، آپ اس کو کشتی کے بائیں طرف لگا دیجئے۔ اسی طرح نوح (علیہ السلام) نے پانچویں کیل اُٹھائی تو اُس میں سے بھی وہی نور برآمد ہُوا لیکن ساتھ ایک رطوبت بھی تھی۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا یہ کیل نواسۂ رسول جناب حسین ابنِ علی (علیہ السلام) کے نام پر خلق ہوئی ہے۔ نوح (علیہ السلام) نے پوچھا کہ اس کے ساتھ یہ رطوبت کیسی ہے؟ جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا یہ خونِ حسین (علیہ السلام) کی تری ہے۔ پھر اُنھوں نے نوح (علیہ السلام) کو امام حسین (علیہ السلام) پر ڈھائے جانے والے ظلم وستم اور اُن کی شہادت کا واقعہ سنایا۔[۱]

منقول ہے کہ کشتی تیار کر کے نوح (علیہ السلام) روانہ ہُوئے تو ایک دن سرزمینِ کربلا پر پہنچے۔ وہاں ایک زبردست موج آئی اور کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ یوں لگا جیسے ابھی غرقاب ہوجائے گی۔ نوح (علیہ السلام) خوفزدہ ہوگئے اور گھبرا کر بارگاہِ الٰہی میں عرض پرداز ہُوئے، "خدایا میں ہر جگہ گیا مگر جو رنج و مصیبت یہاں پیش آئی اور کہیں نہیں آئی۔" اُس وقت جبرائیل (علیہ السلام) وحی لے کر آئے اور کہا، "اے نوح (علیہ السلام)! یہ وہ جگہ ہے جہاں نواسۂ نبی اعظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) امام حسین (علیہ السلام) کو شہید کیا جائے گا۔" نوح (علیہ السلام) نے پوچھا کہ اُن کا قاتل کون ہوگا؟ جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا، "اُس لعین کا نام یزید ہے اور تمام اہلِ زمین و آسمان اُس پر لعنت کرتے ہیں۔" چنانچہ حضرت نوح (علیہ السلام) نے یزید پر لعنت کی تو کشتی طوفان سے نکل آئی اور بحفاظت کوہِ جُودی پر جا ٹھہری۔[۲]

حضرت زکریا (علیہ السلام) کو خبر:

الاحتجاج طبرسی میں منقول ہے کہ سعد بن عبداللہ نے امام آخر الزمان (علیہ السلام) سے روایت کی ہے کہ حضرت زکریا (علیہ السلام) نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے سوال کیا کہ مجھے آلِ عبا (علیہم السلام)[۳] کے نام تعلیم فرما تا کہ ہر شدت و بلا میں اُن کے وسیلے سے تیری پناہ مانگوں۔ چنانچہ حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نازل ہُوئے اور اُن کو آلِ عبا (علیہم السلام) کے اسمائے مقدسہ تعلیم کئے۔ حضرت زکریا (علیہ السلام) جب بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، علی (علیہ السلام)، جناب سیّدہ فاطمہ (علیہا السلام) اور حضرت امام حسن (علیہ السلام) کے نام لیتے تو اُن کا غم و اندوہ دُور ہوجاتا اور مسرت و شادمانی حاصل ہوتی لیکن جب حضرت امام حسین (علیہ السلام) کا نام لیتے تو اُن پر شدتِ غم سے ایسی رِقّت طاری ہوتی کہ ضبط نہ کر سکتے۔ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں یہ ماجرا بیان کیا تو اللہ تعالیٰ نے امام

---

[۱] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱، ص ۲۹۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۶۹ تا ۷۰

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۸۲

[۳] حدیثِ کساء والی پانچ ہستیاں یعنی پنجتن پاک (علیہم السلام) جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی چادر یعنی عبا کے نیچے موجود تھیں۔

حسین (علیہ السلام) کی مظلومیت اور شہادت کا واقعہ آپ کو وحی فرمایا۔ [۱]

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو خبر:

بروایتِ یعقوبی اور حیاتُ القلوب مجلسیؒ، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) حکمِ الٰہی کے تحت اپنے فرزند حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کو راہِ خدا میں ذبح کرنے گئے تو حضرت نے اپنی اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی آنکھوں پر پٹی باندھی، اُنھیں زمین پر لٹایا اور گردن پر چھری چلائی لیکن وہ پلٹ گئی۔ سیدھی کی، پھر چلائی، وہ پھر پلٹ گئی۔ ایسا تین بار ہُوا۔ آخر کار آپ نے چھری کو مضبوطی سے پکڑا اور زمین پر گھٹنے ٹیک کر پوری طاقت سے چلائی تو گلا کٹ گیا۔ خوش ہُوئے کہ قربانی کامیاب ہوگئی۔ خدا نے بھی فرمادیا، ''قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا'' (تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔)'' [۲] لیکن ابراہیم (علیہ السلام) نے جب اپنی آنکھوں سے پٹی کھولی تو دیکھا کہ وہاں ایک ذبح شدہ دُنبہ پڑا ہے اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) الگ کھڑے ہیں۔ ابراہیم (علیہ السلام) یہ دیکھ کر غمگین ہو گئے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہُوا، ''اے ابراہیم! پریشان نہ ہو، وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ (اور ہم نے تمھارے فدیہ کو ذبحِ عظیم سے بدل دیا ہے)۔ [۳] فضل بن شاذان کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا (علیہ السلام) کو یہ فرماتے ہُوئے سُنا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے بدلے دُنبہ بھیجا تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو ایک قلق سا محسوس ہُوا اور خواہش کی کہ کاش اِس دُنبے کی جگہ وہ اپنے جگر گوشے کو (خدا کی راہ میں) ذبح کرتے تو اُنھیں بہت بڑا درجہ نصیب ہوتا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا، ''ابراہیم! تمھیں میری تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟'' ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کی، ''پروردگار! تیری تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبت مجھے حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہے۔'' ارشادِ باری تعالیٰ ہُوا، ''یہ بتاؤ تمھیں خود سے زیادہ محبت ہے یا محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے؟'' عرض کی، ''آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''یہ بتاؤ تمھیں اپنے بیٹے سے زیادہ محبت ہے یا اُن کے بیٹے سے؟'' عرض کی، ''الٰہی! مجھے اُن کے بیٹے سے زیادہ محبت ہے۔'' پروردگارِ عالم نے فرمایا، ''یہ بتاؤ کہ تمھارا بیٹا میری اطاعت میں تمھارے ہاتھ سے ذبح ہوتو تمھارے دِل کو زیادہ تکلیف ہوگی یا اُن کا بیٹا دشمنوں کے ہاتھوں ظلم سے شہید ہو جائے تو؟'' عرض کی، ''پروردگار! اُن کے بیٹے کا دشمنوں کے ہاتھوں ظلم سے شہید ہو جانا میرے دِل کے لیے زیادہ تکلیف دِہ ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''ابراہیم (علیہ السلام)! ایک گروہ جو اپنے آپ کو اُمّتِ محمدی میں سے سمجھتا ہوگا، وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے

---

[۱] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱، ص ۲۹۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۶۲

[۲] سورۃ الصافات، آیت ۱۰۵

[۳] سورۃ الصافات، آیت ۱۰۷

(وصال کے) بعد اُن کے فرزند حسین (علیہ السلام) کو ظلم وستم سے اِس دُنبے کی طرح ذبح کرے گا اور اِس وجہ سے وہ میرے غضب کا حقدار بن جائے گا۔'' یہ سُن کر ابراہیم (علیہ السلام) کے دِل میں درد کی ایک لہر اُٹھی اور وہ رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''ابراہیم! میں نے تمھیں اسماعیل (علیہ السلام) کی بجائے حسین (علیہ السلام) کا غم دیا ہے۔ اگر تم اپنے فرزند کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے تو تمھیں اتنا قلق نہ ہوتا جتنا کہ حسین (علیہ السلام) کی شہادت کا سُن کر ہُوا ہے۔ پس میں نے تمھیں اہلِ مصائب کے بُلند ترین درجات کا مستحق ٹھہرایا ہے اور اس کا اجر تمھارے فدیے کو ذبحِ عظیم سے (بدل کر) دیا ہے۔'' [1]

روایت ہے کہ ایک دن حضرت ابراہیم (علیہ السلام) گھوڑے پر سوار ہو کر کربلا کے صحرا سے گزر رہے تھے کہ گھوڑا ٹھوکر کھا کر مُنھ کے بل گرا۔ ابراہیم (علیہ السلام) بھی گھوڑے سے گر پڑے۔ آپ کا سراقدس ایک پتھر سے ٹکرایا اور خون جاری ہوگیا۔ نبیِ خدا نے فوراً وِرد استغفار کیا اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ مالک! مجھ سے کیا گناہ سرزد ہُوا جس پر اس سزا کا مستحق ٹھہرا؟ اُس وقت جبرائیل (علیہ السلام) نازل ہُوئے اور پیغامِ خدا پہنچایا کہ آپ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہُوا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں امامُ الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نواسے اور علی ابنِ ابی طالب (علیہ السلام) کے فرزند امام حسین (علیہ السلام) کو نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کیا جائے گا۔ اللہ عزَّ وَجل نے چاہا کہ جہاں خونِ حسین (علیہ السلام) گرے وہاں آپ کا خون بھی شامل کر کے آپ کو غمِ حسین (علیہ السلام) میں شریک کرے۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے پوچھا کہ اُن کو کون شہید کرے گا۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے بتایا کہ اُس شقیُ القلب لعین کا نام یزید ہے۔ لوحِ محفوظ پر قلم نے اُس کے نام کے ساتھ علیہ لعنۃ لکھا ہے اور تمام مخلوقِ خدا بھی اُس پر لعنت کرتی ہے۔ پس، ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) نے بھی یزید پر لعنت بھیجی۔ [2]

حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کو خبر:

مروی ہے کہ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی بھیڑ بکریاں نہرِ فرات کے کنارے چرا کرتیں اور وہیں سے سیراب ہوتیں۔ ایک دن چرواہے نے اسماعیل (علیہ السلام) کو آگاہ کیا کہ کئی دن ہو گئے ہیں بکریاں پیاسی ہیں، میں اُنھیں لبِ نہر لے کر جاتا ہوں مگر وہ پانی نہیں پیتیں۔ اسماعیل (علیہ السلام) گوسفندان کے پاس تشریف لائے اور اس کی وجہ پوچھی تو وہ اذنِ خدا سے گویا ہوئیں کہ یا نبی اللہ! ہمیں معلوم ہُوا ہے کہ آپ کے فرزند اور نواسۂ رسولِ آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت امام حسین (علیہ السلام) اس نہر کے کنارے پیاسے شہید کئے جائیں گے۔ اُن کی مظلومیت اور پیاس سے ہم رنجیدہ ومحزون ہیں اور دِل نہیں چاہتا کہ

---

[1] شیخ ابی جعفر الصدوق محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا، ج ۱ ص ۳۶۸
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۶۶ تا ۶۷

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۸۳

جہاں حسین (علیہ السلام) پیاسے شہید ہوں ہم وہاں سے سیراب ہوں، چنانچہ ہم نے چاہا کہ پیاسی رہ کر آنجناب (علیہ السلام) کی موافقت کریں۔ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے پوچھا کہ کون بدبخت اُن کو شہید کرے گا؟ اُنھوں نے کہا کہ اُس کا نام یزید ہے اور تمام مخلوقِ خدا اُس پر لعنت کرتی ہے۔ یہ سُن کر حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے بھی یزید پر لعنت بھیجی۔ [۱]

حضرت سلیمان (علیہ السلام) کو خبر:

مروی ہے کہ اللہ کے نبی حضرت سلیمان (علیہ السلام) ایک دن اپنے تخت پر سوار محوِ پرواز تھے۔ اُڑتا ہُوا تختِ سلیمانی میدانِ کربلا کے اُوپر سے گزرا تو ہُوا میں ایک اضطراب سا پیدا ہُوا اور تختِ سلیمان ڈگمانے لگا۔ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کو گرنے کا خوف لاحق ہُوا تو ہوا ٹھہر گئی اور تخت کو میدان میں اُتار دیا۔ حضرت ہوا پر غضباک ہُوئے اور اس گستاخی کا سبب پوچھا۔ ہوا نے بصد احترام عرض کی کہ میرے اضطراب کی وجہ یہ تھی کہ اس زمین پر حسین (علیہ السلام) کو شہید کیا جائے گا۔ سلیمان (علیہ السلام) نے پوچھا کہ حسین (علیہ السلام) کون ہیں؟ ہوا نے کہا کہ حسین (علیہ السلام) نورِ چشمِ نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور فرزندِ علی ابنِ طالب (علیہ السلام) ہیں۔ پوچھا کہ اُن کا قاتل کون ہے؟ کہا، اُس ملعون کا نام یزید ہے اور سب اہلِ زمین و آسمان اُس شقیُ القلب پر لعنت بھیجتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے اپنے ہاتھ بلند کئے اور امامِ عالی مقام (علیہ السلام) کے قاتلوں پر لعنت کی اور تمام جنّوں، انسانوں اور جانوروں نے آمین کہی۔ لعنت کرتے ہی ہوا پھر سے چلنے لگی اور تختِ سلیمان بُلند ہوکر دوبارہ محوِ پرواز ہوگیا۔ [۲]

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو خبر:

منقول ہے کہ ایک دن نبی خدا حضرت موسیٰ کلیم اللہ (علیہ السلام) اپنے وصی حضرت یوشع بن نون کے ہمراہ صحرائے کربلا سے گزر رہے تھے کہ اُن کے نعلین کا بند ٹوٹ گیا اور پائے مبارک (کانٹوں کنکروں وغیرہ سے) زخمی ہو کر لہولہان ہو گئے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ معبود! کیا مجھ سے کوئی خطا سرزد ہوگئی ہے جس کی پاداش میں مجھے یہ رنج پہنچا ہے؟ حق تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! تم سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوئی۔ اس جگہ پر میرے محبوب محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرزند حسین ابنِ علی (علیہ السلام) شہید کیا جائے گا۔ اور میں نے چاہا کہ جہاں میرے برگزیدہ بندے حسین (علیہ السلام) کا خون گرے وہاں تیرا خون بھی شامل کر کے تجھے غمِ حسین (علیہ السلام) میں مبتلا کروں۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کی کہ مالک!

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۸۳ تا ۸۴

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۸۴

تیرے پیارے حسین (علیہ السلام) کو کون شہید کرے گا؟ ارشاد ہُوا کہ اُس کا قاتل یزید ہے جس پر میری تمام مخلوق لعنت بھیجتی ہے۔ چنانچہ موسیٰ (علیہ السلام) نے بھی ہاتھ بلند کر کے یزید پر لعنت بھیجی اور اُن کے وصی حضرت یوشع بن نون نے آمین کہی۔ [1]

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو خبر:

روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اپنے انصار کے ساتھ صحرائے کربلا سے گزرے تو ایک شیر اُن کی راہ میں حائل ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے شیر سے اس گستاخی کا سبب پوچھا تو وہ بحکمِ خدا گویا ہُوا کہ اس صحرا میں اللہ عزَّ وَجَل کے مقرب بندے حسین (علیہ السلام) کو شہید کیا جائے گا، چنانچہ آپ اُن کے قاتل پر لعنت بھیجئے۔ عیسیٰ (علیہ السلام) نے پوچھا کہ حسین (علیہ السلام) کون ہیں؟ شیر نے کہا کہ وہ علی ابنِ ابی طالب (علیہ السلام) کے فرزند اور نواسۂ رسولِ آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ عیسیٰ (علیہ السلام) نے پوچھا کہ اُن کا قاتل کون ہے؟ شیر نے اذنِ الٰہی سے عرض کی کہ اُن کا قاتل یزید ہے جس پر تمام مخلوقِ عالم لعنت بھیجتی ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے بھی ہاتھ بلند کر کے یزید پر لعنت کی اور آپ کے حواریوں نے آمین کہی۔ [2]

حضرت امام حسین (علیہ السلام) کو خبر:

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ زمانۂ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں کمسن حسین (علیہ السلام) نے مجھ سے فرمایا، "اے حذیفہ! بنی اُمیّہ میرے قتل پر متفق ہو کر جمع ہوں گے اور اُن کے لشکر کا سردار عمر بن سعد ہوگا۔" حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے حسین (علیہ السلام) سے پوچھا کہ کیا یہ خبر آپ کو رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دی ہے؟ فرمایا کہ نہیں۔ پس میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہُوا اور جو کچھ حسین (علیہ السلام) سے سُنا تھا بیان کیا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ حسین (علیہ السلام) کا علم میرا علم ہے اور میرا علم حسین (علیہ السلام) کا علم ہے اور جو کچھ واقع ہونے والا ہوتا ہے ہم اُسے جانتے ہیں۔ [3]

کعب الاحبار کی روایت:

کعب الاحبار کا اصل نام ابو اسحاق کعب بن ماتع حمیری تھا جبکہ احبار اُن کو ربی ہونے کی وجہ سے کہا جاتا تھا۔ اُن کا تعلق یمن کے قبیلہ ذوا کیلا سے تھا اور وہ ایک ممتاز یہودی عالم تھے مگر بعد میں اُنھوں نے یہودیت کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اہلِ سنت کے مطابق وہ دوسری اور تیسری خلافت کے زمانے میں ایک با اثر شخصیت تھے اور اُن کا شمار تابعین میں کیا جاتا ہے۔ اُنھوں نے بہت کم احادیث روایت کیں مگر اُن کو یہودی تاریخ پر عبور حاصل تھا اس لیے لوگ اُن سے بنی اسرائیل

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۸۴

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۸۵

[3] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۶۵

سے متعلق معلومات حاصل کیا کرتے تھے۔ اُنھیں کعب حبر بھی کہا جاتا ہے۔[1]

شیخ صدوق (رحمۃ اللہ علیہ) امالی میں کعب الاحبار سے نقل کرتے ہیں کہ اُنھوں نے اپنی کتابوں میں پڑھا کہ پیغمبرِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ایک فرزند راہِ خدا میں قتل کیا جائے گا، اور اُس کے اصحاب کے گھوڑوں کا پسینہ ابھی خشک نہیں ہوگا کہ وہ سب جنت میں داخل ہوں گے اور حورانِ بہشت سے معانقہ کریں گے۔ اسی اثنا میں حسن (علیہ السلام) کا اُدھر سے گزر ہُوا تو لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ کیا یہی وہ فرزندِ مصطفیٰ (علیہ السلام) ہیں؟ کعب الاحبار نے کہا کہ نہیں یہ وہ نہیں ہیں۔ پھر حسین (علیہ السلام) وہاں سے گزرے تو لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا یہ ہیں؟ کعب الاحبار بولے کہ ہاں! یہی ہیں۔[2]

امام حسین (علیہ السلام) کے قاتلوں سے اللہ کا انتقام

حضرت ابنِ عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، ''میری طرف اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی ہے اور اللہ نے فرمایا ہے کہ میں نے حضرت یحییٰ بن زکریا (علیہ السلام) کے (قتل کے) بدلے ستر ہزار افراد کو قتل کیا ہے جبکہ تیرے لختِ جگر (حسین علیہ السلام) کے (قتل کے) بدلے ایک لاکھ چالیس ہزار افراد (یعنی حسین علیہ السلام کے قاتلان اور اُن کے سہولت کار اور جو جو اس قتل سے خوش ہُوا) کو قتل کروں گا۔[3]

حاکمِ شام کا یزید کے لیے بیعت لینے کا منصوبہ

سن ۵۰ ہجری میں امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد سلسلۂ امامت امام حسین (علیہ السلام) کو منتقل ہُوا تو شام کے حکمران معاویہ نے اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو حاکم بنانے کے لیے منصوبہ بندی تیز کردی۔ بقولے، امام حسن (علیہ السلام) کی زندگی میں ہی وہ اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانے کا منصوبہ بنا چکا تھا لیکن اُس نے اپنے اس منصوبے کو خفیہ رکھا، اور امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت کے فوراً بعد اس پر عمل درآمد شروع کردیا۔[4] اور بروایتے، اُس نے امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت سے قبل ہی مدینہ آکر لوگوں سے یزید کی بیعت سے متعلق بات چیت شروع کردی تھی۔[5] اُن لوگوں میں عبداللہ بن

---

[1] آزاد دائرۃ المعارف وکی پیڈیا بحوالہ: علوم القرآن ج ۳ تفسیر کی تاریخ، مسلم از بکستان، خیر الدین زرکلی، الاعلام، ابنِ سعد ۷/ ۱۵۶

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۶۴

[3] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا، ص ۲۰

[4] یوسف بن عبداللہ بن محمد ابنِ عبدالبر، (متوفی: ۴۶۳ھ، شاطبہ، اندلس)، الاستیعاب، ج ۱ ص ۳۹۱

[5] ابن اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، تاریخ کامل ابن اثیر، ج ۳ ص ۵۳

احمد ابنِ ابو یعقوب ابنِ جعفر یعقوبی، (متوفی: ۸۹۷ء، بغداد، عراق)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۲۲۸

زبیر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر بھی شامل تھے، لیکن اُنھوں نے اس کی سخت مخالفت کی۔ [۱]

سیّد صدرالدین قزوینی لکھتے ہیں کہ معاویہ کی حکومت کو دو سال ہی گزرے تھے کہ اُسے اپنے بیٹے یزید کی خلافت کی راہ ہموار کرنے کا خیال آیا چنانچہ اُس نے اُسے ولی عہد نامزد کرتے ہُوئے لوگوں سے اُس کی بیعت کی خواستگاری شروع کر دی، اور اپنے عزائم میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لیے سب سے پہلے امام حسن مجتبیٰ (علیہ السلام) کو شہید کروایا اور اُن کی شہادت کے فوراً بعد اپنے منصوبے پر عمل درآمد تیز کر دیا۔ [۲] اُس نے شام میں یزید کی ولی عہدی پر بیعت کروالی اور ساتھ ہی مختلف شہروں میں بھی بیعت کرنے کے لیے حکم نامے بھیج دیے۔

حاکمِ شام کا انتقال سنہ ۶۰ ہجری میں ہُوا یعنی امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت کے دس سال بعد، اس لیے امام حسین (علیہ السلام) کی امامت کے ابتدائی دس سال اُس کی بادشاہی کے زمانے میں گزرے۔ ان دس سالوں میں لوگوں نے امام حسین (علیہ السلام) کو کئی خطوط لکھے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بھی عرض کی کہ اللہ نے آپ کو اسلاف کا عظیم ترین خلیفہ اور جانشین مقرر کیا ہے۔ ہم آپ کی پیروی کرنے والے لوگ ہیں اور آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ (یعنی اگر آپ حکم دیں تو ہم شام کے حاکم سے بغاوت کر کے اُس کا تختہ اُلٹ دیں۔) مگر امام عالی مقام (علیہ السلام) نے فرمایا کہ تم لوگ اپنی زمین سے وابستہ رہو اور اپنی خواہش کو اُس وقت تک دبائے رکھو جب تک کہ ابنِ ہند زندہ ہے۔ اُس کی موت کے بعد اگر میں زندہ رہا تو ان شاء اللہ اپنی رائے کا اظہار کروں گا۔ [۳]

یزید پلید

یزید بن معاویہ بن ابوسفیان بن حرب بن اُمیہ، دوسرا اُموی خلیفہ تھا۔ وہ ۲۳ جولائی ۶۴۵ء کو حضرت عثمان بن عفان کے زمانۂ خلافت میں پیدا ہُوا۔ اُس کی ماں کا نام میسون تھا اور وہ شام کی کلبیہ قبیلہ کی ایک مسیحی عورت تھی۔ [۴] بروایتے اُس کی ماں میسون بنتِ بحدل قبیلہ بنی حارثہ کے ایک صحرانشین خاندان سے تعلق رکھتی تھی جو معاویہ سے طلاق لینے کے بعد اپنے وطن لوٹ گئی۔ اُس وقت وہ حاملہ تھی یا یزید شیر خواری کی عمر میں تھا۔ [۵] یزید کا بچپن حُوّارین کے میسون نامی قبیلے میں گزرا جو قبل از

---

[۱] ابن قتیبہ دینوری، (متوفی: ۸۸۹ء، بغداد)، الامامۃ والسیاسۃ، ج ۱ ص ۱۸۳

[۲] آقائی صدرالدین قزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۵۰

[۳] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا، ص ۲۶ تا ۲۹

احمد بن یحیٰی بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۳۶۶

[۴] جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۲۹۶

[۵] شمس الدین ذہبی، (۱۳۴۸ھ)، تاریخ اسلام، ج ۵ ص ۲۷؛ خیر الدین زرکلی، (متوفی: ۱۹۷۶، قاہرہ، مصر)، الاعلام زرکلی، ج ۷ ص ۳۳۹

اسلام مسیحی اور بُت پرست تھا۔ اس بنا پر بعض محققین کا کہنا ہے کہ وہ مسیحیت سے متاثر تھا اور خلافت کی کرسی پر بیٹھنے کے بعد عیسائیوں کی حمایت، عیسائی شعرا کی اُس کے دربار میں موجودگی اور مغربی دُنیا سے اُس کے قریبی تعلقات ایسے شواہد ہیں جو اُس کی شخصیت پر عیسائیت کے اثرات کو ثابت کرتے ہیں۔

یزید کے دَور میں اُس کے حکم پر اُسی کی فوج نے کربلا میں نواسۂ رسول امام حسین (علیہ السلام) اور اُن کے احباب و اقارب کو نہایت بیدردی کے ساتھ شہید کیا اور اُن کی مستورات اور بچوں کو قیدی بنا کر مظالم کے پہاڑ توڑے۔ اُس کے باپ معاویہ نے خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کرتے ہُوئے اُسے اپنی زندگی میں ہی خلیفہ نامزد کر دیا تھا جب کہ اُس سے پہلے کسی بھی خلیفہ کے ہاں اپنے بیٹے کو نامزد کرنے کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا تھا۔ پس، یزید اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہُوا اور ۶۸۰ء سے ۶۸۳ء تک تقریباً چار سال حکومت کی۔

یزید کا دادا ابوسفیان تھا، اور دادی ہند بنتِ عتبہ تھی جس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچا حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو جنگِ اُحد میں دھوکے سے شہید کروا کے اُن کا جگر چبایا اور ''ہند جگر خوار'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ ابوسفیان اور ہندہ، فتحِ مکہ سے پہلے تک پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کھلم کھلا دشمن تھے۔ فتحِ مکہ کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مکہ میں موجود اپنے دشمنوں کو ''طُلَقا'' کا نام دیتے ہُوئے اُنھیں معاف کرنے کے علاوہ آزاد کر دیا۔ طُلَقا ایسے قیدیوں کو کہا جاتا ہے جو سزا کے مستحق ہوں لیکن اُنھیں آزاد کر دیا جائے۔ چنانچہ ''طُلَقا'' کا لیبل ہمیشہ کے لیے اُن کے ساتھ منسلک ہو گیا۔ [۱]

یزید تین سال اور آٹھ ماہ حکومت کرنے کے بعد ۱۴ ربیع الاوّل، ۶۴ ہجری میں واصلِ جہنم ہو گیا اور اُسے حُوّارین میں دفنایا گیا۔ موت کے وقت اُس کی عمر ۳۸ سال تھی۔ بروایتے ایک دن اُس نے اپنے بندر کو ایک وحشی گدھے پر سوار کیا تو گدھا سرپٹ دوڑ پڑا۔ یزید اُس وقت نشے کی حالت میں تھا، اُس نے بھی اپنی سواری کو بھگایا لیکن تیز رفتار گھوڑے سے نیچے گرا اور گردن ٹوٹ جانے سے ہلاک ہو گیا۔ [۲]

مُتعَدِّد مؤرخین نے یزید بن معاویہ کو نہایت فاسق و فاجر اور ہوس پرست لکھا ہے۔ [۳] ایک اسلامی مملکت کا وہ

---

[۱] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۳ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ۱۴۱۳ق، ج ۲، ص ۱۸
احمد بن یحییٰ بن جابر بن داوٗد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۶۴
ابوحنیفہ احمد بن داوٗد دینوری (متوفی: ۲۸۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال، ۱۳۶۸ش، ص ۲۲۱
شیخ محمد بن حسن طوسی، (متوفی: ۴۶۰ھ، نجف اشرف، عراق)، امالی، ۱۴۱۴ق، ص ۱۶۰
[۲] احمد بن یحییٰ بن جابر بن داوٗد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد) بلاذری، ج ۵، ص ۲۸۸
[۳] احمد بن یحییٰ بن جابر بن داوٗد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد) بلاذری، ج ۵، ص ۲۸۸
علی بن حسین بن علی مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر) مسعودی، ج ۳، ص ۶۸

پہلا حکمران تھا جو سرِ عام شراب خوری کرتا تھا۔ [۱] اُس کے دَورِ حکومت میں مکہ معظّمہ اور مدینہ طیبہ میں اُس کے کارندوں کے ذریعے سرِ عام شراب خوری اور فسق و فجور رواج پا چکے تھے۔ [۲] اُس کے لہو ولعب اور اسلامی اقدار کی پامالی کی شہرت اس قدر عام تھی کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) سمیت بعض مشہور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے اُس کے فسق و فجور اور سر عام گناہ کرنے کی تصریح کی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد جب معاویہ نے یزید کے لیے بیعت لینا چاہی تو اُسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور امام حسین (علیہ السلام) کے علاوہ عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر نے بھی اُس کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ یزید سے متعلق عبد اللہ بن عمر نے کہا کہ میں اُس کی بیعت کروں جو بندروں اور کتوں سے کھیلتا ہے؟ شراب پیتا ہے؟ اور کھلم کھلا گناہ کرتا ہے؟ خدا کے نزدیک ہمارا کیا بہانہ ہے؟ [۳] اور امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا، ''مجھ جیسا اُس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا۔'' [۴]

مخالفین کو تشویش

جیسا کہ اُوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد محبانِ اہل بیت (علیہم السلام) نے امام حسین (علیہ السلام) کو خطوط لکھنے شروع کر دیے تھے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بھی حاکمِ شام کی نام نہاد خلافت و بادشاہت کے خلاف قدم اُٹھانے کی اجازت مانگنا شروع کر دی تھی تو لوگوں کا یہ اضطراب حاکمِ شام کے وفاداروں کو بھی مضطرب کرنے لگا چنانچہ عمرو بن عثمان بن عفان نے مدینہ کے گورنر مروان بن حکم کو اس سے آگاہ کیا۔ مروان نے فوراً شام کے حاکم کو بذریعہ خط شکایت کی تو اُس نے جواب میں لکھا کہ جب تک حسین (علیہ السلام) ہمارے مقابل نہ آ جائیں اور اپنی دشمنی کھُل کر ظاہر نہ کریں اُن سے کوئی تعرض نہ کرو البتہ اُن کی نگرانی کرتے رہو۔ [۵] ایک خط اُس نے امام حسین (علیہ السلام) کو بھی ارسال کیا جس کا مضمون کچھ یوں تھا، ''مجھے تمھارے متعلق کچھ خبریں ملی ہیں جن کی مجھے تم سے اُمید نہیں تھی۔ اگر وہ غلط ہیں تو تم نے اپنی حیثیت کا خیال رکھا اور اللہ کے عہد و پیمان پر قائم رہے اور اگر وہ درست ہیں تو مجھے تم سے اس کی اُمید نہیں تھی لہٰذا جان لو کہ تمھیں ایسے معاملات سے

[۱] احمد بن یحییٰ بن جابر بن داوٗد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد) بلاذری، ج ۵ ص ۲۸۸
[۲] علی بن حسین بن علی مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر) مسعودی، ج ۳ ص ۶۸
[۳] احمد ابنِ ابو یعقوب ابنِ جعفر یعقوبی، (متوفی: ۸۹۷ء، بغداد، عراق)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۱۶۰
[۴] سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق) مقتل لہوف، ص ۲۲ تا ۲۴؛ فہری، الھوف علیٰ قتل الطفوف، (ترجمہ فہری)، ص ۲۳
ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، تاریخ طبری، ج ۷ ص ۲۱۸؛ علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۴۴ ص ۳۲۵
[۵] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا
احمد بن یحییٰ بن جابر بن داوٗد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۳۶۷
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۵۳

دُور ہی رہنا چاہیے۔ ایسا کوئی کام نہ کرنا جو مجھے روابط قطع کرنے اور تمھارے ساتھ سخت اور بُرا سلوک کرنے پر آمادہ کرے۔ پس اے حسین! مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے سے ڈرو اور انھیں مبتلائے فتنہ نہ کرو۔''

اس خط کے جواب میں امام حسین (علیہ السلام) نے اُسے لکھا، ''مجھے تمھارا خط ملا جس میں تم نے لکھا ہے کہ تمھیں میرے متعلق ایسی خبریں ملی ہیں جو تمھیں پسند نہیں آئیں اور مجھے اُن سے دُور رہنا چاہیے۔ یقیناً اللہ ہی تو ہے جو نیکیوں کی طرف ہدایت کرتا ہے اور ان کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ اور جان لو کہ یہ خبریں تمھارے خوشامدی اور چغل خور لوگوں کی اُڑائی ہوئی ہیں جو گمراہ اور جھوٹے ہیں۔ میں تم سے جنگ کا ارادہ رکھتا ہوں نہ مخاصمت و مخالفت کا، لیکن اس ترکِ مخاصمت و جنگ میں اللہ سے ڈرتا ہوں کیونکہ تمھیں اور تمھارے ظالم ساتھیوں کو چھوڑ دینے کا کوئی عذر بھی تو نہیں ہے۔ کیا تم نے نمازی اور عبادت گزار حجر بن عدی کندی (رضی اللہ عنہ) اور اُن کے ساتھیوں کو قتل نہیں کیا؟ وہ ظلم کے منکر اور بدعت کو گناہِ عظیم سمجھتے تھے اور اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر کیا کرتے تھے۔ وہ اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے سے نہیں ڈرتے تھے۔ تم نے اُنھیں ظلم وستم کے ساتھ قتل کر دیا حالانکہ تم نے قسمیں کھائی تھیں اور مضبوط عہد و پیمان بھی کیے تھے۔ لیکن تم نے اللہ پر جرأت کی اور اُس کے عہد کو توڑا۔ اور کیا تم عمرو بن حمق خزاعی (رضی اللہ عنہ) کے قاتل نہیں ہو، جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابی تھے؛ کثرتِ عبادت کی وجہ سے اُن کا جسم لاغر ہو گیا تھا، طاقت زائل ہو گئی تھی اور رنگت زرد پڑ گئی تھی۔ تم نے تو اُن کو اتنی مستحکم امان دی تھی کہ اگر وحشی جانوروں کو ایسا یقین دلایا جائے تو وہ بھی مطمئن ہو کر پہاڑوں سے نیچے اُتر آئیں۔ اور کیا تم نے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ زیاد بن سمیّہ تمھارے باپ کا بیٹا ہے حالانکہ وہ عبید ثقفی کے بستر پر پیدا ہُوا تھا؛ جب کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان ہے کہ لڑکا اُسی کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، اور بدکار کے لیے پتھر ہیں (یعنی بدکار کی سزا سنگساری ہے)۔ تو کیا تم نے جان بوجھ کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سُنت کو ترک نہیں کیا؟ اور اللہ کی ہدایت کو پسِ پشت ڈال کر اپنے نفس کی پیروی نہیں کی؟ اور پھر تم نے زیاد کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا کہ وہ اُنھیں قتل کرے، اُن کے ہاتھ پاؤں قطع کرے، اُن کی آنکھیں نکال دے اور اُنھیں درختوں پر سُولی چڑھا دے۔ گویا تم اس اُمّت سے نہیں تھے اور اُن لوگوں کا تم سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ اور کیا تم اُس حضرمی کے قاتل نہیں ہو جس کے بارے میں زیاد نے تمھیں لکھا تھا کہ وہ علی (علیہ السلام) کے دِین پر ہے۔ تو تم نے اُسے لکھا کہ جو بھی علی (علیہ السلام) کے دِین پر ہو اُسے قتل کر دو۔ چنانچہ زیاد نے اُنھیں قتل کر ڈالا اور اُن کی نعش کو مُسخ کیا۔ علی (علیہ السلام) کا دِین تو اُن کے چچازاد بھائی (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دِین ہے جس کا سہارا لے کر تم آج اس مقام (مقامِ حکومت) پر بیٹھے ہُوئے ہو۔ اگر یہ نہ ہوتا تو تمھاری اور تمھارے آبا وَ اجداد کی ساری (نام نہاد) شرافت سرما اور گرما کے سفروں کی نذر ہو جاتی۔ اور یہ جو تم نے کہا ہے کہ اپنی ذات، اپنے دِین اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمّت کا خیال رکھو اور اُمّت کے اتحاد کو پارہ پارہ نہ کرو اور اُنھیں فتنے میں مت ڈالو؛ تو سب سے بڑا فتنہ تو یہ ہے کہ تم اس اُمّت کے والی بنے ہُوئے ہو۔ میں اپنی ذات، اپنے دِین اور اُمّت کے

لیے اس سے افضل کوئی عمل نہیں دیکھتا کہ تمھارے مقابل کھڑا ہو جاؤں۔ اگر میں ایسا کروں گا تو رضائے الٰہی کے لیے کروں گا ،اور اگر نہ کروں تو اپنی کوتاہی پر اللہ کی بارگاہ میں استغفار کروں گا اور دُعا کروں گا کہ وہ مجھے توفیق عطا فرمائے اور اس اَمر کی ہدایت نصیب کرے۔ تم نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر میں تمھارا انکار کروں گا تو تم میرا انکار کرو گے اور اگر میں تمھارے ساتھ کوئی چال چلوں گا تو تم بھی میرے ساتھ چال چلو گے۔ تو تم میرے خلاف جو بھی چال چل سکتے ہو چلو، اس لیے کہ مجھے اُمید ہے کہ تمھارا کوئی بھی مکروفریب مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا بلکہ تمھارا مکر کسی دوسرے کی بجائے صرف تمھارے لیے ہی بہت بڑے نقصان کا باعث ہوگا۔ اس لیے کہ تم جہالت کی سواری پر سوار ہو اور عہد شکنی کے حریص ہو۔ میری جان کی قسم تم نے ایک شرط کے ساتھ بھی وفا نہیں کی۔ تم نے صلح، قسم اور عہد و پیمان کے بعد اُن لوگوں کو قتل کر کے اپنے عہد کو توڑ ڈالا ہے۔ اُنھوں نے تو کسی سے جنگ کی تھی نہ کسی کو قتل کیا تھا پھر بھی تم نے اُن لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ تم نے اُنھیں صرف اس لیے قتل کیا کہ وہ ہمارے فضائل بیان کرتے تھے اور ہمارے حق کا احترام کرتے تھے۔ تم جس چیز سے خوف زدہ تھے وہ یہ تھی کہ اگر تم اُنھیں قتل نہیں کرو گے تو شاید اُن سے پہلے خود مر جاؤ گے یا اگر وہ پہلے مر گئے تو تم اُنھیں قتل کرنے سے محروم ہو جاؤ گے۔ پس تمھیں قصاص کی بشارت ہو اور حساب (کے دن) پر یقین رکھو، اور یہ جان لو کہ اللہ کی ایک کتاب ہے جو کسی چھوٹی یا بڑی چیز کو نہیں چھوڑتی اور ہر چیز کا حساب رکھتی ہے۔ اور اللہ تمھاری اس بات کو فراموش نہیں کرے گا کہ تم بدگمانی پر لوگوں کو پکڑتے ہو اور دوستانِ خدا کو صرف تہمت پر قتل کر دیتے ہو، اور لوگوں کو اُن کے گھروں سے نکال کر دُور دراز بھیج دیتے ہو، اور اپنے بیٹے کے لیے لوگوں سے بیعت لیتے ہو جو شراب خور اور کتوں سے کھیلنے والا ہے۔ میں تو تمھارے بارے میں صرف یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم نے خود کو خسارے میں ڈالا ہے، اپنے دِین کو برباد کر دیا ہے۔ تم نے اپنی رعایا کو دھوکے میں رکھا ہے، تم نے ایک بے عقل کی بات پر کان دھرا ہے، اور تم نے ایک متقی اور پرہیزگار شخص کو ڈرایا دھمکایا ہے۔[1]

مروان بن حکم

مروان بن حکم بن ابی العاص بن اُمیّہ، اُموی حکومت کا چوتھا اور مروانی سلسلہ کا پہلا خلیفہ تھا۔ جبی بن مطعم سے روایت ہے کہ ہم لوگ پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت میں حاضر تھے کہ اُدھر سے حکم (مروان کا باپ) گزرا۔ اُسے دیکھ کر

[1] احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۶۴
ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری (متوفی: ۲۸۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال، ۱۳۶۸ش، ص ۲۲۱
شیخ محمد بن حسن طوسی، (متوفی: ۴۶۰ھ، نجف اشرف، عراق)، امالی، ۱۴۱۴ق، ص ۱۶۰
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ۱۴۱۳ق، ج ۲ ص ۱۸
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۵۴ تا ۵۶

رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اس کے صُلب میں جو بچہ ہے اُس سے میری اُمّت عذاب اور پریشانی میں مبتلا ہوگی۔ عبد الرحمان بن عوف سے روایت ہے کہ جب مروان پیدا ہُوا تو مدینہ کے اُس وقت کے رواج کے مطابق اُسے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں لایا گیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُسے دیکھ کر فرمایا یہ ملعون ابنِ ملعون ہے۔ [۱]

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مروان کے باپ حکم بن ابی العاص بن اُمیّہ کو قریش کے سرداروں کے پاس جا کر مسلمانوں کے راز افشا کرنے کے جرم میں مدینہ سے نکال دیا تھا اور اُس پر لعنت کی تھی۔ [۲] اسی وجہ سے وہ علمائے اہلِ سنت کے نزدیک بھی صحابہ میں شمار نہیں ہوتا ہے۔ شہر بدری کے بعد مروان اپنے باپ کے ہمراہ طائف میں ساکن ہو گیا اور پہلی دونوں خلافتوں کے زمانے میں بھی اُسی طرح مدینہ بدر رہا۔ [۳] لیکن تیسری خلافت کے آغاز میں اپنے باپ کے ہمراہ مدینہ واپس لوٹ آیا۔ [۴] یا بلا لیا گیا اور خلیفہ کے خواص میں شمار ہونے لگا حتیٰ کہ اُن کا کاتب مقرر ہو گیا۔ [۵] نیز اُن کا داماد بھی بن گیا۔ [۶] مروان پر خلیفہ کو بہت اعتماد تھا اس لیے اُس نے کسی طرح مُہرِ خلافت حاصل کر لی چنانچہ خلیفہ کے خلاف فسادیوں کی شورش کے پس منظر میں مصر کے حاکم سے منسوب جعلی خط کی ذمہ داری بھی اُسی پر عائد کی جاتی ہے۔ خلیفہ کی شہادت کے بعد مروان مدینہ چھوڑ کر بھاگ نکلا اور معاویہ کے ساتھ جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں حضرت علی (علیہ السلام) کے خلاف لڑا۔ معاویہ کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد اُسے مدینہ کا گورنر بنایا گیا جہاں وہ جمعہ کے دن حضرت علی (علیہ السلام) اور حضرت امام حسن مجتبیٰ (علیہ السلام) پر سب وشتم کرتا تھا۔ [۷]

مروان نے حضرت امام حسن (علیہ السلام) کے جسدِ مبارک کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قبرِ اطہر کے پاس دفن ہونے میں بھی رکاوٹ پیدا کی اور یزید کی بیعت نہ کرنے پر حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ مجادلہ بھی کیا۔ یزید کے بیٹے معاویہ ثانی کے خلافت سے کنارہ کش ہونے کے بعد وہ خلافت کی مسند تک جا پہنچا اور دس مہینے حکومت کرنے کے بعد سنہ ۶۵ ہجری میں اپنی بیوی کے ہاتھوں مسموم ہو کر مارا گیا۔ [۸]

---

[۱] احمد بن محمد المعروف ابنِ حجر ہیثمی، (متوفی: ۹۷۴ھ)، صواعق المحرقہ، ص ۱۰۸
[۲] ابن عبدالبر القرطبی، (متوفی: ۱۰۷۱ء، شاتبہ، اندلس)، الاستیعاب، ۱۴۱۲ اق، ج ۳ ص ۱۳۸۷
[۳] ابن عبدالبر القرطبی، (متوفی: ۱۰۷۱ء، شاتبہ، اندلس)، الاستیعاب، ۱۴۱۲ اق، ج ا ص ۳۵۹، ۳۶۰
[۴] خیر الدین زرکلی، (متوفی: ۱۹۷۶، قاہرہ، مصر)، الاعلام زرکلی، ۱۹۸۹ء، ج ۷ ص ۲۰۷
[۵] ابن حجر عسقلانی، (متوفی: ۱۴۴۹ء، قاہرہ، مصر)، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج ۴ ص ۳۷۹
[۶] ابنِ حجر عسقلانی، (متوفی: ۱۴۴۹ء، قاہرہ، مصر)، الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ا ص ۳۴۰
[۷] آقائی صدرالدین قزوینی، ریاض القدس، ج ا ص ۶۰
[۸] ابن اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، اسد الغابہ، ۱۴۰۹ اق، ج ۴ ص ۳۶۸

وفاتِ معاویہ اور یزید کا خط

رجب، ۶۰ ہجری میں معاویہ بن سفیان کی وفات کے بعد اُس کا بدکردار بیٹا یزید حاکم بن گیا۔ اُس وقت مدینہ کا گورنر ولید بن عقبہ تھا۔ یزید نے اُسے خط لکھا کہ تمام اہلِ مدینہ سے بالعموم اور حسین ابنِ علی (علیہ السّلام) سے بالخصوص میرے لیے بیعت لو، اور انکار کی صورت میں اُن کا سرتن سے جُدا کر کے میرے پاس روانہ کرو۔ ولید نے مروان کو طلب کر کے اس سلسلے میں اُس کی رائے چاہی تو اُس نے کہا کہ حسین (علیہ السّلام) اس ذلّت کو قبول نہیں کریں گے۔ وہ یزید کی بیعت کبھی نہیں کریں گے اس لیے اگر میں تمھاری جگہ ہوتا تو فوراً اُن کو قتل کر دیتا۔ چنانچہ ولید نے اُسی شب امام حسین (علیہ السّلام) کو طلب کیا تو آپ تیس مسلح جوانوں کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم سب دروازے پر رکو میں اکیلا جاتا ہوں، اگر میری آواز بلند ہو تو میرے پیچھے چلے آنا۔ پس آپ (علیہ السّلام) اندر تشریف لے گئے۔ وہاں مروان اور ولید دونوں موجود تھے۔ ولید نے آپ کو معاویہ کی موت اور یزید کی تخت نشینی کی اطلاع دیتے ہُوئے یزید کا خط پڑھ کر سنایا اور اُس کی بیعت کا مطالبہ کیا۔ امام حسین (علیہ السّلام) نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم خفیہ بیعت پر اعلانیہ کو ترجیح دو گے۔ اُس نے کہا کہ جی ہاں۔ آپ (علیہ السّلام) نے فرمایا کہ پھر تم صبح کے وقت مجھے اور دیگر لوگوں کو مدعو کرو۔ میں جو مناسب سمجھوں گا جواب دوں گا اور تم بھی سوچ بچار کر لو اور ہم میں سے جو لائقِ خلافت ہو اُس کی بیعت کر لینا۔ ولید نے کہا کہ ٹھیک ہے، آپ سے کل لوگوں کے درمیان ملاقات ہوگی، خدا حافظ۔ مروان نے ولید سے کہا کہ حسین (علیہ السّلام) کو مت جانے دو۔ اگر تم نے اس وقت بیعت نہ لی تو پھر کبھی بھی نہ لے سکو گے۔ اس وقت یہ تمھارے قابو میں ہیں اس لیے بیعت لے لو اور اگر انکار کریں تو فوراً اُن کا سرتن سے جُدا کر دو۔ امام (علیہ السّلام) نے غضب ناک ہو کر مروان سے کہا، ''کیا تو میرے قتل کا مشورہ دیتا ہے؟ خدا کی قسم تُو جھوٹا ہے۔ تُو یا وہ، کوئی بھی میرے قتل پر قادر نہیں۔'' آپ (علیہ السّلام) پھر ولید سے مخاطب ہُوئے اور فرمایا، ''ہم اہلِ بیتِ نبوّت اور مخزنِ رسالت ہیں اور ہمارے گھر میں ملائکہ کی آمد و رفت رہتی ہے۔ ہماری ہی خاطر خداوند کریم نے اپنی رحمت کو لوگوں پر وسیع کیا ہے اور ہماری ہی وجہ سے اس رحمت کا اختتام ہوگا۔ لیکن یزید فاسق، شرابی، محترم جانوں کا قاتل اور اعلانیہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والا ہے۔ مجھ جیسا اُس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا۔ تم بھی رات گزارو اور ہم بھی رات گزارتے ہیں۔ تم صبح تک اس بارے میں خوب سوچو اور ہم بھی غور کرتے ہیں کہ ہم میں سے کون مقامِ خلافت کا زیادہ حقدار ہے؟'' یہ فرما کر امام حسین (علیہ السّلام) ولید کے گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ یہ ۲۷ رجب کی شب تھی۔ دروازے پر موجود امام حسین (علیہ السّلام) کے ساتھیوں نے آپ کی آواز سنی تو تلواریں سونت کر دروازہ کھولنا ہی چاہتے تھے کہ آپ باہر تشریف لے آئے اور اُنھیں روک کر واپس بھیج دیا اور خود بھی اپنے گھر روانہ ہو گئے۔ امام حسین (علیہ السّلام) کے چلے جانے کے بعد مروان نے ولید سے کہا کہ تم نے میری بات نہیں مانی

اب تم انھیں قابو نہیں کر سکو گے۔ [۱]

اگلی صبح امام حسین (علیہ السلام) گھر سے باہر تشریف لائے تو مروان سے سامنا ہو گیا۔ اُس نے کہا، ''میری نصیحت قبول کر کے یزید کی بیعت کر لیجیے کہ یہی آپ کے دِین و دُنیا کے لیے بہتر ہے۔'' امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا، ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ'' اسلام کے اُس حال پر افسوس کہ جب پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اُمّت کی خلافت یزید جیسے کے ہاتھوں میں ہو۔ میں نے اپنے جدِ امجد جناب رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو فرماتے ہُوئے سُنا ہے کہ ابوسفیان کے خاندان پر خلافت حرام ہے۔'' امام عالی مقام (علیہ السلام) اور مروان کے دوران طویل مُباحثہ ہُوا یہاں تک کہ وہ غضبناک ہو کر چلا گیا۔ [۲]

الوداعِ مدینہ

روزِ شنبہ تمام ہُوا تو امام (علیہ السلام) کی خدمت میں ولید کا قاصد پہنچ گیا۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا، ''اُسے کہو کہ صبر کرے، میں رات بھر غور و فکر کروں گا۔'' اُس رات یعنی شبِ اوّل آپ (علیہ السلام) وداع کے ارادے سے رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی قبرِ اقدس پر حاضر ہُوئے اور تادیر عبادتِ الٰہی، خشوع و خضوع اور گریہ زاری میں مصروف رہے۔ روایت ہے کہ آپ (علیہ السلام) اگلی رات دوبارہ گئے اور نماز ادا کی۔ وہیں آنکھ لگ گئی اور خواب میں رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو دیکھا۔ رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے آپ کو اپنی آغوشِ مبارک میں لے کر پیشانی پر بوسہ دیا اور روتے ہُوئے فرمایا، ''میرے بیٹے! میرے ماں باپ تم پر قربان، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میری اُمّت کے اشقیا کے درمیان لہولہان ہو۔ میرے اُمّتی مجھ سے شفاعت کی اُمید رکھتے ہیں مگر خدا کے ہاں ظالموں کا کوئی حصّہ نہیں۔ میرے فرزند! تم بہت جلد اپنے ماں باپ اور بھائی کے پاس آؤ گے، وہ تمھارے مشتاق ہیں اور بہشتِ جاوداں میں تمھارے لیے ایسے درجات ہیں جن پر تم شہادت کے بعد ہی فائز ہو سکتے ہو۔'' امام حسین (علیہ السلام) مغموم و محزون بیدار ہُوئے اور گھر جا کر یہ خوابِ پریشان اپنے اہلِ خانہ کو سنایا اور عازمِ سفر ہو گئے۔ بروایتے، آپ رخصت سے پہلے اپنی والدہ ماجدہ جناب فاطمۃ الزہرا (علیہا السلام) اور بھائی امام حسن (علیہ السلام) کی قبور پر بھی گئے۔ [۳]

---

[۱] سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ۶۶۴ ھ، حلہ، عراق)، مقتل لہوف، ص ۲۲ تا ۲۴
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ اصفہان، ایران)، جلاء العیون، ج ۲ ص ۱۸۳؛ بحار الانوار، ج ۱۰ حصّہ اوّل، ص ۱۴۵
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، عراق)، تاریخ طبری، ج ۷ ص ۲۱۸؛ فہری، الہوف علی قتل الطفوف، (ترجمہ فہری)، ص ۲۳
علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء)، حدیثِ کربلا ص ۵۲ بحوالہ: احمد بن ابومحمد بن علی اعثم کوفی، (متوفی: ۹۲۶ء)، الفتوح، ج ۵ ص ۱۴
[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۴۷
[۳] سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ۶۶۴ ھ، حلہ، عراق)، مقتل لہوف، ص ۲۲ تا ۲۴
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۴۹

یوں بھی روایت ہے کہ آپ (علیہ السلام) رات کے وقت اپنی مادرِ گرامی کی قبر پر تشریف لے گئے، وہاں نماز ادا کی اور وداع کیا پھر اپنے بھائی حسن (علیہ السلام) کی قبر پر آئے اور وداع کیا۔[1] فاضل یزدی کے مطابق امام حسین (علیہ السلام) جب والدہ محترمہ کی قبرِ اطہر پر آئے تو سلام کیا اور کہا کہ اے مادرِ گرامی! آپ کا حسین آپ سے رخصت ہونے آیا ہے۔ یہ آپ کی آخری زیارت ہے۔ قبرِ مطہر سے جواب آیا، ''اے ماں کے مظلوم، شہید اور غریب الوطن بیٹے! تجھ پر بھی ماں کا سلام ہو۔'' اُس وقت امام (علیہ السلام) پر گریہ طاری ہو گیا اور آپ روتے ہُوئے بھائی کی قبر پر آئے اور اُنھیں بھی الوداع کہا۔[2]

کچھ مآخذ کے مطابق امام (علیہ السلام) تیسری بار بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قبرِ اطہر پر تشریف لے گئے۔ تیسری بار بھی خواب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آپ کی ملاقات کا ذکر ہے اور خواب بھی تقریباً وہی ہے جو پہلی ملاقات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اس لیے گمان ہے کہ بعض ذرائع نے خواب والی ملاقات کو دوسری اور کچھ نے تیسری لکھا ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ (تیسری مرتبہ) آپ (علیہ السلام) نے قبرِ مطہر پر حاضری دی اور عرض کی، ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، مجھے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے زبردستی نکالا جا رہا ہے، اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اور میرے درمیان جدائی ڈالی جا رہی ہے، اور شرابی اور فاسق و فاجر یزید بن معاویہ کی بیعت لینے کے لیے مجھ سے زبردستی کی جا رہی ہے۔ اگر میں یہ بیعت قبول کر لوں تو کفر ہے اور اگر اس سے انکار کروں تو قتل کر دیا جاؤں گا۔ اس لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاں سے جا رہا ہوں۔ میری طرف سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر سلام ہو۔'' اُس وقت آپ (علیہ السلام) پر غنودگی طاری ہوگئی اور آپ نے خواب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھا جو فرما رہے تھے، ''میرے بیٹے! تمھارے والدین اور بھائی دارِ آخرت میں میرے ساتھ ہیں۔ ہم تمھارے مشتاق ہیں۔ ہمارے پاس آنے میں جلدی کرو اور یہ جان لو کہ تمھارے لیے جنت میں ایک ایسا درجہ ہے جو تمھیں شہادت کے بغیر نہیں ملے گا، اور تمھارا ہمارے پاس آنا قریب ہے۔[3] امام (علیہ السلام) خواب سے بیدار ہُوئے تو گھر تشریف لائے اور اپنے اہلِ خانہ کو تمام صورتِ حال اور خواب سے مطلع کرتے ہُوئے مدینہ چھوڑنے کے فیصلے سے آگاہ فرمایا۔[4] اہلِ بیت (علیہم السلام) کے درمیان بے چینی اور رنج و غم کی کیفیت پیدا ہوگئی، اور وہ سب آپ (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

---

[1] علامہ طالب جوہری، حدیثِ کربلا، ص ۵۶ بحوالہ: احمد بن ابو محمد بن علی اعثم کوفی، (متوفی: ۹۲۶ء)، الفتوح، ج ۵ ص ۱۹
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۱۴۹

[2] طالب جوہری، حدیثِ کربلا، ص ۵۷ بحوالہ: محمد مہدی تنکابنی، ریاض المصائب، ج ۲ ص ۲۲؛ حسن بن محمد علی یزدی، مہیج الاحزان، ص ۲۴
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۱۴۹

[3] سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، مقتل لہوف ص ۲۲ تا ۲۴؛ علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، جلاء العیون، ج ۲ ص ۱۸۴

[4] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء)، حدیثِ کربلا، ص ۵۶ بحوالہ: احمد بن ابو محمد بن علی اعثم کوفی، (متوفی: ۹۲۶ء)، الفتوح، ج ۵ ص ۱۹
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۱۵۰

مستوراتِ بنی ہاشم کی آمد:

خاندانِ بنی ہاشم کی خواتین گریہ وزاری کرتی ہوئی حاضر ہوئیں تو آپ (علیہ السلام) نے اُن کی آہ وبُکا سُن کر اُنھیں ایسا کرنے سے منع کیا اور فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ نالہ وفریاد (مقصدِ عظیم میں مانع ہو کر) اللہ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نافرمانی کا سبب بن جائے۔'' اُنھوں نے کہا کہ ہم ایسا کیسے نہ کریں کہ آج کا دن تو رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور علی و فاطمہ (علیہما السّلام) کی رِحلت جیسا المناک ہے۔ امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا،''جو تقدیر میں ہے وہ تو بہر حال ہونا ہی ہے۔'' [۱]

اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) کی آمد:

حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) تشریف لائیں اور کہا کہ اے میرے بیٹے! مجھے اپنے سفر سے غمزدہ نہ کرو کیونکہ میں نے تمھارے نانا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بار بار فرماتے ہُوئے سنا ہے کہ میرا فرزند دلبند حسین (علیہ السلام) سرزمینِ عراق پر جس کا نام کربلا ہے، اہلِ کفر ونفاق کی تیغِ ظلم وجبر سے شہید کیا جائے گا۔ امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے مادرِ گرامی! میں خوب جانتا ہوں مگر وہاں جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ یہ حکمِ خدا ہے جس کی مجھے تعمیل کرنا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ کس روز کس جگہ اور کس کے ہاتھوں شہید کیا جاؤں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ میری جائے مدفن کونسی ہے۔ میرے جو اہلِ بیت اور عزیز وہاں شہید ہوں گے میں اُن کو بھی جانتا ہوں۔ اے مادرِ گرامی! اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھادوں جہاں مجھے شہید اور دفن کیا جائے گا؟ یہ فرما کر امام (علیہ السلام) نے اپنے دستِ مبارک سے کربلا کی طرف اشارہ کیا اور آپ کے اعجاز سے لشکر کی جگہ، آپ کے اور آپ کے اصحاب کے شہید ہونے کے مقام اور مدفن حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) کو نظر آنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر وہ نالہ وفغاں کرنے لگیں۔ امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے مادرِ گرامی! یہی حکمِ خدا ہے کہ میں اپنے بیٹوں اور عزیز واقارب کے ساتھ اس جگہ ظلم وستم سے شہید کیا جاؤں، میرے اہلِ بیت، مُخدَّرات اور بچے قید کر کے شہر شہر پھرائے جائیں، اور ہر چند فریاد اور استغاثہ کریں لیکن کوئی حامی ومددگار نہ پائیں۔ [۲]

جابر بن عبداللہ انصاری (رضی اللہ عنہ) کی آمد:

روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاری (رضی اللہ عنہ) بھی امام حسین (علیہ السلام) کی

---

[۱] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۳ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۳۰

[۲] سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، مقتل لہوف، ص ۲۲ تا ۲۴

علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۱۴۱؛ ۱۵۳

خدمت میں حاضر ہُوئے اور عرض کی، ''آپ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فرزندوں میں سے ایک ہیں۔ میرا خیال ہے کہ جس طرح آپ کے بھائی امام حسن (علیہ السلام) نے معاویہ سے (اپنی شرائط پر) صلح کی اور اُن کی جان بچ گئی اور اُنھوں نے اطمینان سے زندگی گزاری اُسی طرح آپ بھی خلیفۂ وقت سے صلح کر کے مدینہ میں آرام سے زندگی گزاریں۔'' امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا، ''میرے بھائی نے جو کیا وہ اُس وقت کی مناسبت سے اللہ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم کے مطابق تھا لیکن میرا عمل میرے زمانے کی مناسبت سے ہے جسے میں اللہ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم کے مطابق سرانجام دے رہا ہوں... الخ۔ [1]

بھائی عمر بن علی (رضی اللہ عنہ) کی آمد:

عمر بن علی (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کی، ''یا ابا عبداللہ (علیہ السلام)! بھائی امام حسن (علیہ السلام) نے والدِ گرامی امام علی (علیہ السلام) سے نقل کیا ہے کہ...'' ابھی میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ میری آواز بھرا گئی، میں رونے لگا اور اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔ امام (علیہ السلام) نے مجھے سینے سے لگایا اور فرمایا، ''کیا اُنھوں نے تم سے یہی کہا تھا کہ میں شہید کر دیا جاؤں گا؟'' میں نے عرض کی، ''موت آپ سے دُور رہے۔'' امام (علیہ السلام) نے دوبارہ پوچھا، ''کیا میرے قتل کی خبر دی تھی؟'' میں نے کہا، ''ہاں، کاش آپ یزید کی بیعت کر لیتے۔'' امام (علیہ السلام) نے فرمایا، ''امیرالمومنین (علیہ السلام) نے مجھے بھی بتایا تھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اور میرے والد کو شہید کیا جائے گا اور میری قبر میرے والدِ گرامی کی قبر کے قریب ہوگی۔ کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ جو تمھیں معلوم ہے وہ مجھے معلوم نہیں؟'' [2]

بھائی محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) کی آمد:

امام حسین (علیہ السلام) کی رخصت کی خبر اہلِ بیتِ اطہار کے تمام گھروں میں پہنچ گئی تھی۔ کوئی گھر ایسا نہیں تھا جہاں غم و اندوہ کا عالم نہ ہو اور جہاں سے کوئی آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہُوا ہو۔ چنانچہ آپ کے بھائی محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) بھی آپ سے ملنے آئے۔ (محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ حضرت علی (علیہ السلام) اور خولہ حنفیہ بنتِ جعفر بن قیس کے فرزند اور پہلے درجے کے تابعین میں سے تھے۔ خلیفہ دُوم کے دَورِ حکومت میں ۱۶ ہجری میں مُتوَلِّد ہوئے، اور عبدالملک بن مروان کی خلافت کے زمانے میں ۸۱ ہجری میں ۶۵ سال کی عمر میں فوت ہُوئے۔ اُن کو محمد ابنِ علی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اسی طرح اُنھیں محمد اکبر بھی لکھا گیا ہے۔ اُن کی کُنیّت ابوالقاسم ہے۔ وہ صفین اور جمل کی جنگوں میں شریک ہوئے تھے اور جنگِ جمل میں امام علی (علیہ السلام) کی

---

[1] سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، مقتل لہوف، ص ۲۲ تا ۲۴

[2] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا ص ۶۱ بحوالہ: ابنِ طاوٗس، متن و ترجمہ لہوف، ص ۴۲

فوج کے علمبردار تھے۔) محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) نے آپ کو مشورہ دیا کہ شہروں سے ہٹ کر جنگلوں اور صحراؤں کی طرف نکل جائیں اور لوگوں کی جانب قاصد روانہ کرکے اپنی بیعت طلب کریں۔ آپ نے پوچھا کہ بھائی! میں کہاں جاؤں؟ محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ مکہ چلے جائیں، وہاں حالات سازگار نہ ہوں تو یمن تشریف لے جائیں اور اگر وہاں بھی قیام کا موقع نہ ملے تو پہاڑوں اور میدانوں میں نکل جائیں۔ امام (علیہ السلام) نے فرمایا کہ بھائی! مجھے کہیں بھی پناہ نہ ملے مگر میں یزید کی بیعت نہیں کروں گا۔ میں یہاں سے اپنے عزیز و اقارب کے ہمراہ مکہ جاؤں گا۔ آپ یہیں مدینہ میں رہیں اور مجھے یہاں کے حالات سے آگاہ کرتے رہیں۔ پھر امام (علیہ السلام) نے ایک وصیت نامہ لکھا اور مہر لگا کر اُن کے حوالے کیا اور اُسی رات روانہ ہو گئے۔ اُس وصیّت نامے کا مضمون کچھ یوں تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وصیّت نامہ حسین بن علی بن ابی طالب کی طرف سے اپنے بھائی محمد المعروف ابن الحنفیہ کے نام ہے۔ حسین گواہی دیتا ہے کہ اللہ ایک ہے اُس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں جو بحق و راستی اُس کی طرف سے مبعوث ہُوئے ہیں۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ جنت و دوزخ موجود ہیں، قیامت آنے والی ہے، جس میں کوئی شک وشبہ نہیں، اور جو لوگ قبروں میں مدفون ہیں خدا اُن سب کو زندہ کرے گا۔ واضح رہے کہ میں حکومت، توسیع پسندی اور ظلم وفساد کی خواہش لے کر نہیں نکل رہا بلکہ میرا مقصد اپنے نانا کی اُمّت کی اصلاح کرنا، نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے منع کرنا ہے اور اُن کے حق میں اپنے نانا سیّد الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اپنے والد سیّد الاولیاء (علیہ السلام) کی سیرت پر عمل کرنا ہے۔ پس، جو کوئی میرے قولِ برحق کو قبول کرے گا تو اللہ اُس سے حق کو قبول فرمائے گا، اور جو کوئی اسے رَد کرے تو میں صبر سے کام لوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا برحق فیصلہ صادر فرمائے، اور بے شک وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔" [1]

مروی ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) کے سوا امام (علیہ السلام) کے تمام بھائی، بہنیں اور اُن کے بچے آپ کے شریکِ سفر تھے۔ [2] حضرت محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) امام حسین (علیہ السلام) کے حکم پر مدینہ میں رُک گئے تھے، امام (علیہ السلام) نے اُن سے

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ اصفہان، ایران)، جلا العیون، ج ۲ ص ۱۸۶؛ بحار الانوار، ج ۱۰ حصّہ اوّل، ص ۱۴۸

[2] احمد بن ابو محمد بن علی اعثم کوفی، (متوفی: ۹۲۶ء)، تاریخ الفتوح، ج ۵، ص ۲۲۸

ابنِ بابویہ شیخ صدوق، (متوفی: ۳۸۱ھ، رے، ایران)، الامالی، ص ۱۵۲

ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری (متوفی: ۲۳۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال، ص ۲۲۸

ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، عراق)، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۴۱

ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، الکامل فی التاریخ، ج ۴، ص ۱۶؛ شیخ مفید، الارشاد، (تذکرۃ الاطہار) ص ۲۵۷

الحاج سیّد ہاشم رسول، لمحاتِ جاودان، ترجمہ حیات امام حسین (علیہ السلام)، ص ۱۹۷؛ علامہ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج ۱۰ حصّہ اوّل، ص ۱۴۸

فرمایا تھا کہ اگر مناسب ہو تم مدینہ میں رہو اور میری جانب سے ان اشقیا پر بطور جاسوس کام کرو اور یہاں کے واقعات مجھے تحریر کرو۔ [۱] اور بروایتے وہ بیمار اور سفر سے لاچار تھے اس لیے ساتھ نہ جا سکے۔ [۲]

حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے اہلِ خانہ اور احباب سے سفر کی تیاری کرنے کو کہا اور خدمتگاروں کو حکم دیا کہ سواریاں لائیں چنانچہ حضرت ابوالفضل عباس (علیہ السلام) کی ہمت اور جوانمردی سے بہت جلد اسبابِ سفر مہیا کر دیے گئے۔ [۳]

عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر نے مختلف دلائل سے آپ کو روکنا چاہا مگر آپ اپنے فیصلے پر قائم رہے۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ جو کام رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے سونپا ہے میں اُسے انجام دوں گا۔ چنانچہ ماہِ رجب کے اختتام سے دو دن پہلے یعنی ۲۸ رجب ۶۰ ہجری اتوار کی رات کو آپ شاہراہِ عام سے مکہ کی طرف روانہ ہُوئے۔ [۴]

شیخ صدوق (رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے نقل کیا ہے کہ مدینہ سے ہجرت کے وقت امام (علیہ السلام) کے ساتھ روانہ ہونے والے افراد کی تعداد اُنیس (۱۹) تھی جن میں اہلِ خانہ اور اصحاب شامل تھے۔ [۵] جب کہ اکثر مآخذ نے تعداد کا ذکر نہیں کیا۔ [۶]

ملائکہ اور جنات کی آمد:

جس وقت امام حسین (علیہ السلام) مدینہ سے باہر تشریف لائے تو ملائکہ کی مسلح فوج آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ اصفہان، ایران)، جلا العیون، ج ۲ ص ۱۸۶؛ بحارالانوار، ج ۱۰ حصّہ اوّل، ص ۱۵۱

[۲] عبدالرزاق موسوی مقرم، (۱۳۹۱ھ، نجف اشرف، عراق)، مقتل الحسین مقرم، ص ۱۳۵

[۳] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا ص ۶۳ بحوالہ: قزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۶۸

[۴] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۸۳

[۵] ابن بابویہ شیخ صدوق، (متوفی: ۳۸۱ھ، رے، ایران)، الامالی، ج ۱ ص ۲۱۷

[۶] ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری (متوفی: ۲۸۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال، ص ۲۲۸

ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، عراق)، تاریخ الامم والملوک، ج ۴، ص ۲۵۳

شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲، ص ۳۴

احمد بن ابومحمد بن علی اعثم کوفی، (متوفی: ۹۲۶ء)، الفتوح، ج ۵، ص ۲۲

محمد بن فتال نیشاپوری، (متوفی: ۵۰۸ھ، نیشاپور)، روضۃ الواعظین، ص ۱۷۱

فضل بن حسن بن فضل طبرسی، (متوفی: ۵۴۸ھ، مشہد، ایران)، اعلام الوریٰ، ج ۱، ص ۴۳۵

موفق بن احمد خوارزمی، (متوفی: ۵۶۸ھ)، مقتل الحسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۷۳

شمس الدین سبط حافظ ابن جوزی، (متوفی: ۶۵۴، بغداد، عراق)، تذکرۃ الخواص، ص ۲۳۶

کو مدد کی پیشکش کرتے ہُوئے آپ کے ساتھ چلنے پر اصرار کیا مگر آپ (علیہ السلام) نے اُن کی درخواست قبول نہ کی۔ اُن کے بعد جنات کی اسلحہ بردار فوج نے حاضر ہو کر ساتھ چلنے اور مدد کرنے کی درخواست کی مگر آپ نے یہ کہتے ہُوئے اُن کی استدعا بھی رد کردی کہ کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا، ''اَیۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا يُدۡرِكْكُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ بُرُوۡجٍ مُّشَيَّدَةٍ'' (تم جہاں کہیں بھی ہوگے موت تمھیں ضرور پکڑ لے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔ سورۃ النساء:۷۸) [۱]

مدینہ میں کتنی راتیں؟

اس میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے ولید سے ملاقات کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں کتنی راتیں گزاریں؟ شیخ مفید (رحمۃ اللہ علیہ) کا خیال ہے کہ صرف ایک رات قیام کیا [۲] جو ولید سے ملاقات کی رات تھی۔ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) نے جیسا کہ اُوپر بیان کیا جا چکا ہے، دو راتوں کا ذکر ہے، شیخ عبداللہ بحرانی نے بھی دو ہی راتوں کا لکھا ہے۔ [۳] شیخ عباس قمی اور فوق بلگرامی نے بھی دو راتیں ہی بیان کی ہیں۔ [۴] جو قبرِ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر دو مرتبہ حاضری سے متعلق ہیں۔ جب کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قبرِ مطہر پر آپ (علیہ السلام) کی حاضری کی تعداد میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ اُوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت تیسری بار مدینہ سے نکلتے وقت بھی کی تھی۔ [۵] واللہ اعلم۔

مدینہ سے روانگی کے وقت آپ یہ آیت کریمہ تلاوت فرما رہے تھے۔ [۶] ''فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۱﴾'' (چنانچہ موسیٰ علیہ السلام وہاں سے خوفزدہ ہو کر نتیجے کا انتظار کرتے ہُوئے نکلے (اور) کہا اے میرے پروردگار! مجھے ظالموں سے نجات عطا فرما۔ سورۃ القصص، آیت:۲۱)، اور جب آپ (علیہ السلام) مکہ پہنچے تو اس سے اگلی آیت تلاوت فرمائی: ''وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلۡقَآءَ مَدۡيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىۡۤ اَنۡ يَّهۡدِيَنِىۡ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۲۲﴾''

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی:۱۱۱۰ھ اصفہان، ایران)، جلا العیون، ج ۱ ص ۱۸۷
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی:۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۱۵۲

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی:۱۱۱۰ھ اصفہان، ایران)، جلا العیون، ج ۲ ص ۱۸۴ بحوالہ: شیخ مفیدؒ

[۳] علامہ طالب جوہری، (متوفی:۲۰۲۰ء)، حدیث کربلا، ص ۵۲ بحوالہ: شیخ عبداللہ البحرانی، (متوفی:۱۱۳۰ء)، مقتل عوالم، ص ۱۶۱

[۴] علامہ طالب جوہری، (متوفی:۲۰۲۰ء)، حدیثِ کربلا، ص ۵۲ بحوالہ: خان بہادر مولوی سیّد اولاد حیدر فوق بلگرامی، ذبح عظیم، ص ۱۹۲
شیخ عباس قمی، (متوفی:۱۳۵۹ھ، نجف اشرف، عراق)، نفس المھموم، ص ۳۶

[۵] علامہ طالب جوہری، (متوفی:۲۰۲۰ء)، حدیثِ کربلا، ص ۵۶ بحوالہ: احمد بن ابو محمد بن علی اعثم کوفی، (متوفی:۹۲۶ء)، الفتوح، ج ۵ ص ۱۹
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی:۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۱۵۰

[۶] الحاج سیّد ہاشم رسول، حیاتِ امام حسین (علیہ السلام)، ص ۱۵۰
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی:۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۱۵۴

(اور جب موسیٰ علیہ السّلام) نے (مصر سے نکل کر) مدین کا رُخ کیا تو کہا اُمید ہے کہ میرا پروردگار سیدھے راستے کی طرف میری راہنمائی کرے گا۔ سورۃ القصص، آیت: ۲۲)

وصیّتوں اور امانتوں کی سپردگی

منقول ہے کہ حضرت امام حسین (علیہ السّلام) نے مدینہ سے نکلتے ہُوئے اپنی بعض وصیّتوں اور امامت کی امانتوں کو رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زوجہ حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے حوالے کیا اور بعض کو محرم الحرام اکسٹھ ہجری میں شہادت سے پہلے اپنی بڑی بیٹی فاطمہ کبریٰ (علیہا السّلام) کے حوالے کیا تا کہ وہ اُنھیں آپ کے فرزند حضرت امام زین العابدین (علیہ السّلام) کو منتقل کریں جنھیں آپ کے بعد امام بننا تھا۔ چنانچہ امام جعفر صادق (علیہ السّلام) نے فرمایا کہ جب امام حسین (علیہ السّلام) عراق (کے لیے مدینہ سے) جانے لگے تو آپ نے کتب اور وصیّت نامے کو حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے سُپرد کیا اور جب امام زین العابدین (علیہ السّلام) مدینہ واپس تشریف لائے تو حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) نے وہ امانتیں اُنھیں دے دیں۔ اور امام محمد باقر (علیہ السّلام) فرماتے ہیں کہ جب امام حسین (علیہ السّلام) کا وقتِ شہادت قریب آیا تو آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کبریٰ (علیہا السّلام) کو بُلا کر ایک لپٹا ہُوا وصیّت نامہ دیا۔ اُس وقت امام زین العابدین (علیہ السّلام) شدید علیل تھے اور بچنے کی اُمید نہیں تھی۔ امام حسین (علیہ السّلام) کی شہادت کے بعد جب اہل بیتِ رسول (علیہم السّلام) کی مدینہ واپسی ہوئی تو حضرت فاطمہ کبریٰ (علیہا السّلام) نے وہ وصیّت نامہ امام زین العابدین (علیہ السّلام) کے حوالے کر دیا۔ [1]

ورودِ مکہ

امام حسین (علیہ السّلام)، ۳ شعبان المعظم ۶۰ ہجری بروز جمعہ مکہ مکرمہ پہنچے۔ مکہ میں امام (علیہ السّلام) کے چاہنے والوں کی کثیر تعداد موجود تھی جنھوں نے دیگر علاقوں سے آنے والے حجاج کے ساتھ آپ (علیہ السّلام) کا بھرپور استقبال کیا اور نہایت جوش و خروش اور محبت وعقیدت کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ [2] قیامِ مکہ کے دوران آپ (علیہ السّلام) شب و روز بیت اللہ میں مصروفِ عباداتِ الٰہی رہتے۔ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے ارشادات نہایت توجہ اور شوق سے سنتے۔ [3]

---

[1] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء)، حدیثِ کربلا، ص ۴۸۵ بحوالہ: اصولِ کافی مترجم، ج ۲ ص ۷۶

[2] احمد بن یحییٰ البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ص ۱۵۶، ۱۶۰؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۵، ص ۳۸۱
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲، ص ۳۵، ۳۶؛ آقائی صدرالدین قزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۱۸۶
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصہ اوّل، ص ۱۵۴

[3] احمد بن ابو محمد بن علی اعثم کوفی، (متوفی: ۹۲۶ء)، الفتوح، ج ۵ ص ۲۳؛ ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ)، تاریخ کامل، ج ۴ ص ۱۰

حافظ ابنِ عساکر نے لکھا ہے کہ مکہ میں امام (علیہ السلام) کا قیام حضرت عباس بن عبد المطلب (رضی اللہ عنہ) کے ہاں تھا جب کہ دینوری کا کہنا ہے کہ آپ کا قیام شعبِ علی میں تھا۔[1] حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کا گھر چونکہ شعبِ علی میں ہی تھا چنانچہ ممکن ہے ابنِ عساکر اور دینوری کا اشارہ ایک ہی مقام کی طرف ہو۔

قیامِ مکہ کے دوران آپ نے کبھی خروج اور قیام کا ارادہ نہیں کیا۔ اگر کبھی کسی نے آپ کو اس پر اُکسانے کی کوشش بھی کی تو آپ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ حالانکہ اگر آپ چاہتے تو یہاں اپنے بے شمار چاہنے والوں کی مدد سے اسلحہ اور طاقت حاصل کر سکتے تھے مگر آپ روز و شب بیت اللہ میں عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔[2]

اس عرصے میں کوفہ والوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ آپ (علیہ السلام) نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے اس لیے وہ آپ کو کوفہ بلانے کے لیے دعوت نامے بھیجنے لگے اور خط پر خط لکھ کر اصرار کرنے لگے،[3] مگر آپ نے اُن کے خطوط پر کوئی توجہ نہ دی۔ بقولے کوفہ والوں کے خطوط آپ اس بے اعتنائی سے پڑھتے کہ قاصد نا اُمید و مایوس ہو کر واپس لوٹ جاتے تھے۔[4] دوسری طرف اہلِ کوفہ کے خطوط کا سلسلہ کم ہونے کی بجائے متواتر بڑھتا جا رہا تھا اور اُن میں امام (علیہ السلام) کی نصرت کے لیے اُن کی آمادگی اور جوش و خروش بھی زیادہ سے زیادہ نظر آنے لگا تھا۔ ایک دن آپ (علیہ السلام) کو اُن کی طرف سے اکٹھے چھ سو (۶۰۰) خط ملے۔ اب تک موصول شدہ خطوط کی کل تعداد تقریباً بارہ ہزار تھی جن پر بائیس ہزار (۲۲۰۰۰) سے زیادہ لوگوں کے دستخط ثبت تھے۔ آقائی صدر الدین قزوینی لکھتے ہیں کہ اُن خطوط کی تعداد چوبیس ہزار (۲۴۰۰۰) تھی۔[5]

ابنِ نما نے حُصین بن عبد الرحمٰن سے روایت کی ہے کہ اہلِ کوفہ نے امام حسین (علیہ السلام) کو لکھا کہ ہم ایک لاکھ آدمی آپ

---

[1] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا ص ۷۱
حافظ ابنِ عساکر، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، تاریخ ابنِ عساکر، ص ۳۹۳
ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری (متوفی: ۲۸۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال

[2] طالب جوہری، حدیث کربلا، ص ۱۲۳ بحوالہ ضیاء العین ترجمہ مقتل اسفرائنی، ص ۲۲

[3] احمد بن یحیٰی البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ۱۴۱۷ق، ج ۳، ص ۱۵۷
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۳ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ۱۴۱۳ق، ج ۲، ص ۳۶
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۱۵۵

[4] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا، ص ۱۲۳ بحوالہ ضیاء العین ترجمہ مقتل اسفرائنی، ص ۲۲

[5] حاج سیّد ہاشم رسولی محلاتی، لحات جاویدان، ص ۲۲۵ بحوالہ: الوافی المسئلۃ الشرقیہ، ج ۱ ص ۴۳، حیاۃ الامام حسین، ج ۲ ص ۳۳۵
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۱۵۵
آقائی صدر الدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۱۸۹

کی نصرت اور یاوری کے لیے موجود ہیں۔ داؤد بن ابی نے شعبی سے روایت کی ہے کہ چالیس ہزار کوفیوں نے عہد کیا کہ وہ اُس سے لڑیں گے جو حضرت امام حسین (علیہ السلام) سے لڑے گا اور اُس سے صلح کریں گے جس سے آپ صلح کریں گے۔ لہٰذا امام حسین (علیہ السلام) نے اُن کے خطوط کا جواب دینے اور کوفہ کے لوگوں سے متعلق معلومات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ [1] شیخ مفیدؒ اور طبری کے مطابق آپ (علیہ السلام) نے کوفہ والوں کو لکھا:

''یہ خط حسین بن علی کی طرف سے تمام مسلمین و مومنین کے نام ہے۔ امابعد، بے شک ہانی اور سعید نے آپ لوگوں کا خط مجھ تک پہنچا دیا ہے اور یہ دونوں آپ کی طرف سے آنے والے آخری قاصد تھے۔ میں نے آپ کے لکھے ہُوئے تمام واقعات کو سمجھ لیا ہے۔ آپ میں سے اکثر نے یہ لکھا ہے،'' ہمارے لیے کوئی امام اور پیشوا نہیں اس لیے آپ ہماری طرف آجائیں کہ شاید خدا آپ کے وسیلے سے ہمیں حق اور ہدایت کے گرد جمع کردے۔'' لہٰذا میں اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو، جس پر مجھے اعتماد اور یقین ہے آپ کی طرف روانہ کر رہا ہوں۔ اگر مسلم نے مجھے یہ لکھا کہ آپ کے درمیان موجود صاحبانِ عقل وخرد اور دانشوروں کا بھی وہی خیال ہے جو آپ کی طرف سے آنے والے نمائندوں کا تھا اور اسی طرح آپ کے خطوط کا متن بھی اُن (کی رائے) کے مطابق ہُوا تو ان شاء اللہ میں بہت جلد آپ سے ملاقات کروں گا۔ مجھے اپنی جان کی قسم! امام و پیشوا اُس کے سوا کوئی نہیں جو کتاب اللہ کے مطابق حکم دے اور عدل و انصاف قائم کرے اور دینِ حق اور تقویٰ و پرہیزگاری پر عمل کرے اور ذاتِ الٰہی سے وابستہ اُمور میں خود کو محفوظ رکھے۔ والسّلام۔ [2]

عبداللہ بن زبیر

عبداللہ بن زبیر کے والد کا نام زبیر بن عوام تھا جو جنگِ جمل میں امیرالمومنین حضرت علی (علیہ السلام) کے مدمقابل تھا، اور والدہ کا نام اسماء تھا جو حضرت ابوبکر کی بڑی بیٹی، اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ کی حقیقی بہن تھی۔ منقول ہے کہ ابنِ زبیر نے امیرالمومنین علی (علیہ السلام) کی خلافت کے دوران اُن کی مخالفت کا راستہ اختیار کیا، اُن کے خلاف اُٹھنے والی شورشوں میں حصّہ لیا

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۵۹

[2] حاج سیّد ہاشم رسولی محلاتی، لمحات جاویدان، ص ۲۲۶ بحوالہ: شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۳۴
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۶۲
ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، الکامل فی التاریخ، ج ۴ ص ۲۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۵۶
آقائی صدرالدین قزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۲۰۲

اور جنگِ جمل میں اُن کے مقابلے میں شرکت کی جس میں اُسے تیس (۳۰) زخم آئے۔ [۱] ابنِ زبیر کو یزید بن معاویہ کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی اور یزید نے اسی وجہ سے مکہ پر لشکر کشی کی۔ معاویہ کی وفات کے بعد ابنِ زبیر خلافت کا دعویدار بھی تھا لہٰذا اُس نے مکہ میں آلِ زبیر کی حکومت کی بنیاد رکھی اور ۶۴ ہجری میں اپنی خلافت کا اعلان کیا۔ کئی شامیوں، حجازیوں اور مکہ و مدینہ کے لوگوں نے اس کی بیعت کی لیکن بنو ہاشم نے اُس کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ [۲]

امام حسین (علیہ السلام) کے قیامِ مکہ کے دوران عبداللہ بن زبیر بھی مکہ میں ہی مقیم تھا اور چاہتا تھا کہ اہلِ مکہ اُس کی بیعت کر لیں چنانچہ امام (علیہ السلام) کا مکہ میں تشریف لانا اور وہاں قیام کرنا اُسے ناگوار گزرا۔ [۳] قزوینی لکھتے ہیں کہ جب امام حسین (علیہ السلام) نے مکہ پہنچنے کے بعد حرم کا طواف کیا اور لوگ آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہونے لگے تو اُس وقت عبداللہ بن زبیر بھی وہیں تھا۔ وہ امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر نہیں ہُوا بلکہ الگ سے نماز پڑھ کر اپنے گھر چلا گیا۔ [۴]

بروایتے، ابنِ زبیر اپنے محسوسات کو ظاہر کیے بغیر اکثر امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اُنھیں یہ کہتے ہُوئے عراق جانے پر اُکساتا کہ وہاں آپ کے اور آپ کے والد کے شیعہ ہیں۔ [۵] علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر اکثر حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے پاس آتا تھا، کبھی دو دو دن متواتر حاضر ہوتا اور کبھی دو دن میں ایک مرتبہ۔ وہ امام حسین (علیہ السلام) کے تشریف لانے پر بظاہر خوشی کا اظہار کرتا لیکن باطن میں آپ کے آنے پر ناخوش تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتا تھا کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی موجودگی میں کوئی شخص اُس کی بیعت نہیں کرے گا۔ امام حسین (علیہ السلام) جلیل القدر تھے اور لوگوں کے دل اُن ہی کی طرف راغب تھے۔ [۶]

---

[۱] یو آر و یکی شیعہ ڈاٹ نیٹ بحوالہ: ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۱ ص ۲۶۵

[۲] آزاد دائرۃ المعارف و یکی پیڈیا۔ یو آر ڈاٹ و یکی شیعہ ڈاٹ نیٹ

[۳] احمد بن یحییٰ البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۱۵۶
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۳ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۳۶
ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، الکامل فی التاریخ، ج ۴ ص ۲۰
موفق بن احمد خوارزمی، (متوفی: ۵۶۸ھ)، مقتل الحسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۱۹۰

[۴] آقائی صدر الدین قزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۱۸۷

[۵] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا، ص ۲۷
عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمر ابنِ کثیر، (متوفی: ۷۷۴ھ، شام)، البدایہ والنہایہ، ج ۸ ص ۱۵۷

[۶] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۱۵۴

حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام)

مسلم بن عقیل (علیہ السلام)، امیر المومنین علی (علیہ السلام) کے بڑے بھائی حضرت عقیل (علیہ السلام) کے فرزند تھے۔ حضرت مسلم (علیہ السلام) کی والدہ ایک نبطی خاتون تھیں جن کا تعلق خاندانِ فرزندا سے تھا۔[1] اور بروایتے اُن کا نام علیہ یا حلیہ تھا۔[2] رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آپ شکل وصورت میں مُشابہت رکھتے تھے۔[3] مورخین نے آپ کو اولادِ حضرت عقیل میں سب سے زیادہ قوی اور شجاع لکھا ہے۔[4] آپ نے جنگِ صفین میں لشکرِ امیر المومنین (علیہ السلام) کے ایک حصّے کے علمبردار کی حیثیت سے حضرت امام حسن (علیہ السلام)، امام حسین (علیہ السلام) اور عبداللہ بن جعفر (علیہ السلام) کے شانہ بشانہ شرکت کی۔[5] اور حضرت امام حسن (علیہ السلام) کے عہدِ امامت میں اُن کے ساتھ بھی رہے۔[6] آپ، امیر المومنین حضرت علی (علیہ السلام) کی دختر جناب رقیہ (علیہا السلام) کے شوہر تھے۔ آپ کے چند بیٹوں کے نام شہدائے کربلا میں شامل ہیں جن میں عبداللہ اور محمد کے نام تو قدیمی کتب میں درج ہیں جب کہ بعض متاخر منابع میں عون، مسلم، عبیداللہ، جعفر اور احمد بھی مذکور ہیں۔ بعض کتب کے مطابق عبداللہ کی والدہ کا نام رقیہ بنتِ علی تھا، اور بعض کے مطابق مسلم، عبدالعزیز، علی اور محمد کا نام بھی آپ کی اولاد میں ملتا ہے۔ ان روایات کے مطابق عبد اللہ اور علی کی والدہ حضرت رقیہ تھیں جب کہ مسلم بن مسلم کی والدہ بنی عامر بن صعصعہ سے تھیں۔[7] کتبِ تاریخ میں آپ کی بیٹی حضرت اُمِّ حمیدہ یا حمیدہ کا نام بھی ملتا ہے۔[8] اکثر روایات میں حضرت مسلم (علیہ السلام) کے دو بچوں کا ذکر موجود ہے جو شہادتِ امام حسین (علیہ السلام) کے بعد کوفہ میں عبیداللہ بن زیاد کے حکم سے اسیر ہُوئے اور زندان سے فرار ہونے کے جرم میں شہید کر دیے گئے۔ تاریخی منابع میں ان دو بھائیوں کے نام محمد اور ابراہم (علیہما السلام) مذکور ہیں۔ کتبِ تاریخ میں انھیں طفلانِ مسلم بن

---

[1] ابن قتیبہ دینوری، (متوفی: ۸۸۹ء، بغداد)، المعارف، ص ۲۰۴

[2] احمد بن یحییٰ البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۲۲۴

[3] ابنِ حبان، (متوفی: ۳۵۴ھ)، الثقات، ۱۳۹۳ق، ج ۵ ص ۳۹۱

[4] احمد بن یحییٰ البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۲ ص ۷۷

[5] محمد بن علی ابن شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ھ، حلب)، مناقب آل ابی طالب، ج ۳ ص ۱۹۷

[6] جمعی از پژوہشگران، اصحاب امام حسن مجتبیٰ (علیہ السلام)

[7] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۳۵۹
احمد بن یحییٰ البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۶ ص ۴۰۷-۴۰۸
شیخ محمد بن حسن طوسی، (متوفی: ۴۶۰ھ، نجف اشرف، عراق)، رجال الطوسی، ص ۱۰۳

[8] پژوہشی پیرامون شہدائے کربلا، ص ۹۱، ۱۲۳، ۳۰، ۲۵۵، ۳۵۹
مؤلفان: عبدالحسین بینش، رضا رحمتی، باقر دریاب، سیّد علی مقیمی فرد، سعید جمشیدی، اکبر رضائی، محمد مظفری، ابوالقاسم شاکر

عقیل بھی لکھا جاتا ہے۔ [۱] اگر ہم یہ کہیں کہ مشنِ حسینی کی داستان حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت سے شروع ہوتی ہے، اور ان کے بچوں کے شہادت پر ختم ہوتی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ اس عظیم مقصد کے لیے سب سے پہلے شہید ہونے والے آپ تھے اور سب سے آخر میں شہید ہونے والے آپ کے دو بچے محمد اور ابراہم (علیہما السلام) تھے جو بعض مصادر کے مطابق امام حسین (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد کوفہ میں شہید کئے گئے۔ [۲]

امام عالی مقام (علیہ السلام) نے کوفہ والوں کے نام لکھا ہُوا خط جناب مسلم کو دے کر فرمایا، ''میں تمھیں کوفہ کی طرف بھیج رہا ہوں۔ خداوند عالم جو بات تمھارے لیے پسند کرے گا ظاہر فرمائے گا۔ مجھے لگتا ہے کہ میں اور تم دونوں ہی شہید کر دیے جائیں گے، پس تم اللہ سے مدد طلب کرتے ہُوئے کوفہ روانہ ہو جاؤ۔ وہاں پہنچ کر سب سے زیادہ قابل اعتماد شخص کے پاس قیام کرنا اور لوگوں کو میری اطاعت کی دعوت دینا۔ جب تم دیکھو کہ وہ میری بیعت پر جمع ہیں تو فوراً مجھے اطلاع دو تا کہ میں اس کے مطابق عمل کروں۔ انشاءاللہ۔'' [۳]

جیسا کہ اُوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) اپنی اور اپنے ساتھیوں کی شہادت اور اُن کے مقامِ شہادت تک سے بخوبی آگاہ تھے چنانچہ آپ (علیہ السلام) یہ بھی جانتے تھے کہ مسلم ہمیشہ کے لیے جُدا ہو رہے ہیں اور اُنھیں کوفہ میں شہید کر دیا جائے گا۔ اس لیے بہت دیر تک اُن سے الوداعی خطاب کرتے رہے اور پھر گلے مل کر روتے رہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ حضرت مسلم کی شہادت سے واقف تھے تو اُنھیں روانہ کیوں رہے تھے؟ اس کا جواب وہی ہے کہ جب آپ (علیہ السلام) جانتے تھے کہ کربلا میں شہید کر دیے جائیں گے تو کربلا کیوں گئے؟ آپ کا یہ سفر دراصل ڈولتے ہُوئے سفینۂ اسلام کو باطل کے منجدھار سے بحفاظت نکالنے کے لیے تھا، اور مسلم (علیہ السلام) کی روانگی اور اہل کوفہ کے نام خط بھی اسی لیے تھے۔

امام عالی مقام (علیہ السلام) کا حکم ملتے ہی مسلم (علیہ السلام) کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں کوفہ والوں کے ایلچی قیس بن مسہر صیداوی، عمارة بن عبد سلولی اور عبد الرحمان بن عبد اللہ ارجبی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ امام (علیہ السلام) نے آپ کو اپنا سفر مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا تھا اس لیے آپ نے مروجہ راستے کا انتخاب نہیں کیا اور غیر معروف راستہ اپنایا۔ حضرت مسلم (علیہ السلام) نے راہنمائی کے لیے دو افراد کو اپنے ہمراہ لیا تھا مگر وہ دونوں راستہ بھٹک گئے اور سفر کی صعوبت اور شدتِ پیاس سے راستے ہی میں جاں بحق ہو گئے۔ حضرت مسلم (علیہ السلام) جاں بلب حالت میں کسی نہ کسی طرح ایک آبادی تک پہنچنے میں

---

[۱] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۳۰

[۲] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۳۰

[۳] سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ۶۶۴ھ)، متن و ترجمہ لہوف، ص ۵۲؛ موفق بن احمد خوارزمی، مقتل الحسین (علیہ السلام) خوارزمی، ج ۱ ص ۲۸۴

کامیاب ہو گئے۔ آپ نے وہاں سے امام (علیہ السلام) کو خط کے ذریعے پیش آنے والے حالات سے باخبر کیا اور انھیں فالِ بد سے تعبیر کرتے ہُوئے سفر جاری رکھنے سے رخصت طلب کی لیکن امام (علیہ السلام) نے اُنھیں سفر جاری رکھنے کا حکم دیا۔[1] چنانچہ بیس دن کی طویل اور صبر آزما مسافت کے بعد وہ پانچ (۵) شوال کو کوفہ میں داخل ہُوئے اور مسلم بن عوسجہ کے گھر قیام کیا۔[2] اور بروایتِ طبری، مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے ہاں مقیم ہُوئے۔[3] ابنِ شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ آپ سالم بن مسیب کے گھر ٹھہرے۔[4] لوگوں کو حضرت مسلم کی آمد کی خبر ہوئی تو جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ آپ اُنھیں امام حسین (علیہ السلام) کا خط پڑھ کر سناتے اور وہ فرطِ محبت اور جوشِ عقیدت میں آپ کے ہاتھ پر امام عالی مقام (علیہ السلام) کی بیعت کرنے لگتے۔ ابنِ عساکر نے لکھا ہے کہ بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) افراد نے بیعت کی،[5] جب کہ دیگر نے بیعت کرنے والوں کی تعداد اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰)، پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) اور تیس ہزار (۳۰۰۰۰) بھی لکھی ہے۔[6] اُس وقت کوفہ کا حکمران نعمان بن بشیر تھا۔ حضرت مسلم (علیہ السلام) کی پذیرائی دیکھ کر جاسوسوں نے یزید کو اطلاع دی کہ نعمان بن بشیر کمزور پڑ رہا ہے اگر کوفہ پر اپنا تسلط قائم رکھنا چاہتے ہو تو اُسے معزول کر کے موجودہ حاکم بصرہ عبید اللہ ابنِ زیاد کا تقرر یہاں کر دو۔ چنانچہ یزید نے عبید اللہ ابنِ زیاد کو کوفے کا حاکم مقرر کر دیا۔[7]

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۱۴۷
احمد بن ابومحمد بن علی اعثم کوفی، (متوفی: ۹۲۶ء)، الفتوح، ج ۵، ص ۵۳
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۵۷

[2] علی بن حسین بن علی مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، مروج الذہب، ج ۳ ص ۵۴
ابنِ الجوزی، (متوفی: ۶۵۴، بغداد، عراق)، المنتظم فی تاریخ الأمم والملوک، ج ۵، ص ۳۲۵

[3] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۶۴
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۵۷

[4] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۶۴

[5] حافظ ابنِ عساکر، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، تاریخ مدینہ دمشق، ج ۱۴، ص ۲۱۳
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۶۴

[6] ابنِ قتیبہ دینوری، (متوفی: ۸۸۹ء، بغداد)، الأخبار الطوال، ص ۲۳۵؛ الامامہ والسیاسہ، ج ۲ ص ۸
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۵۸؛ ۱۶۵

[7] ابنِ قتیبہ دینوری، (متوفی: ۸۸۹ء، بغداد)، الأخبار الطوال، ص ۲۳۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۵۸

عبید اللہ ابنِ زیاد

عبید اللہ ابنِ زیاد کی ماں کا نام مرجانہ تھا اور وہ ایک کنیز تھی۔ [۱] اس نسبت سے طعن کرتے ہُوئے عبید اللہ کو ابنِ مرجانہ بھی کہا جاتا تھا جو دراصل اُس کے ناجائز اولاد ہونے کی طرف اشارہ تھا، کیونکہ اکثر مآخذ میں اُس عورت کے بدنام اور بدکار ہونے کی تصریح موجود ہے۔ [۲] اسی وجہ سے ابنِ زیاد کے نسب میں اختلاف پایا جاتا ہے اور اُس کے باپ کا نام واضح نہیں۔ بروایتے اُس کا نام زیاد بن ابیہ اور اُس کی ماں کا نام سمیہ تھا (ایسا لگتا ہے جیسے ایک ہی عورت دو ناموں، مرجانہ اور سمیہ، سے معروف تھی۔مؤلف)۔ سمیہ ایک لونڈی تھی جس کے کئی آدمیوں سے ناجائز مراسم تھے اس لیے اُس کو معلوم نہ ہو سکا کہ عبید اللہ کس شخص کی اولاد ہے، اسی لیے زیاد کو زیاد بن ابیہ یعنی اپنے باپ کا بیٹا زیاد، زیاد بن اُمہ یعنی اپنی ماں کا بیٹا زیاد اور زیاد بن سمیہ یعنی سمیہ کا بیٹا زیاد بھی کہا جاتا تھا۔ سمیہ سے ناجائز تعلقات کی بنا پر مُتَعَدِّد افراد ابنِ زیاد کے باپ ہونے کے دعویدار تھے جن میں ایک مشہور اُموی سردار کا نام نمایاں ہے۔ وہ بھی عبید اللہ کو سمیہ سے اپنی ناجائز اولاد سمجھتا تھا جس کی مناسبت سے اُس سردار کا بیٹا اُسے اپنا بھائی کہتا تھا۔ [۳] عبید اللہ بہت سخت مزاج، بے رحم اور سفاق شخص تھا، اس لیے بعض مؤرخین نے اُسے جبار کے نام بھی دیا ہے۔ [۴] وہ اپنی شیطانی صفت اور قساوت قلبی کی وجہ سے مشہور تھا چنانچہ یزید نے اُسے فوراً کوفہ روانہ کر دیا۔

ابنِ زیاد اپنا چہرہ چھپائے ہُوئے رات کی تاریکی میں کوفہ پہنچا۔ وہاں کے لوگوں نے سمجھا کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) آئے ہیں اس لیے اُنھوں نے اُس کا پرتپاک استقبال کیا لیکن حقیقت حال جان کے وہ سخت مایوس ہو گئے جب کہ عبید اللہ اُن کا جوش وخروش دیکھ کر جان چکا تھا کہ مسلم بن عقیل ہی وہ شمع ہے جس نے ان پروانوں کو اپنی طرف مائل کر رکھا ہے، لہٰذا اُس نے فوراً اُن کی تلاش شروع کر دی۔ [۵] اس مقصد کے لیے اُس نے آتے ہی دارالامارہ میں بنواُمیّہ کے خواص کے ساتھ ہنگامی میٹنگ کی اور پھر مسجد کوفہ میں عوام سے خطاب کر کے نئے والی کوفہ ہونے کا اعلان کرتے ہُوئے اُنھیں ڈرایا دھمکایا اور کہا کہ جو اُس کی پیروی کرے گا اُس سے اچھا برتاؤ کیا جائے گا اور جو مخالفت کرے گا سخت ترین سزا کا مستحق ہوگا۔ اُس نے کوفہ

---

[۱] احمد بن یحییٰ البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۴، ص ۷۵

[۲] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الاختصاص ص ۴۳

[۳] ابنِ عبدالبر القرطبی، (متوفی: ۱۰۷۱ء)، الاستیعاب، ج ۵ ص ۵۲۵؛ ابنِ خلدون، (متوفی: ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابنِ خلدون ج ۳ صفحہ ۷-۸
ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، الکامل فی التاریخ، ابنِ اثیر جلد ۳ ص ۲۲۰؛ ابراہیم بن محمد ثقفی، الغارات

[۴] خیر الدین زرکلی، (متوفی: ۱۹۷۶، قاہرہ، مصر)، الاعلام زرکلی، ج ۴، ص ۱۹۳

[۵] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۷ ص ۲۲۹
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۶۱

کے اہم اشخاص کو مخاطب کرتے ہُوئے کہا کہ اگر وہ یزید کے مخالفین کی اطلاع نہیں دیں گے تو اُن کے وظائف بند کر دیے جائیں گے اور اُنھیں اُن کے گھروں کے سامنے پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ اُس ہاشمی جوان (مسلم بن عقیل علیہ السلام) تک میرا پیغام پہنچا دو کہ وہ میرے غصے سے بچنے کی کوشش کرے۔ [1]

ابنِ زیاد کے قتل کا منصوبہ

حضرت مسلم کو ابنِ زیاد کی کاروائیوں کی اطلاع ملی تو آپ مختار کے اور بروایتے سالم بن مسیب کے گھر سے ہانی بن عروہ (رضی اللہ عنہ) کے ہاں منتقل ہو گئے جہاں شیعانِ علی سے خفیہ ملاقاتوں کا انتظام تھا۔ یہاں پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) آدمیوں نے آپ کی بیعت کی۔ اُس وقت آپ نے ابنِ زیاد پر خروج کرنے کا ارادہ کیا لیکن ہانی بن عروہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ حضور جلدی نہ کریں۔ [2] وہیں آپ کی ملاقات شریک بن اعور سے ہوئی جو بصرہ سے ابنِ زیاد کے ساتھ آئے تھے لیکن سخت بیمار ہونے کی وجہ سے ہانی بن عروہ کے ہاں ٹھہر گئے تھے۔ شریک کو معلوم ہُوا کہ ابنِ زیاد رات کو اُن کی عیادت کے لیے آ رہا ہے تو اُس نے حضرت مسلم سے کہا، ''جب ابنِ زیاد آ کر میرے پاس بیٹھ جائے تو آپ اُسے قتل کر دیں اور پھر کوفہ کی امارت پر قابض ہو جائیں۔ آپ کی مخالفت کوئی نہیں کرے گا۔ میں تندرست ہونے کے بعد بصرہ جا کر لوگوں کو آپ کی مدد کے لیے تیار کروں گا۔'' بقولے، شریک نے کہا کہ جب ابنِ زیاد میری عیادت کو آئے گا تو میں اُسے باتوں میں مشغول کر لوں گا اور جب میں پانی مانگوں تو آپ تلوار لے کر آئیں اور اُسے قتل کر دیں۔ یہ سُن کر ہانی نے حضرت مسلم سے کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے گھر کے اندر قتل ہو۔ پس، رات کو ابنِ زیاد شریک بن عور کی مزاج پرسی کے لیے اُن کے پاس آیا اور بہت دیر تک بیٹھا رہا مگر حضرت مسلم نہ آئے۔ شریک نے اس دوران بار بار بلند آواز میں پانی طلب کیا، عجیب و غریب حرکتیں کرتے ہُوئے بے محل اور معنی خیز اشعار پڑھ کر اشارے کیئے مگر مسلم نہ پہنچے، حتیٰ کہ ابنِ زیاد چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد جناب مسلم آئے تو شریک نے ناراض ہوتے ہُوئے نہ پہنچنے کی وجہ دریافت کی۔ حضرت مسلم نے کہا، ''دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ ہانی کو یہ پسند نہیں تھا اُس کے گھر میں ابنِ زیاد کو قتل کیا جائے، اور دوسری حدیثِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہے کہ ایمان انسان کو مکر و فریب سے روک لیتا

---

[1] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء)، حدیثِ کربلا ص ۹۱ بحوالہ: ابنِ نما حلی، (متوفی: ۶۴۵ھ)، شیر الاحزان، ص ۵۰ تا ۵۱
ابوالفرج اصفہانی، (متوفی: ۹۶۷ء، بغداد)، مقاتل الطالبیین، ج ۱ ص ۹۷
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۱۶۳

[2] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۴۵
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۱۶۴

ہے اور مومن دھوکا نہیں دیتا۔‘‘ [۱] شریک نے کہا، ’’خدا کی قسم! اگر آپ اُسے قتل کر دیتے تو یہ قتل ایک فاسق، کافر اور بدکردار کا قتل ہوتا۔‘‘ [۲] اگرچہ اس شیطان صفت ابنِ زیاد کو ہلاک کرنے کا وہ سنہری موقع تھا جس سے فائدہ اُٹھا کر حضرت مسلم نہ صرف اپنی جان بچا سکتے تھے بلکہ کوفہ پر قبضہ بھی کر سکتے تھے مگر سفیرِ حسین (علیہ السلام) نے دھوکہ دہی تو سیکھی ہی نہیں تھا اور نہ ہی بزدلی اُن کے خون میں شامل تھی، اور اُنھیں اپنے محسن اور میزبان کے گھر اُس کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اُٹھانا بھی گوارا نہیں تھا۔

علامہ باقر مجلسیؒ، شیخ مفیدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ہانی، ابنِ زیاد سے خائف تھے اس لیے بیماری کا بہانہ کر کے اُس کے پاس نہیں جاتے تھے۔ چنانچہ ابنِ زیاد اُن کی اس کنارہ کشی سے چونکا اور اصل سبب معلوم کرنے کے لیے اپنے خاص جاسوس متعین کر دیے۔ جلد ہی اُسے حقیقت حال معلوم ہوئی تو اُس نے کسی بہانے اُنھیں اپنے دربار میں بلوا لیا اور کہا کہ اے ہانی بن عروہ! تُو نے اپنے گھر میں یہ کیسا فتنہ و فساد پیدا کر رکھا ہے؟ تم نے یزید اور مسلمانوں کی جماعت سے خیانت کر کے مسلم کو اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے اور اُن کے لیے ہتھیار اور لشکر جمع کر رہے ہو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے کچھ معلوم نہیں؟ ہانی نے اُس کی باتوں کی تردید کی تو اُس نے اُن پر سخت تشدد کیا۔ اور اپنے ایک جاسوس ’’معقل‘‘ کو بلوا کر ہانی کے سامنے کر دیا۔ ہانی کے پاس انکار کی گنجائش نہ رہی اور وہ حیران و پریشان ہو گئے۔ ابنِ زیاد نے کہا کہ مسلم کو میرے سامنے پیش کر دو یا قتل کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہانی نے کہا کہ اگر تُو میرے قتل کا ارادہ کرے گا تو جنگ کی آگ بھڑک اُٹھے گی۔ ابنِ زیاد اُن کی بات پر بھڑک اُٹھا اور سخت تشدد کے بعد اُنھیں قید خانے میں ڈال دیا۔ حضرت ہانی پر تشدد اور قید کی خبر ابنِ زیاد کے محل سے باہر نکلی تو لوگ حضرت مسلم بن عقیل کے پاس جمع ہونے لگے۔ چنانچہ حضرت مسلم (علیہ السلام) نے قصرِ ابنِ زیاد پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتے ہُوئے اہلِ کوفہ کے درمیان اعلان کروا دیا۔ پس، دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں کی کثیر تعداد اُن کی آواز پر جمع ہو گئی۔ ابنِ زیاد اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ محل میں محصور ہو کر رہ گیا اور قریب تھا کہ اُس کا تختہ اُلٹ جاتا کہ اُس نے دولت اور طاقت کے بل بوتے پر ایسی چال چلی کہ حضرت مسلم بن عقیل کی آواز پر جمع ہونے والے کوفی منتشر ہونے لگے۔ [۳]

---

[۱] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۳ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۴۵
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۶۴

[۲] ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۶۵ تا ۱۶۶

[۳] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۷۰
آقائی صدر الدین قزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۲۳۶ تا ۲۳۷

حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کی گرفتاری اور شہادت

عبید اللہ ابنِ زیاد کی دھمکیوں اور لالچ نے کام دکھایا اور حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کے گرد ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے ہونے والے کوفی عین موقع پر اُنھیں تنہا چھوڑ گئے۔ شام ڈھلے، عالم غربت میں، پیاس سے جاں بلب، آپ ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک گھر کی دہلیز پر کھڑی ایک خاتون کو دیکھا۔ وہ طوعہ تھی جو اپنے بیٹے کا انتظار کر رہی تھی۔ آپ نے اُس سے پانی طلب کیا۔ وہ آپ کے لیے پانی لے کر آئی اور جب اُسے معلوم ہوا کہ آپ مسلم بن عقیل ہیں جن کی تلاش میں ابنِ زیاد کے سپاہی شکاری کتوں کی طرح ہر طرف بھاگے پھر رہے ہیں تو وہ آپ کو گھر کے اندر لے گئی اور ایک کمرے میں چھپا دیا۔ اُس کا بیٹا آیا تو جناب مسلم کی موجودگی سے باخبر ہو گیا، اور صبح ہوتے ہی مخبری کر دی۔ چنانچہ ابنِ زیاد نے محمد بن اشعث کی سربراہی میں عبید اللہ بن عباس سلمی اور ستر افراد کے دستے کو جناب مسلم بن عقیل کی گرفتاری کے لیے روانہ کر دیا۔[1] ابنِ قتیبہ دینوری کے مطابق اُس نے سو قریش روانہ کیے۔[2] جب کہ احمد بن ابو محمد بن علی اعثم کوفی نے اپنی کتاب الفتوح میں لکھا ہے کہ حضرت مسلم کی گرفتاری کے لیے ابنِ زیاد نے تین سو نامور افراد بھیجے۔[3] شور و غل اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سُن کر حضرت مسلم نے تلوار اُٹھائی اور کمرے سے باہر نکل آئے۔ حملہ آور طوعہ کے گھر میں داخل ہو چکے تھے چنانچہ آپ بپھرے ہُوئے شیر کی طرح اُن پر جھپٹے اور اُنھیں گھر سے باہر دھکیل دیا۔ آنے والے تجربہ کار سپاہی تھے اس لیے منظم ہو کر دوبارہ اُمنڈ پڑے لیکن آپ نے اُنھیں پھر پسپا کر دیا۔ اس دوران کئی سپاہی حضرت مسلم کی تلوار کا لقمہ بن چکے تھے جس کی اطلاع ابنِ زیاد کو ملی تو اُس نے ابنِ اشعث کو کہلا بھیجا کہ ایک آدمی نے تمھاری پوری جماعت کو تہس نہس کر دیا ہے اور تم اُس کو پکڑ نہیں سکے۔ ابنِ اشعث نے اُسے جواب بھیجا، ''وہ ایک ببر شیر ہے اور شمشیرِ برہنہ اُس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ خاندانِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہے۔'' اس پر ابنِ زیاد نے پیغام بھیجا کہ اُسے امان دے کر گرفتار کرو کیونکہ اس کے بغیر اُس کا پکڑے جانا ممکن نہیں۔[4] ابنِ اثیر نے لکھا ہے کہ اسی اثنا میں بکر بن حمران احمری آپ پر حملہ آور ہُوا جس کی تلوار سے آپ کا دہن مبارک، بالائی ہونٹ اور دانت زخمی ہُوئے۔ آپ نے پلٹ کر اُس پر جوابی وار کیا۔ آپ کی تلوار اُس کی گردن کے قریب سے جسم کو کاٹتی ہوئی اُس کے پیٹ تک چلی گئی مگر وہ زندہ بچ گیا۔ ابنِ زیاد کے کچھ سپاہی آس پاس کی چھتوں پر چڑھ گئے اور آپ پر جلتے ہُوئے سرکنڈے اور پتھر پھینکنے لگے مگر

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۷۹

علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۱۷۲

[2] ابنِ قتیبہ دینوری، (متوفی: ۸۸۹ء، بغداد)، الاخبار الطوال، ص ۲۴۰

[3] احمد بن ابومحمد بن علی اعثم کوفی، (متوفی: ۹۲۶ء)، الفتوح، ج ۵ ص ۵۳

[4] احمد بن ابومحمد بن علی اعثم کوفی، (متوفی: ۹۲۶ء)، الفتوح، ج ۵ ص ۵۳؛ علامہ محمد باقر مجلسی، بحارالانوار، ج ۱۰ حصہ اوّل، ص ۱۷۳ تا ۱۷۵

آپ نہایت دلیری سے آس پاس موجود حملہ آوروں کو لقمۂ اجل بناتے رہے۔ ایسے میں ابنِ اشعث نے چلّا کر کہا، ''مسلم! تمھیں امان ہے، بے مقصد اپنی جان مت گنواؤ۔ ہم لوگ تم سے جھوٹ کہیں گے نہ دھوکہ دیں گے، تمھیں پریشان ہونے کی مطلق ضرورت نہیں کیونکہ تمھیں امان ہے۔ یہ لوگ، ابنِ زیاد اور اُس کے ساتھی تمھارے چچازاد ہیں کیونکہ یہ بھی تمھاری طرح حجازی ہیں، تم سب ایک ہی نسل سے ہو اس لیے یہ تمھیں قتل نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی قسم کا نقصان پہنچائیں گے، تم امان میں ہو۔'' مسلم، اُوپر سے پھینکی گئی آگ اور پتھروں سے شدید زخمی ہو چکے تھے اور بے حال ہو کر ہانپ رہے تھے۔ اُنھوں نے نقاہت کی وجہ سے دیوار سے ٹیک لگالی اور ابنِ اشعث سے پوچھا، ''کیا واقعی میں امان میں ہوں؟'' اُس نے کہا، ''ہاں۔'' پھر آپ نے اُس کے ساتھیوں سے یہی سوال کیا تو سب نے اثبات میں جواب دیا سوائے عبیداللہ بن عباس سلمی کے، جس نے کہا کہ میں کون ہوتا ہوں امان دینے یا نہ دینے والا۔ پس امان کے وعدے پر آپ سے تلوار لے کر چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔ آپ نے ابنِ اشعث سے فرمایا، ''یہ تمھارا پہلا دھوکا ہے۔'' وہ بولا، ''آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔'' آپ نے فرمایا، ''ابھی تو تم امان کی بات کر رہے تھے، کدھر ہے وہ امان؟'' پھر فرمایا، ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔'' یہ کہہ کر حضرت مسلم (علیہ السلام) کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ عبیداللہ بن عباس سلمی آپ کے آنسو دیکھ کر طنزیہ بولا، ''آپ جیسے امارت و اقتدار کے خواہش مند کو ایسی صورت حال میں رونا زیب نہیں دیتا۔'' آپ نے جواب دیا، ''واللہ! مجھے قتل کیے جانے کا کوئی خوف نہیں اور نہ ہی میں اپنی جان کے لیے گریہ کناں ہوں، میرا رونا تو حسین (علیہ السلام) اور اُن کے خاندان کے لیے ہے جو میری طرف آنے کے لیے روانہ ہو چکے ہوں گے۔''[1] پھر آپ ابنِ اشعث کی طرف متوجہ ہُوئے اور فرمایا، ''تم نے جو امان مجھے دی تھی اُس میں ناکام ہو گئے ہو۔ ابنِ زیاد تمھاری یہ امان قبول نہیں کرے گا اور مجھے قتل کر دے گا اس لیے میں خود تو حسین (علیہ السلام) کو اپنی گرفتاری اور اہلِ کوفہ کی بیوفائی سے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا، کیا تم یہ کارِ خیر انجام دینے کے لیے کسی کو اُن کی طرف روانہ کر سکتے ہو؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس طرف آنے کے لیے اپنے خانوادے کے ساتھ چل پڑے ہیں یا کل تک نکل پڑیں گے۔ قاصد میری طرف سے اُنھیں یہ پیغام پہنچا دے کہ مجھے گرفتار کر لیا گیا ہے اور معلوم نہیں کہ شام تک زندہ رہوں یا نہ رہوں۔ میرے ماں باپ اُن پر قربان! وہ واپس تشریف لے جائیں تاکہ کوفہ والے اُنھیں فریب نہ دے سکیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو کبھی اُن کے والد گرامی کے ساتھ تھے مگر یہ جھوٹے ہیں۔'' ابنِ اشعث نے کہا، ''خدا کی قسم! میں یہ کام کروں گا اور ابنِ زیاد سے یہ بھی کہوں گا کہ میں نے

---

[1] ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ ھ، موصل، عراق)، الکامل فی التاریخ، ابنِ اثیر، ج ۴ ص ۱۳

ابنِ نما حلی، (متوفی: ۶۴۵ ھ، کربلا، عراق)، مثیر الاحزان، ص ۵۶

علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۷۳ تا ۱۷۵

آپ کو امان دی تھی اور میرا خیال ہے کہ وہ میری دی ہوئی امان کو قبول کر لے گا۔"[1]

بروایتے، دارالامارہ پہنچ کر ابنِ اشعث نے ابنِ زیاد کو امان دینے سے متعلق آگاہ کیا تو وہ اُس پر برس پڑا اور کہا کہ میں نے تمھیں مسلم کو گرفتار کرنے بھیجا تھا یا امان دینے کے لیے؟ اگرچہ اُس نے ابنِ اشعث کو پیغام بھیجا تھا کہ مسلم کو امان دے کر گرفتار کر لو، لیکن اب وہ اس سے مکر گیا تھا۔ حضرت مسلم (علیہ السلام) پیاس کی شدت سے بے حال ہو رہے تھے، دارلامارہ میں پانی کا برتن دیکھ کر فرمایا، "مجھے پانی پلاؤ۔" وہاں ایک بدبخت ابنِ عمرو نے پانی طلب کرنے پر آپ سے بدکلامی کی لیکن ایک غلام پانی کا پیالہ لے آیا۔ آپ پانی پینے لگے تو زخمی دہن کا خون پیالے میں بھر گیا، آپ نے پانی پیے بغیر پیالہ واپس کر دیا۔ دوسرا پیالہ پیش کیا گیا تو اُس میں بھی مُنہ کا خون شامل ہو گیا۔ آپ نے اُسے بھی واپس کر دیا۔ تیسرا پیالہ پیش کیا گیا تو وہ بھی خون سے بھر گیا۔ آپ نے اُسے بھی لوٹا دیا اور فرمایا، "الحمدللہ! اگر یہ پانی میرا رزق ہوتا تو میں ضرور پیتا۔"[2]

آپ کو ابنِ زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اُسے سلام نہیں کیا۔ اس پر ایک بدبخت آپ سے اُلجھ پڑا کہ ہمارے امیر کو سلام کیوں نہیں کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ تو میرے قتل کے درپے ہے، میں اسے کیوں سلام کروں؟ ابنِ زیاد بولا، "مجھے قسم ہے میری جان کی تم ضرور قتل کئے جاؤ گے۔" آپ نے کہا، "کیا تم مجھے قتل کرو گے؟" وہ بولا، "ہاں! میں۔" فرمایا، "ٹھہرو! پہلے مجھے وصیّت کرنے دو۔" اس کے بعد آپ نے حاضرین پر نظر دوڑائی اور عمر بن سعد کو دیکھ کر فرمایا، "میرے اور تیرے درمیان رشتے کی ایک نسبت تو ہے۔ مجھے تم سے ایک کام ہے جسے تم ضرور پورا کرو اور وہ میری ایک پوشیدہ وصیّت ہے۔" پسرِ سعد نے وصیّت سننے سے انکار کر دیا لیکن ابنِ زیاد نے اُسے ٹوکتے ہُوئے کہا کہ تم دونوں تو رشتہ دار ہو پھر وصیّت قبول کیوں نہیں کرتے؟ چنانچہ وہ وصیّت سننے پر آمادہ ہو گیا اور حضرت مسلم (علیہ السلام) کے ساتھ ایک گوشے میں چلا گیا۔ آپ نے فرمایا، "میں نے کوفہ میں سات سو درہم قرض لیے تھے، میری تلوار اور زِرہ بیچ کر میرا قرض چُکا دینا۔ میرے قتل کے بعد ابنِ زیاد سے میری لاش لے کر دفن کر دینا اور، کسی کو حسین (علیہ السلام) کے پاس روانہ کرنا اور کہنا کہ اُنھیں یہاں آنے سے روک دے کیونکہ میں نے اُنھیں لکھا تھا کہ کوفہ والے آپ کے ساتھ ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ اِدھر کے لیے روانہ ہو چکے ہوں گے۔"

حضرت مسلم (علیہ السلام) نے ابنِ سعد کو وصیّت پوشیدہ رکھنے کو کہا تھا مگر اُس نے ابنِ زیاد کو آگاہ کر دیا۔ بن زیاد نے اُسے کہا، "جو امین ہو وہ خیانت نہیں کرتا مگر کبھی کبھی خائن کو بھی امین بنا دیا جاتا ہے۔" اس کے بعد اُس نے کہا، "جہاں تک مال کا تعلق ہے

---

[1] ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ ھ، موصل، عراق)، الکامل فی التاریخ، ج ۴ ص ۱۴

ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۸۰

عمادالدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر ابنِ کثیر، (متوفی: ۷۷۴ ھ، شام)، البدایہ والنہایہ، ص ۲۸

[2] ابنِ اثیر جزری، الکامل فی التاریخ، ابنِ اثیر، ج ۴ ص ۱۴؛ علامہ محمد باقر مجلسی، بحارالانوار، ج ۱۰ حصّہ اوّل، ص ۱۷۶

میں مداخلت نہیں کروں گا لیکن لاش سے متعلق مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور حسین (علیہ السلام) سے مجھے کوئی غرض نہیں اگر وہ ہم سے کوئی سروکار نہ رکھیں۔" [۱] یہ کہہ کر وہ حضرت مسلم (علیہ السلام) کی طرف متوجہ ہُوا اور بہت دیر تک بدکلامی کرنے کے بعد حکم دیا کہ مسلم کو چھت پر لے جاؤ اور ان کا سر قلم کر کے دھڑ نیچے پھینک دو۔ اس موقع پر جناب مسلم نے ایک عجیب جملہ کہا جس کی کاٹ نے ابنِ زیاد کو تڑپا دیا۔ آپ نے فرمایا، "اگر مجھ میں اور تجھ میں رشتہ داری ہوتی تو تُو مجھے قتل نہ کرتا۔" یہ جملہ ابنِ زیاد کی ناجائز ولادت پر ایک حقیقی طنز تھا۔ وہ بوکھلا گیا اور چیخ کر بولا، "کدھر ہے وہ شخص جسے مسلم نے تلوار ماری تھی؟" بکر بن حمران احمری آیا تو ابنِ مرجانہ نے اُسے کہا کہ مسلم کو دارالامارہ کی چھت پر لے جاؤ اور اپنے زخم کے بدلے اس کی گردن کاٹ دو۔ بکر آپ کا ہاتھ تھام کر چھت کی طرف چل پڑا۔ آپ ہر زینے پر تکبیر، درُود اور استغفار پڑھتے ہُوئے اُوپر بڑھتے گئے اور فرمایا، "الٰہی! ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ فرما جنھوں نے ہمیں دھوکا دیا، ہم سے جھوٹ بولا، اور ہماری مدد سے ہاتھ کھینچ لیا۔" جب آپ دارالامارہ کی چھت پر پہنچے تو اُس بدبخت نے پہلے آپ کا سر قلم کر کے نیچے پھینکا، پھر جسم مبارک بھی۔ [۲]

وہ ۹ ذوالحجہ، ۶۰ ہجری کا سیاہ دن تھا، مسلمان عیدالاضحیٰ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اگلے دن اُنھیں نبی اللہ کی سنت کی پیروی میں جانور ذبح کرنے تھے، ایک دن پہلے بدبخت ابنِ زیاد نے سیّد الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بھتیجے کو عالمِ غربت میں نہایت بے دردی کے ساتھ ذبح کر ڈالا۔ اُس نے اُن کا سرِ مبارک یزید کو دمشق بھجوا دیا اور جسم کوفہ کے قصاب بازار میں دار پر لٹکوا دیا تاکہ لوگ بنو ہاشم کی حمایت کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ [۳]

حضرت مسلم (علیہ السلام) سانحہ کربلا کے حوالے سے پہلے شہید تھے جنھوں نے امام حسین (علیہ السلام) کی نصرت میں اپنی جان نثار کی اور اُن کے بیٹے جنھیں تاریخ طفلانِ مسلم کے نام سے یاد کرتی ہے آخری شہید تھے، جو امام عالی مقام (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد گرفتار کر کے ابنِ زیاد کے دربار میں پیش کیے گئے۔ اُنھیں سال بھر زندان میں قید رکھا گیا تھا مگر وہ ایک نگران کی مہربانی سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ بھی ابنِ زیاد کے ڈر سے ادھر اُدھر چھپتے رہے اور اپنے والد کی طرح ایک گھر میں پناہ لیے ہُوئے تھے کہ دھوکے سے گرفتار کر کے شہید کر دیے۔

---

[۱] ابن قتیبہ دینوری، (متوفی: ۸۸۹ء، بغداد)، المعارف، ص ۲۰۴
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۷۶
[۲] احمد بن یحییٰ البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۲۲۴
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۷۸
[۳] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱

الوداع مکہ

امام حسین (علیہ السلام) ۳ شعبان المعظم ۶۰ ہجری بروز جمعہ مکہ مکرمہ پہنچے تھے۔ [۱] آپ نے حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کو کوفہ روانہ کر کے ۸ ذی الحج کی رات تک وہاں قیام کیا اور پھر عراق کا ارادہ کیا۔ [۲] صدرالدین قزوینی لکھتے ہیں کہ آپ نے مکہ میں چار ماہ اور کچھ روز قیام کیا۔ [۳] علامہ باقر مجلسیؒ، کامل الزیارات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) روزِ ترویہ سے ایک دن قبل ذی الحجہ کی سات تاریخ کو مکہ معظّمہ سے عراق روانہ ہُوئے۔ [۴] بروایتے، آپ حج کا ارادہ رکھتے تھے لیکن سفر سے پہلے طوافِ کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی انجام دینے کے بعد آپ نے حج کا احرام کھول دیا اور صرف عمرہ پر اکتفا کیا۔ اس کی وجہ مؤرخین نے یہ بیان کی ہے کہ آپ مکہ میں اپنے قتل کی سازش سے آگاہ ہو چکے تھے اور آپ کے لیے ممکن نہیں تھا کہ اُن سازشیوں سے محفوظ رہ سکیں جو حاجیوں کے بھیس میں آپ کو قتل کرنے لیے گھات لگائے بیٹھے تھے۔ اور نہ ہی آپ کو یہ گوارا تھا کہ اس مقدس سرزمین پر آپ کا خونِ اقدس بہا کر حرمتِ کعبہ کو شکستہ کیا جائے۔ [۵]

ابنِ زبیر سے روایت ہے کہ جب امام حسین (علیہ السلام) نے سفرِ عراق کا ارادہ کیا تو میں نے اُن کی خدمت میں عرض کی کہ یا ابنَ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ اُس قومِ جفا کار میں جا رہے ہیں جس نے آپ کے والد گرامی کو شہید کیا اور آپ کے بھائی امام حسن (علیہ السلام) کا ساتھ چھوڑ دیا؟ تو حضرت نے فرمایا کہ مکہ کی بجائے وہاں میرا شہید ہونا بہتر ہے تاکہ میری وجہ سے مکہ کی حُرمت برباد نہ ہو۔" [۶]

حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ جب حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے مکہ معظّمہ سے جانبِ کوفہ کُوچ فرمانے کا ارادہ کیا تو محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) یہ خبرِ وحشت اثر سنتے ہی حضرت (علیہ السلام) کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ اے برادر! آپ اہلِ کوفہ کا مکر و فریب بخوبی جانتے ہیں۔ اُنھوں نے پدرِ بزرگوار اور برادرِ عالی قدر کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔

---

[۱] احمد بن یحییٰ البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ص ۱۶۰
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، عراق)، تاریخ الامم والملوک، ج ۵ ص ۳۸۱
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲، ص ۳۵

[۲] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲، ص ۶۶

[۳] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۱۸۸

[۴] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۳۹

[۵] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۱۵۲

[۶] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۳۹

مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں گے اس لیے آپ مکہ معظّمہ میں ہی تشریف رکھیئے جو کہ حرمِ خدائے عَزَّ وَجَل ہے اور یہاں آپ عزیز و مکرم رہیں گے اور کوئی معترض نہیں ہوگا۔ امام حسین (علیہ السّلام) نے فرمایا کہ اے برادر! مجھے اندیشہ ہے کہ یزید مجھ کو مکہ معظّمہ میں ہی قتل کروا دے گا اس لیے مجھے یہ منظور نہیں کہ میری وجہ سے حُرمتِ مکہ ذائل ہو۔ محمد بن حنفیہ نے کہا کہ بھائی! آپ یمن کی طرف یا کسی صحرا کی جانب نکل جائیں تا کہ کوئی آپ کو ڈھونڈ نہ سکے۔ فرمایا، جو کچھ تم نے کہا وہ سچ ہے اور میں اس پر غور کروں گا۔ اگلی صبح امام حسین (علیہ السّلام) نے روانگی کا حکم دیا تو حضرت محمد بن حنفیہ بے تابانہ دوڑتے ہُوئے پھر آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی کہ آپ نے تو فرمایا تھا کہ میں غور کروں گا مگر آپ تو روانہ ہو رہے ہیں۔ فرمایا ''ہاں، رات کو تمہارے جانے کے بعد جناب رسولِ خدا (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) تشریف لائے اور فرمایا کہ اے حسین (علیہ السّلام)! جلد روانہ ہو جاؤ کیونکہ خدا تمھیں اپنی راہ میں شہید دیکھنا چاہتا ہے۔'' محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) یہ سُن کر پریشان ہو گئے اور کہا ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔'' پھر عرض کی کہ یا حضرت! اگر یہی ارادہ ہے تو عورتوں کو ساتھ کیوں لے جا رہے ہیں؟ فرمایا کہ اے بھائی! اللہ کو یہی منظور ہے کہ انھیں اسیر دیکھے۔ پس محمد بن حنفیہ نے امام حسین (علیہ السّلام) کو بادیدۂ تر الوداع کیا۔ اُن کے بعد عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر نے بھی حاضر ہو کر روکنا چاہا لیکن امام عالی مقام (علیہ السّلام) اللہ کی راہ میں قدم اُٹھا چکے تھے جو واپس نہیں مڑ سکتا تھا۔ [1]

امام عالی مقام (علیہ السّلام) نے بیت اللہ کی الوداعی زیارت کرنے کے بعد اپنے اہلِ خانہ، عزیز و اقارب اور اصحاب کو روانگی کا حکم دیا۔ لوگوں کی بڑی تعداد آپ کے ساتھ ہوگئی جن میں سے اکثر وہ تھے جنھیں یہ اُمید تھی کہ آپ اقتدار حاصل کر کے اپنی حکومت قائم کریں گے۔ آپ کی محبت اور عقیدت میں سرشار ہو کر ساتھ چلنے والوں میں حضرت عباس بن علی (علیہ السّلام) اور اُن کے بھائی، جعفر بن علی، عثمان بن علی، عمر بن علی، ابوبکر بن علی، عبداللہ بن علی، محمد بن علی اور ابراہیم بن علی (رضی اللہ عنہم)؛ امام حسن (علیہ السّلام) کے پانچ بیٹے، حسن بن حسن، قاسم بن حسن، احمد بن حسن، عبداللہ بن حسن اور ابوبکر بن حسن (رضی اللہ عنہم) اور اولادِ عقیل، اولادِ مسلم، اولادِ جعفر، اور اولادِ عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہم) جو کہ پندرہ اشخاص تھے؛ اور امام حسین (علیہ السّلام) کے اپنے صاحبزادے بھی ہمراہ تھے۔ آقائی صدرالدین قزوینی رقم طراز ہیں کہ جب عظیم المرتبت خاتون، حضرت زینب بنتِ علی (علیہا السّلام) نے گھر کی دہلیز سے باہر قدم رکھا تو قمرِ بنی ہاشم حضرت ابوالفضل العباس (علیہ السّلام) نے تلوار کھینچ لی اور بآواز بلند فرمایا ''اے لوگو! اپنی آنکھیں بند کر لو اور سر جھکا دو کہ دخترِ امیر المومنین وسیّدۃ النساء العالمین اور خواہرِ سلطانِ حجاز حضرت زینب (علیہا السّلام) باہر تشریف لا رہی ہیں۔'' لوگوں نے چہرے دیوار کی طرف کر لیے اور سر جھکا دیئے تو شہزادی باہر تشریف لائیں۔ جب آپ کی نظر ہاشمی جوانوں پر پڑی تو آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ قاسم (علیہ السّلام) نے دوڑ کر کرسی زمین پر رکھی، علی اکبر (علیہ السّلام) نے بڑھ کر محمل کا

---

[1] ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ ھ، موصل، عراق)، الکامل فی التاریخ، ابنِ اثیر، ج ۴ ص ۱۳

ابنِ نما حلی، (متوفی: ۶۴۵ ھ، کربلا، عراق)، مثیر الاحزان، ص ۵۶

علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصّہ اوّل، ص ۱۷۳ تا ۱۷۵

پردہ تھاما، عباس بن علی (علیہ السلام) نے زانو کو خم کیا اور امام حسین (علیہ السلام) نے بہن کو سہارا دیا اور نہایت عزت و احتشام کے ساتھ سوار کرایا۔[1]

امام (علیہ السلام) کے قافلے کی تعداد:

مؤرخ ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ مکہ سے عراق روانگی کے وقت امام حسین (علیہ السلام) کے ہمراہ اصحاب میں سے ساٹھ (۶۰) اور اہل بیت (علیہم السلام) میں سے (مردوں، خواتین اور بچوں سمیت) اُنیس (۱۹) افراد تھے۔[2] ابنِ عساکر اور ابنِ کثیر، دونوں نے امام (علیہ السلام) کے خاندان کے افراد کی تعداد بیان کیے بغیر لکھا ہے کہ ساٹھ (۶۰) مرد آپ کے ہمراہ تھے۔[3] ابنِ کثیر نے ایک جگہ لکھا ہے امام (علیہ السلام) کے ساتھیوں کی تعداد تقریباً تین سو (۳۰۰) تھی۔[4] ابنِ قتیبہ دینوری اور ابنِ عبدربہ کی روایت ہے کہ مسلم بن عقیل (علیہ السلام) نے اپنی شہادت کے وقت بتایا تھا کہ نوے (۹۰) افراد (مرد اور خواتین)، امام (علیہ السلام) کے ساتھ آ رہے ہیں۔[5] ابنِ اعثم، خوارزمی، محمد بن طلحہ، اربلی اور ابنِ صباغ مالکی لکھتے ہیں کہ امام (علیہ السلام) کی مکہ سے روانگی کے وقت آپ کے ساتھ بیاسی (۸۲) افراد تھے۔[6] البتہ ان مآخذ نے لکھا ہے کہ امام (علیہ السلام) کے ساتھیوں میں خاندان کے افراد، خواتین، بچے اور اصحاب، سبھی شامل تھے۔

منازلِ سفر:

امام حسین (علیہ السلام) نے مکہ سے کوفہ تک کئی منزلیں طے کیں۔ ایک منزل سے دوسری منزل تک ۳ فرسخ (۱۸۷۲ میٹر

---

[1] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ا ص ۲۹۴
علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا ص ۱۴۴

[2] ابنِ سعد، ترجمۃ الامام الحسن (علیہ السلام)، ص ۱۷۰

[3] حافظ ابنِ عساکر، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، ترجمۃ الامام الحسین (علیہ السلام)، ص ۲۹۹
عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر ابنِ کثیر، (متوفی: ۷۷۴ھ، شام)، البدایہ والنہایہ، ج ۸ ص ۱۷۸

[4] عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر ابنِ کثیر، (متوفی: ۷۷۴ھ، شام)، البدایہ والنہایہ، ج ۶ ص ۲۵۹

[5] ابنِ قتیبہ دینوری، (متوفی: ۸۸۹ء، بغداد)، الامامۃ والسیاسہ، ج ۲ ص ۱۰؛ ابنِ عبدربہ، (متوفی: ۹۴۰ء)، العقد الفرید، ج ۴ ص ۳۵۵

[6] احمد بن ابومحمد بن علی اعثم کوفی، (متوفی: ۹۲۶ء)، الفتوح، ج ۵ ص ۶۹
موفق بن احمد خوارزمی، (متوفی: ۵۶۸ھ)، مقتل الحسین (علیہ السلام)، ج ا ص ۳۱۷
ابنِ طلحہ شافعی، (متوفی: ۶۵۲ھ)، مطالب السؤول فی مناقب آلِ الرسول، ج ۲ ص ۴۷
علی بن عیسیٰ اربلی، (متوفی: ۶۹۲ھ، بغدار، عراق)، کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ، ج ۲ ص ۲۵۳
ابنِ صباغ مالکی، (متوفی: ۸۵۵، یروشلم)، الفصول المہمہ، ج ۲ ص ۶

یعنی اٹھارہ کلومیٹر اور بہتر میٹر) کا فاصلہ ہُوا کرتا تھا۔ مکہ سے کربلا تک منازل کی تفصیل بہت سی کتب میں موجود ہے، مگر ان میں اختلاف پایا جاتا ہے، تاہم مندرجہ ذیل منازل کا ذکر اکثر کتب میں ملتا ہے:

۱) بستان بنی عامر
۲) تنعیم (یہاں سے کرائے کے اُونٹ حاصل کئے گئے۔)
۳) صفاح (یہاں امام علیہ السلام کی فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی۔)
۴) ذات العرق (یہاں امام علیہ السلام کی بشر بن غالب اور عون بن عبداللہ بن جعفر سے ملاقات ہوئی۔)
۵) وادی عقیق
۶) غمرہ
۷) اُمّ خرمان
۸) سلح
۹) افیعیہ
۱۰) معدن فزان
۱۱) عمق
۱۲) سلیلیہ
۱۳) مغیثہ ماوان
۱۴) نقرہ
۱۵) حاجز (امام علیہ السلام نے یہاں سے قیس بن مسہر صیداوی کو کوفہ روانہ کیا۔)
۱۶) سمیراء
۱۷) توز
۱۸) اجفر (امام علیہ السلام کی عبداللہ بن مطیع عدوی سے ملاقات۔)
۱۹) خزیمیہ
۲۰) زرود (امام علیہ السلام کی زُہیر بن قین سے ملاقات ہوئی اور مسلم بن عقیل اور عروہ کی شہادت کی خبر ملی۔)
۲۱) ثعلبیہ
۲۲) بطان

۲۳) شقوق

۲۴) زبالہ (قیس بن مسہر کی شہادت کی خبر اور نافع بن ہلال سمیت چند افراد کی حسینی قافلے میں شمولیت۔)

۲۵) بطن العقبہ (یہاں امام علیہ السلام کی عمرو بن لوزان سے ملاقات ہوئی۔)

۲۶) عمیہ

۲۷) واقصہ

۲۸) شراف

۲۹) تالاب ابومسک

۳۰) جبل ذوحسم (حسینی قافلے کا حُر کے لشکر سے سامنا۔)

۳۱) بیضہ (امام علیہ السلام کا اپنے اصحاب اور حُر ریاحی سے خطاب۔)

۳۲) مسیجد

۳۳) حمام

۳۴) مغیثہ

۳۵) اُمّ قرون

۳۶) عذیب الہجانات

(کوفہ کا راستہ عذیب الہجانات سے قادسیہ اور حیرہ کی طرف تھا لیکن امام حسین علیہ السلام راستہ بدل کر جانبِ کربلا گئے۔)

۳۷) قصرِ بنی مقاتل (امام علیہ السلام کی عبید اللہ بن حرّ جعفی سے ملاقات۔)

۳۸) قطقطانہ

۳۹) نینویٰ/کربلائے معلیٰ/وادی طَف (آخری منزل)

شاعر فرزدق:

شیخ مفید (رحمۃ اللہ علیہ) نے روایت کی ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) ابھی حدودِ حرم میں تھے (طبری نے مقام صفاح لکھا ہے) کہ مشہور شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی جس نے آپ (علیہ السلام) سے اتنی جلدی حج چھوڑ کر جانے کی وجہ پوچھی تو آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ جلدی نہ کرتا تو گرفتار کرلیا جاتا۔ پھر آپ (علیہ السلام) نے اُس سے اہلِ عراق کا احوال دریافت فرمایا تو اُس نے کہا کہ

اُن کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں آپ کے دشمن کے ساتھ۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا، ''تُو نے سچ کہا۔''[۱] علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) نے سیّد ابن طاووس (رحمۃ اللہ علیہ) کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) سے فرزدق کی ملاقات منزلِ زبالہ سے آگے ہوئی۔[۲]

یحییٰ بن سعید:

امام عالی مقام (علیہ السلام) ابھی مکہ سے نکلے رہے تھے کہ والی مکہ عمرو بن سعید بن عاص کے حکم پر اُس کا بھائی یحییٰ بن سعید ایک فوجی دستے کے ساتھ آپ کی راہ میں حائل ہُوا۔ اُس نے کہا کہ ہمیں حکم ہے کہ آپ کو گرفتار کریں یا دھوکے سے قتل کر دیں، اس لیے آپ ہمارے ساتھ واپس چلیں۔ امام (علیہ السلام) نے واپسی سے انکار کر دیا اور آگے قدم بڑھایا تو وہ لڑائی پر آمادہ ہو گیا۔ دونوں فریقوں کے درمیان جھڑپ ہوئی اور آپ (علیہ السلام) کے ساتھیوں نے جواں مردی سے مقابلہ کرتے ہُوئے اُنھیں بھگا دیا۔[۳]

قافلے والے:

مقامِ تنعیم پر یمن سے آنے والے ایک قافلے سے ملاقات ہوئی۔ امام (علیہ السلام) نے قافلے والوں سے کچھ اُونٹ کرائے پر لیے اور فرمایا جو ہمارے ساتھ عراق تک چلیں گے ہم اُن کو پورا کرایہ دیں اور اچھا سلوک کریں گے اور جو راستے سے

---

[۱] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۶۸
آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۲۸۲
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصہ اوّل ص ۱۷۸
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۱۳۷؛ ۱۸۴؛ ۱۹۳
[۲] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۶۸
آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۲۸۲
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصہ اوّل ص ۱۷۸
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۱۳۷؛ ۱۸۴؛ ۱۹۳
[۳] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۶۸
آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۲۸۲
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصہ اوّل ص ۱۷۸
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۱۳۷؛ ۱۸۴؛ ۱۹۳

جُدا ہونا چاہیں گے ہم اُن کو اُس حساب سے کرایہ ادا کریں گے، چنانچہ کچھ لوگ آپ کے ساتھ چلنے پر تیار ہو گئے۔ [۱]

حضرت عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہ) اور اُن کے بیٹے:

حضرت عبداللہ بن جعفر (علیہ السلام)، حضرت جعفر طیار بن ابی طالب (علیہ السلام) کے فرزند، امام علی (علیہ السلام) کے داماد، اور حضرت زینب (علیہا السلام) کے شوہر تھے۔ امام حسین (علیہ السلام) کو ذات عرق سے پہلے اُن کے بیٹوں کے ذریعے اُن کا خط ملا جس میں آپ سے واپسی کی استدعا کرتے ہُوئے لکھا تھا ''میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میرا خط ملتے ہی واپس تشریف لے آئیں کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ آپ جہاں جا رہے ہیں وہاں آپ سب کو شہید کر دیا جائے گا اور آپ کے بعد زمین پر نُور ختم ہو جائے گا کیونکہ آپ ہی ہدایت پانے والوں کے مینارۂ ہدایت اور مومنین کی اُمیدوں کا مرکز ہیں۔ سفر میں جلدی نہ کریں، اپنے خط کے پیچھے میں بھی آ رہا ہوں۔ والسّلام۔'' چنانچہ راستے میں حضرت عبداللہ بن جعفر والی مکہ عمرو بن سعید کا ایک اُمید افزا خط لیے آپ سے آ ملے۔ اُن کے ساتھ عمرو بن سعید کا بھائی یحییٰ بن سعید بھی تھا (جو مکہ سے نکلتے ہی آپ کی راہ میں حائل ہُوا تھا)۔ حضرت عبداللہ بن جعفر نے واپسی کی درخواست کی تو آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں نے عالمِ خواب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھا اور جو اُنھوں نے فرمایا میں اُسی پر عمل کروں گا۔ آپ (علیہ السلام) نے خواب سے متعلق استفسار پر جواب دیا کہ میں وہ خواب بیان نہیں کروں گا یہاں تک کہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤں۔ حضرت عبداللہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے لیکن اپنے دونوں بیٹوں عون و محمد (رضی اللہ عنہما) کو تاکید کی کہ وہ آپ (علیہ السلام) کی خدمت میں رہیں، آپ کا ساتھ دیں اور جہاد کریں۔ [۲]

بشر بن غالب اسدی:

مروی ہے کہ جب امام حسین (علیہ السلام) منزلِ ذات العرق پر وارد ہُوئے تو بعض لوگوں نے آپ سے ملاقات کی جن میں سے کچھ آپ کے ہمرکاب ہونے کے لیے آپ کے حکم کا انتظار کرنے لگے۔ اس منزل پر عراق سے آتے ہُوئے بشر بن

---

[۱] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد) ص ۲۸۵
ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصّہ اوّل ص ۱۷۸
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۱۸۴

[۲] ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۱۸۵
آقائی صدر الدین قزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۲۹۵

غالب اسدی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر سلام عرض کیا۔ آپ نے اُن سے کوفہ کا حال اور وہاں کے لوگوں کی دوستی ودشمنی کے بارے میں دریافت فرمایا تو اُنھوں نے عرض کی کہ مولا! کوفہ والوں کے دل آپ کی طرف ہیں لیکن تلواریں باطل کے ساتھ ہیں۔ حضرت (علیہ السلام) نے فرمایا، ''اے برادر اسدی! تم سچ کہتے ہو، میں تو اللہ کی رضا کے سامنے سربسجود ہوں۔'' صدرالدین قزوینی لکھتے ہیں کہ شیخ صدوق (رحمۃ اللہ علیہ) کے مطابق بشر بن غالب منزل ثعلبیہ پر امام حسین (علیہ السلام) سے ملے تھے۔ [۱]

قیس بن مسہر صیداوی (رضی اللہ عنہ)/عبداللہ بن یقطر (رضی اللہ عنہ):

امام حسین (علیہ السلام) رمہ کی وادی میں حاجز کے مقام پر پہنچے تو قیس بن مسہر صیداوی (رضی اللہ عنہ) کو اہلِ کوفہ کے نام ایک خط دے کر روانہ کیا۔ شیخ مفید (رحمۃ اللہ علیہ) کے مطابق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام (علیہ السلام) نے عبداللہ بن یقطر (رضی اللہ عنہ) کو روانہ کیا۔ خط کا متن مندرجہ ذیل تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حسین ابنِ علی کی طرف سے مومن اور مسلمان بھائیوں کی طرف سلام علیکم!

میں تمھارے سامنے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نھیں۔ امابعد، مسلم بن عقیل کا خط مجھے ملا جس میں اُنھوں نے تمھاری اچھی رائے اور تمھاری جماعت کے ہماری نصرت پر متفق ہونے اور ہمارے حق کا مطالبہ کرنے کی خبر دی ہے۔ پس، میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہم سے عمدہ اور نیک سلوک کرے اور تمھیں اس پر اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ اور میں نے مکہ سے منگل کے روز آٹھویں ذی الحجہ ترویہ کے دن اپنا قاصد تمھاری طرف بھیجا ہے پس میرا خط ملتے ہی اپنے معاملے میں تیز روی اختیار کرو اور پوری کوشش کرو۔ میں انھیں دنوں تمھارے پاس آرہا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ [۲]

امام (علیہ السلام) کے اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو ابھی تک حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ اُدھر ابنِ زیاد کو امام (علیہ السلام) کے روانہ ہونے کی خبر مل چکی تھی اس لیے اُس نے ایک فوجی افسر حُصین بن نُمیر کو آپ کا راستہ روکنے کے لیے قادسیہ روانہ کیا۔ اُس نے قادسیہ پہنچتے ہی اردگرد کے علاقوں تک ناکہ بندی کر کے سخت پہرہ لگا دیا۔ چنانچہ قیس بن مسہر صیداوی (رضی اللہ عنہ) جب قادسیہ پہنچے تو حُصین بن نُمیر نے اُنھیں گرفتار کر کے عبیداللہ ابنِ زیاد کے سامنے پیش کر دیا۔ ابنِ زیاد نے اُن سے کہا کہ منبر پر جا کر جھوٹے پر سب وشتم کرو۔ اُس کا اشارہ (معاذ اللہ) امام حسین (علیہ السلام) کی طرف تھا۔

[۱] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج۱ ص ۳۰۷
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۱۸۶
[۲] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد)، ص ۲۸۶ تا ۲۸۷

قیس (رضی اللہ عنہ) منبر پر گئے اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد کہا، ''لوگو! حسین (علیہ السلام) بن علی (علیہ السلام) مخلوقِ خدا میں سب سے افضل اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی بیٹی فاطمہ (علیہا السلام) کے فرزند ہیں۔ میں اُن کا قاصد ہوں اور تمھاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ پس، اُن کی دعوت قبول کرو اور اس پر لبیک کہو۔'' پھر اُنھوں نے ابنِ زیاد اور اُس کے باپ پر لعنت کی، اور علی (علیہ السلام) پر دُرود بھیجا تو ابنِ زیادہ نے حکم دیا کہ انھیں محل کی چھت سے نیچے پھینک دو۔ چنانچہ اُنھیں دارلامارہ کی چھت سے نیچے پھینکا گیا تو اُن کا بدن پاش پاش ہوگیا۔ بروایتے اُن کے ہاتھ بندھے ہُوئے تھے اور ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوگئی تھیں لیکن سانس چل رہی تھی کہ ابنِ زیاد کے ایک کارندے عبدالملک بن عمیر لخمی نے اُنھیں ذبح کر دیا۔ [۱] حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کے بعد حضرت قیس بن مسہر صیداوی (رضی اللہ عنہ)، امام عالی مقام (علیہ السلام) کے جاں نثاروں میں دوسرے شہید تھے۔

علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ مالک بن یربوع تمیمی نے عبداللہ بن یقطر (رضی اللہ عنہ) کو گرفتار کر کے ایک خط کے ساتھ ابنِ زیاد کے رُوبرو پیش کیا۔ وہ خط حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کی طرف سے امام حسین (علیہ السلام) کے نام تھا جس میں لکھا تھا کہ بعد حمد وصلوٰۃ کے میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ کوفہ کے بہت سے لوگ آپ کی بیعت میں آگئے ہیں اس لیے میرا خط ملتے ہی فوراً تشریف لے آیئے۔ اہلِ کوفہ آپ کے مطیع ہیں اور یزید سے مطلق رغبت ومحبت نہیں رکھتے۔ ابنِ زیاد نے وہ خط پڑھ کر عبداللہ بن یقطر (رضی اللہ عنہ) کو شہید کروا دیا۔ [۲]

عبداللہ بن مطیع عدوی:

امام (علیہ السلام) حاجز سے آگے کوفہ کی طرف گامزن تھے کہ راستے میں (اجفر کے مقام پر) عبداللہ بن مطیع عدوی سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے بھی دیگر خیرخواہوں کی طرح آپ کو بنی اُمیّہ کے ناپاک ارادوں سے آگاہ کرتے ہُوئے کوفہ جانے سے منع کیا لیکن آپ کے پائے ثبات میں لرزش پیدا نہ ہوئی اور آپ ثابت قدمی سے آگے بڑھ گئے۔ ابنِ زیاد کے حکم سے راستوں پر سخت پہرہ تھا اور اُموی سپاہی ہر آنے جانے والے کو روک رہے تھے جس کی تصدیق راستے میں ملنے والے عرب دیہاتیوں سے ہوئی۔ اُنھوں نے امام (علیہ السلام) کو بتایا کہ سخت پہرے کی وجہ سے لوگ اندر جا سکتے ہیں نہ باہر نکل سکتے ہیں، یعنی کہیں آ جا نہیں سکتے۔ [۳]

---

[۱] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد) ص ۲۸۶

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۱۶۵

[۳] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد) ص ۲۸۹

ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصہ اوّل، ص ۱۸۶

علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۱۹۰

زُہیر بن قین (رضی اللہ عنہ):

قبیلہ فزارہ اور بَجَلّیہ کی جماعت کا بیان ہے کہ وہ زُہیر بن قین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مکہ آتے ہُوئے ایک منزل (مقامِ زرود) پر کھانا کھانے بیٹھے تھے کہ امام حسین (علیہ السلام) کا قاصد زُہیر بن قین کے لیے اُن کا بلاوا لے کر آیا۔ وہاں موجود سبھی لوگ پریشان ہو گئے لیکن زُہیر کی ہچکچاہٹ دیکھ کر اُن کی بیوی نے اُنھیں کہا کہ سبحان اللہ، فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا پیغام ملنے کے باوجود تم نہیں جاؤ گے؟ کاش تم اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے اور سنتے کہ وہ کیا فرماتے ہیں۔ چنانچہ زُہیر چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد خوش وخُرم واپس آئے اور بتایا کہ وہ امام (علیہ السلام) کے ساتھ جا رہے ہیں اور جو اُن کے ساتھ آنا چاہے آ سکتا ہے، یہ آخری ملاقات ہے۔ اُنھوں نے بیوی کو آزاد کر دیا اور کہا کہ تم اپنے خاندان کے پاس چلی جاؤ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میرے بعد تمھیں کوئی تکلیف ہو۔[۱] آقائی صدرالدین قزوینی لکھتے ہیں کہ اپنی زوجہ کے کہنے پر زُہیر بن قین جوشِ غیرت میں اُٹھے اور امام حسین (علیہ السلام) کے خیمے پر پہنچے۔ نظرِ عقیدت نے سجدۂ شُکر ادا کیا کہ خوشا نصیب مجھے درِ فرزندِ رسول (علیہ السلام) تک رسائی ہوئی۔ اُس وقت ایک گیارہ سالہ بچے نے اُن کا استقبال کیا اور خوش آمدید کہا۔ زُہیر اُس کے ہمراہ خیمے میں داخل ہُوئے تو رُخِ امام (علیہ السلام) پر نظر پڑی۔ امام (علیہ السلام) اُس وقت بارگاہِ الٰہی میں مشغولِ راز و نیاز تھے۔ زُہیر نے سلام پیش کیا تو امام حسین (علیہ السلام) نے سلام کا جواب دیا، مزاج پُرسی کی اور فرمایا، ''زُہیر! کیا تم راہِ خدا میں ہماری نصرت کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہونا چاہتے ہو؟'' پھر آپ نے باعجازِ ولایت و امامت زُہیر کو جنت کے وہ مقامات دکھائے جن پر اُنھیں شہادت کے بعد فائز ہونا تھا۔ زُہیر بن قین بحرِ فکر میں غوطہ زن ہُوئے اور اُن کی عقل و نفس میں باہم جنگ ہونے لگی۔ عافیت بخیر تھی اس لیے شیطانی وسوسے دُور ہو گئے اور وہ جامِ شہادت نوش کرنے پر کمر بستہ ہو گئے۔ عرض کی، ''اے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے فرزند! اور دیدۂ زہرا (علیہا السلام) کے نور! میں آپ کی راہ میں اپنے مال و جان اور اہل و عیال کو اس شرط پر چھوڑتا ہوں کہ آخرت میں آپ مجھے اپنے ساتھ رکھیں گے۔'' امام (علیہ السلام) نے فرمایا، ''اے زُہیر! تم آخرت میں ہمارے ساتھ رہو گے۔'' پس یہ سُن کر زُہیر اپنی جگہ سے اُٹھے اور خنداں و شاداں اپنے خیمے میں پہنچ کر غلاموں کو حکم دیا کہ میرا خیمہ یہاں سے اُکھاڑ کر امام حسین (علیہ السلام) کے نزدیک نصب کر دو، اور ساتھیوں سے کہا کہ جو تم میں بہشت کا آرزومند ہے وہ میرے ساتھ چلے۔ شیخ مفید (رحمۃ اللہ علیہ) کے

---

[۱] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد)، ص ۲۸۹
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصّہ اوّل، ص ۱۸۶
آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۳۱۳ تا ۳۱۴
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۹۱

بقول زُہیر بن قین نے اپنی زوجہ کو آزاد کر دیا تھا، لیکن مُتعدّد اقوال کے مطابق اُنھوں نے اپنی زوجہ سے کہا کہ جس قدر مال و اسباب کی خواہش ہے لے لو اور اپنے بھائیوں کے پاس کوفہ چلی جاؤ۔ وہاں مکان موجود ہے اُس میں رہائش اختیار کر لو کیونکہ میں حضرت امام حسین (علیہ السلام) کا غلام بن کر اُن کے ہمراہ جا رہا ہوں۔ میں نے اپنا سر امام (علیہ السلام) کے قدموں میں رکھ دیا ہے اور جان اُن کے سُپُرد کر دی ہے اور عنقریب سفرِ خُلد اختیار کرنے والا ہوں۔ اُن کی زوجہ نے جب یہ سُنا تو کہا کہ اے زہیر! میں تیری بیوی ہوں، اس قدر بیوفائی کیوں کہ تم تو حسین (علیہ السلام) کی غلامی میں رہو، (اور میں کوفہ میں)۔ پس، اگر تم حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں رہو گے تو میں حضرت زینب (علیہا السلام) کی اطاعت میں رہوں گی۔ [۱]

منزل ثعلبیہ اور ہاتف غیبی:

بروایتے، امام حسین (علیہ السلام) نے ظہر کے وقت منزلِ ثعلبیہ پر پہنچ کر آرام کیا اور بیدار ہُوئے تو فرمایا کہ خواب میں ہاتفِ غیبی نے کہا ہے کہ جلدی کرو کیونکہ موت تمھیں جنت میں لے جانا چاہتی ہے۔ یہ سُن کر حضرت علی اکبر (علیہ السلام) نے پوچھا کہ بابا جان! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ فرمایا کہ بے شک ہم حق پر ہیں۔ حضرت علی اکبر (علیہ السلام) نے عرض کی کہ اگر ہم حق پر ہیں تو پھر ہمیں قتل ہونے کی کوئی پرواہ نہیں۔ فرمایا کہ اے فرزند! خدا تجھے جزائے خیر عطا فرمائے۔ [۲] اکثر نے مندرجہ بالا روایت کو عذیب الہجانات اور قصرِ بنی قاتل سے آگے لکھا ہے۔ چنانچہ، عقبہ بن سمعان سے روایت ہے کہ ہم گھنٹہ بھر ہی چلے ہوں گے امام (علیہ السلام) نے گھوڑے کی زین پر اُونگھ سی لی، پھر بیدار ہُوئے اور فرمایا: ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○'' (ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور حمد ہے اللہ کے لیے جو عالمین کا پروردگار ہے۔) امام (علیہ السلام) نے یہ کلمات دو تین مرتبہ دُہرائے تو آپ (علیہ السلام) کے فرزند جناب علی بن الحسین (علیہ السلام) اپنا گھوڑا آپ کے قریب لائے اور آپ کے کلمات دُہراتے ہُوئے کہا، ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○'' پھر عرض کی، ''بابا! میں آپ پر فدا ہو جاؤں، آپ اس وقت یہ کلمہ کیوں کہہ رہے ہیں؟'' امام (علیہ السلام) نے فرمایا، ''بیٹا! میری آنکھ لگ گئی تھی اور میں نے خواب میں ایک سوار کو دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ تو چلے جا رہے ہیں اور موت ان کی طرف آ رہی ہے۔ پس، میں سمجھ گیا کہ ہمیں ہماری موت کی خبر دی گئی ہے۔ جناب علی بن الحسین (علیہ السلام) نے عرض کی، ''بابا! خدا آپ کو ہر بلا سے محفوظ رکھے، کیا ہم لوگ حق پر نہیں؟'' امام (علیہ السلام) نے فرمایا، ''قسم ہے خدا کی جس کے پاس ہم

---

[۱] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد)، ص ۲۸۹
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصّہ اوّل، ص ۱۸۶
آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۳۱۳ تا ۳۱۴

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۸۶

سب کو جانا ہے، ہم حق پر ہیں۔'' علی بن الحسین (علیہ السلام) نے کہا، ''پھر ہمیں کوئی پروا نہیں۔ مریں گے تو حق پر مریں گے۔'' آپ (علیہ السلام) نے فرمایا، ''جزاک اللہ! باپ کی طرف سے فرزند کو جو بہترین جزا مل سکتی ہے وہ تم کو ملے میرے بچے!'' [1]

امام حسین (علیہ السلام) اور پھر اُن کی زبانی آپ کے فرزند جناب علی (علیہ السلام) کو شہادت کی جو بشارت اس وقت ملی تھی، امام عالی مقام (علیہ السلام) اس سے پہلے ہی واقف تھے اور نہ صرف آپ بلکہ آپ کے نانا رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، بابا علی ابنِ ابی طالب (علیہ السلام)، والدہ سیّدۃ النساء العالمین (علیہا السلام) اور دیگر اہلِ بیت بھی بخوبی واقف تھے۔ حتیٰ کہ کئی منابع میں بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ خداوند عالم نے امام حسین (علیہ السلام) کی شہادت کی خبر تقریباً تمام انبیا کرام (علیہم السلام) کو بھی دی تھی۔

وہب بن عبداللہ کلبی (رضی اللہ عنہ):

بعض کتب میں اِن کا نام وہب بن عبداللہ کلبی آیا ہے اور بعض میں وہب بن جناب یا حباب مذکور ہے۔ [2] ان کا تعلق قبیلہ بنی عُلیم سے تھا۔ [3] بقولے، یہ کوفہ کے نامور نصرانی تاجر تھے لیکن امام (علیہ السلام) کی خدمت میں پہنچ کر اپنی زوجہ سمیت مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ [4] روایت ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) جب منزلِ ثعلبہ پر تشریف فرما تھے تو وہب بن عبداللہ کلبی (رضی اللہ عنہ) آپ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور اسلام قبول کر آپ کے ساتھیوں میں شامل ہو گئے۔ وہب ایک جوانِ رعنا تھے جن کی شادی کچھ دن پہلے ہی ہوئی تھی اور وہ اپنی والدہ اور بیوی کے ساتھ ثعلبیہ کے صحرا میں خیمہ زن تھے۔ ایک دن صحرا نوردی کر کے واپس پہنچے تو اپنے خیمے کے پاس ایک چشمہ رواں دیکھا جو وہاں پہلے نہیں تھا۔ سوچنے لگے کہ یہ خواب ہے یا فریبِ نظر؟ حیرت کے عالم میں اپنی والدہ کے پاس گئے اور اُس چشمے سے متعلق سوال کیا تو وہ کہنے لگیں کہ بیٹا! کچھ دیر پہلے ایک شہسوار ہمارے خیمے کے پاس سے گزرا تھا۔ اُس نے مجھ سے صاحبِ خیمہ کا یعنی تمھارا نام ونسب دریافت کیا اور جب میں نے اُسے تمھارے بارے میں بتایا تو کہنے لگا کہ وہب کو ہمارے پاس بھیج دینا۔ اُسی سوار نے زمین پر نیزہ مارا تو یہ چشمۂ آب جاری ہو گیا۔ والدہ کی بات سُن کر وہب بہت خوش ہُوئے اور کہا کہ اے مادرِ گرامی! جس کے وسیلے سے خدا نے ہمارے لیے چشمہ جاری کیا ہمیں اُس شاہِ کونین کی خدمت کرنی چاہیے۔ یہ کہہ کر اُٹھے اور مولا حسین (علیہ السلام) کی غلامی اختیار کرنے کے

---

[1] ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصہ اوّل، ص ۱۹۵
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد)، ص ۲۹۵
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۰۰

[2] استاد مہدی پیشوائی، مقتل جامع، ج ۱ ص ۶۵۷

[3] تاریخ طبری، ج ۵ ص ۴۲۹

[4] یو آر ڈاٹ وکی پیڈیا ڈاٹ او آر جی

لیے لشکرِ حسینی کا رُخ کیا۔ وہب، جاتے ہی امام (علیہ السلام) کے قدموں پر گر پڑے اور دینِ اسلام اختیار کر لیا۔ اُنھوں نے اپنے خیمے پہلی جگہ سے اُکھاڑ کر امام (علیہ السلام) کے خیام کے نزدیک نصب کرا لیے۔ ابی مخنف اور شیخ صدوق (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد وہب واپس نہیں گئے بلکہ کربلا تک امام (علیہ السلام) کے ساتھ رہے، حتیٰ کہ جامِ شہادت نوش کیا۔ [1]

مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) اور ہانی بن عروہ (رضی اللہ عنہ) کی خبر:

عبداللہ بن سلیمان اسدی اور منذر بن مشمعل اسدی کا بیان ہے کہ حج ادا کرنے کے بعد وہ تیزی سے امام حسین (علیہ السلام) کے پیچھے روانہ ہُوئے تاکہ آپ (علیہ السلام) کا احوال جان سکیں۔ زرود کے مقام پر اُن کی ملاقات کوفہ سے آنے والے ایک اسدی سے ہوئی جس کا نام بکر تھا۔ اُنھوں نے اُس سے وہاں کے حالات جاننا چاہے تو اُس نے بتایا کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کو قتل کر دیا گیا ہے اور اُن کے لاشے پاؤں سے پکڑ کر بازاروں میں گھسیٹے جا رہے ہیں۔ یہ اندوہناک خبر سُن کو وہ تیزی سے آگے بڑھے اور ثعلبہ کی منزل پر امام (علیہ السلام) سے جا ملے۔ اُنھوں نے امام عالی مقام (علیہ السلام) کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی کہ ہمارے پاس آپ کے لیے ایک خبر ہے اگر آپ حکم دیں تو سب کے سامنے بیان کر دیں؟ امام حسین (علیہ السلام) نے ایک نظر اُن کی طرف پھر اپنے اصحاب کی طرف دیکھا اور فرمایا ان سے کوئی پردہ نہیں۔ اُنھوں نے زرود کے مقام پر ملنے والے اسدی کا حوالہ دیتے ہُوئے کہا کہ وہ ہمارے قبیلے کا ایک صاحب رائے، سچا اور عقل مند شخص ہے اور اُس نے بتایا ہے کہ کوفہ میں مسلم اور ہانی کو شہید کر دیا گیا ہے اور اُن کے لاشے بازاروں میں گھسیٹے جا رہے ہیں۔ اور وہ اسدی اُس وقت وہیں تھا۔ یہ المناک خبر سُن کر امام حسین (علیہ السلام) بہت غمگین ہو گئے اور فرمایا، ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○ خدا اُن دونوں پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔'' آپ (علیہ السلام) یہ کلمات بار بار دُہرا رہے تھے۔ پھر عبداللہ اسدی اور منذر اسدی نے دیگر خیر خواہوں کی طرح آپ (علیہ السلام) کی خدمت میں عرض کی کہ خدا کے لیے واپس تشریف لے جائیے کیونکہ کوفہ میں آپ کا کوئی مددگار نہیں بلکہ وہ سب آپ کے خلاف ہیں۔ آپ (علیہ السلام) نے اولادِ عقیل کی جانب دیکھا اور فرمایا، ''مسلم کو شہید کر دیا گیا ہے، اب تمھاری کیا رائے ہے؟'' اُنھوں نے کہا، ''واللہ! ہم واپس نہیں جائیں گے جب تک بدلہ نہ لے لیں یا وہ نہ چکھ لیں جو مسلم نے چکھا۔'' امام (علیہ السلام) اسدیوں کی طرف متوجہ ہُوئے اور فرمایا، ''اُن کے بغیر زندگی میں کچھ اچھا نہیں۔'' اسدی جان گئے کہ امام (علیہ السلام) واپس نہیں جائیں گے، پس عرض کی کہ خدا آپ کو خیر و برکت دے، تو آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ خدا تم دونوں پر رحم فرمائے۔ امام (علیہ السلام) کے اصحاب نے کہا کہ آپ مسلم کی طرح نہیں ہیں، اگر آپ کوفہ گئے تو لوگ فوراً آپ کی طرف

---

[1] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ا ص ۵۲ ۳؛ ص ۶۰۶

آجائیں گے۔ یہ سُن کر آپ (علیہ السلام) نے خاموشی اختیار فرمالی۔ سحری کے وقت نوجوانوں اور خدمتگاروں سے فرمایا کہ پانی زیادہ سے زیادہ بھرلو۔ پس پانی لے لیا گیا اور آپ (علیہ السلام) نے وہاں سے کوچ فرمایا یہاں تک کہ منزلِ زبالہ پر پہنچ گئے۔ [۱]

علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) نے سیّد ابن طاووس (رحمۃ اللہ علیہ) کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) منزلِ زبالہ سے آگے روانہ ہُوئے تو شاعر فرزدق آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور بعد از سلام عرض کی کہ یابنَ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! آپ کوفہ کیوں جارہے ہیں جبکہ کوفیوں نے آپ کے بھائی مسلم بن عقیل اور اُن کے شیعوں کو قتل کردیا ہے۔ یہ سُن کر امام عالی مقام (علیہ السلام) زاروقطار رونے لگے اور فرمایا کہ خدا رحمت کرے مسلم پر، وہ فردوسِ بریں میں رحمت و رضوانِ الٰہی اور نعمتِ ابدی پر فائز ہُوئے۔ جو کچھ اُن پر لازم تھا اُنھوں نے کیا اور جو ہمارے ذمہ باقی ہے ہمیں کرنا ہے۔ [۲]

منزل زبالہ پر اصحابِ باوفا (رضی اللہ عنہم) سے ملاقات:

قزوینی نے کتاب المنتخب کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب امام حسین (علیہ السلام) زبالہ سے کوفہ کی طرف متوجہ تھے تو اُس طرف سے سواروں کی ایک جماعت آتی ہوئی نظر آئی۔ وہ سب آپ کے محب اور دوست تھے جو آپ کی روانگی کی خبر سُن کر سرِ راہ آپ کے منتظر تھے۔ ان لوگوں میں ہلال بن نافع، عمرو بن خالد ازدی، حبیب ابنِ مظاہر، مسلم بن عوسجہ، ابوثمامہ صائدی، عابس بن شبیب شاکری اور اُن جیسے کچھ اور لوگ بھی تھے۔ امام حسین (علیہ السلام) کی قدم بوسی کے بعد اُنھوں نے آپ کے ہمراہ چلنے کی درخواست کی تو آپ (علیہ السلام) نے سب کو اجازت دے دی۔ اُنھوں نے آپ (علیہ السلام) کو کوفہ کے حالات اور ابنِ زیاد کے مظالم کی تفصیل سناتے ہُوئے حضرت مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر بھی دی۔ [۳]

---

[۱] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد)، ص ۲۸۹ تا ۲۹۰
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصّہ اوّل ص ۱۸۶ تا ۱۸۷
آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۳۴۵
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۱۹۲ تا ۱۹۳

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۱۹۳

[۳] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد)، ص ۲۸۹ تا ۲۹۰
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصّہ اوّل ص ۱۸۶ تا ۱۸۷
آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۳۴۵
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۱۹۲ تا ۱۹۳

عبداللہ بن یقطر (رضی اللہ عنہ) کی خبر:

زبالہ میں امام (علیہ السلام) کو عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر ملی تو آپ (علیہ السلام) آبدیدہ ہو گئے۔ آپ (علیہ السلام) نے دستِ مناجات بلند کئے اور بہت دیر تک دُعا مانگتے رہے۔ پھر سب لوگوں کو ایک تحریر پڑھ کر سنائی۔ جس کا مفہوم یہ تھا کہ ہمیں مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر کے شہید ہونے کی افسوس ناک خبر ملی ہے۔ ہماری دوستی کا دعویٰ کرنے والوں نے ہماری نصرت سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اس لیے آپ لوگوں میں سے جو واپس جانا چاہے جا سکتا ہے۔ یہ سنتے ہی کئی لوگ منتشر ہو کر دائیں بائیں چلے گئے اور آپ کے ساتھ شروع سے آئے ہُوئے چند ساتھی اور راہ میں شامل ہونے والے کچھ لوگ باقی رہ گئے۔ [۱] امام عالی مقام (علیہ السلام) کی تقریر کا مقصد شیخ مفیدؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ (علیہ السلام) چاہتے تھے کہ لوگوں کو صحیح صورتِ حال کا علم ہو جائے اور آپ (علیہ السلام) کے ساتھ وہی لوگ قدم بڑھائیں جو آپ کے جاں نثار اور مخلص ساتھی ہوں جبکہ جو لوگ محض یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ کسی ایسی جگہ تشریف لے جا رہے ہیں جہاں کے لوگ آپ کی اطاعت کر چکے ہیں اور آپ وہاں کوئی حکومت قائم کریں گے، واپس لوٹ جائیں۔ پس وہی لوگ منتشر ہُوئے جو کسی نئی حکومت کے قیام کا خواب دیکھ رہے تھے۔ سحری کے وقت آپ (علیہ السلام) نے زبالہ سے وادیِ عقبہ کی طرف کوچ کیا۔ آپ (علیہ السلام) کے حکم پر زبالہ سے بھی کافی مقدار میں پانی ساتھ لے لیا گیا۔ [۲]

عمرو بن نوذان:

وادیِ عقبہ میں امام (علیہ السلام) کی خدمت میں ایک بزرگ عمرو بن نوذان حاضر ہُوئے اور جب اُنھیں معلوم ہُوا کہ آپ (علیہ السلام) کوفہ تشریف لے جا رہے ہیں تو کہنے لگے کہ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ واپس تشریف لے جائیے۔ قسم ہے خدا کی کہ آپ نیزوں اور تلواروں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کی طرف پیغام بھیجے تھے اگر وہ آپ کے ساتھ ہوتے تو بات کچھ اور تھی مگر ان حالات میں آپ کا آگے جانا بالکل مناسب نہیں۔ امام (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے بندۂ خدا! میں جانتا ہوں کہ جو رائے تم نے دی ہے وہی ٹھیک ہے، لیکن مشیّتِ الٰہی سے مفر نہیں۔ پھر فرمایا کہ واللہ! وہ مجھے نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ میری جان نہ لے لیں۔ اور جب وہ ایسا کریں گے تو خدا اُن پر ایک ایسے شخص کو مسلط کرے گا

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۱۹۴

[۲] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۳ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد)، ص ۲۹۰

ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصہ اوّل، ص ۱۸۷

جواُنھیں ذلیل وخوار کرے گا یہاں تک کہ وہ تمام اُمّتوں کے فرقوں سے زیادہ ذلیل ورُسوا ہوجائیں گے۔ [1]

حُر کی مزاحمت:

امام حسین (علیہ السلام) عقبہ سے شراف پہنچے تو وہاں صبح تک قیام کیا۔ سحری کے وقت ساتھیوں سے فرمایا کہ یہاں سے بھی کثیر مقدار میں پانی لے لو۔ (یوں لگتا تھا جیسے امام (علیہ السلام) جانتے تھے کہ جہاں جارہے ہیں وہاں پانی کی بندش ہوگی اس لیے زیادہ سے زیادہ پانی ساتھ لے لیا جائے۔مؤلف) شراف سے کوچ کرنے کے بعد آپ (علیہ السلام) کا قافلہ آگے بڑھ رہا تھا کہ دوپہر کے وقت جبلِ ذوحسم کے قریب ایک شخص نے بلند آواز میں تکبیر کہی۔ آپ (علیہ السلام) نے بھی تکبیر کے جواب میں اللہ اکبر کہا اور اُس سے پوچھا کہ تکبیر کہنے سے تمھارا کیا مقصد تھا؟ (مسلمانوں میں رواج تھا غیر معمولی صورتِ حال میں یا ساتھیوں کو متوجہ کرنے کے لیے بھی بآواز بلند تکبیر کہا کرتے تھے۔مؤلف) اُس نے کہا کہ مجھے کھجور کے درخت نظر آرہے ہیں۔ بنی اسد کے دو ساتھیوں نے کہا کہ ہم نے تو یہاں کھجور کے درخت کبھی نہیں دیکھے بلکہ یہ تو کسی فوج کا ہراول دستہ معلوم ہوتا ہے۔ امام (علیہ السلام) نے فرمایا کہ مجھے بھی یہی لگ رہا ہے، پھر پوچھا کہ یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جسے عقب میں رکھ کر ایک ہی سمت سے ان کا سامنا کیا جائے؟ ایک اسدی نے کہا کہ جناب! آپ کے پہلو میں جبلِ ذوحسم موجود ہے، آپ اُس کی طرف چلے جائیں تو ایسا ممکن ہے۔ چنانچہ جونہی آپ جبلِ ذوحسم کے قریب پہنچے تو وہ فوجی دستہ بھی اُدھر وارد ہوگیا۔ اُن کی برچھیوں کے پھل غولِ مگس کی طرح نظر آرہے تھے اور جھنڈوں کے پھریرے گِدھوں کے پروں کی طرح فضا میں پھیلے ہُوئے تھے۔ امام (علیہ السلام) وہاں اُترے اور حکم دیا کہ یہیں خیمے نصب کردو۔ ہزار سواروں پر مشتمل وہ فوجی دستہ حُر بن یزید ریاحی کا تھا جو جلتی دوپہر میں امام (علیہ السلام) کے مقابل آٹھہرا تھا۔ آپ (علیہ السلام) نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ انھیں اور ان کے جانوروں کو پانی پلاؤ۔ حُر اور اُس کے جانور پیاسے تھے اس لیے امام عالی مقام (علیہ السلام) کے حکم پر اُنھیں خوب سیراب کیا گیا۔ حُر کا ایک سپاہی کسی وجہ سے پیچھے رہ گیا تھا، جب وہ پہنچا تو شدتِ پیاس سے جاں بلب تھا اور پیاس کی وجہ سے اُس کے گھوڑے یا بروایتے اُونٹ کی حالت بھی خراب تھی۔ امام (علیہ السلام) نے اُسے دیکھا تو فرمایا، ''اُونٹ کو بٹھاؤ'' اُس نے اُونٹ کو بٹھا دیا تو آپ (علیہ السلام) نے فرمایا، ''پانی پیو'' سپاہی پانی پینے لگا تو مشک سے پانی اُمنڈ کر نیچے گرنے لگا۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا، ''مشک کا دہانہ اُلٹ دو'' اُس سے یہ نہ ہُوا تو آپ (علیہ السلام) خود اُٹھے اور مشک کا مُنھ درست کرکے اُسے اور اُس کے جانور کو پانی پلایا۔

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۳۱۰ھ/۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصّہ اوّل ص ۱۸۷ تا ۱۸۸
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۳ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الارشاد) ص ۲۹۰ تا ۲۹۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۱۹۵

حُر آپ ہی کے تعاقب میں یہاں پہنچا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جس طرح ابنِ زیاد نے حَصین بن نُمیر کو آپ (علیہ السلام) کا راستہ روکنے کے لیے قادسیہ اور اُس کے گردونواح میں مُتعیّن کیا تھا اسی طرح حُر کو قادسیہ سے آگے کے علاقے پر مقرر کیا تھا لہٰذا اس وقت وہ ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ آپ کی راہ میں حائل تھا۔

نمازِ ظہر کا وقت ہُوا تو امام (علیہ السلام) نے حجاج بن مسروق کو اذان دینے کا حکم دیا اور اقامت سے پہلے تہمد، چادر اور نعلین پہنے ہُوئے تشریف لائے۔ آپ (علیہ السلام) نے حمد وثنائے ربِ جلیل کی اور (حُر اور اُس کے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہُوئے) فرمایا، ''لوگو! میں اُس وقت تک تمھاری طرف نہیں آیا جب تک تمھارے قاصد تمھارا یہ پیغام لے کر میرے پاس نہیں آئے کہ آپ آیئے، کیونکہ ہمارا کوئی امام نہیں اور شاید آپ کے سبب خدا ہم کو ہدایت کے راستے پر گامزن کردے۔ چنانچہ اب میں تمھاری طرف آ گیا ہوں، اور اگر تم اپنے اُس قول پر متفق ہو تو مجھ سے عہد کرو تا کہ مجھے اطمینان حاصل ہو جائے اور میں تمھارے شہر چلوں، اور اگر ایسا نہیں ہے اور تمھیں میری آمد ناگوار گزری ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں اُدھر لوٹ جاتا ہوں۔''

آپ (علیہ السلام) کا خطاب سُن کر سب خاموش ہو گئے، کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو آپ نے مُؤذِّن سے فرمایا، ''اقامت کہو۔'' پھر حُر کی طرف متوجہ ہُوئے اور پوچھا، ''کیا تم لوگ الگ سے نماز پڑھو گے؟'' حُر نے کہا، ''نہیں! ہم سب آپ کے ساتھ ہی نماز پڑھیں گے۔'' پس، آپ (علیہ السلام) نے نماز پڑھائی اور پھر اپنے خیمے میں تشریف لے گئے جہاں آپ (علیہ السلام) کے ساتھی آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ حُر کے لشکر میں اُس کے لیے بھی ایک خیمہ نصب ہو چکا تھا، وہ بھی اپنے خیمے میں چلا گیا۔ عصر کے وقت امام (علیہ السلام) پھر خیمے سے باہر تشریف لائے اور مُؤذِّن سے فرمایا کہ اذان دو۔ اذان اور اقامت کے بعد آپ (علیہ السلام) نے نمازِ عصر پڑھائی اور حمد وثنائے الٰہی کے بعد سب کی طرف رُخ کر کے فرمایا، ''اے لوگو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے اور حقداروں کے حقوق پہچانو گے تو اللہ تم سے راضی ہوگا۔ ہم اہلِ بیت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور اُن لوگوں سے اَولیٰ ہیں جو ظالم ہیں اور تم پر حکمرانی کے دعوے دار بنے بیٹھے ہیں، جس کا اُنھیں کوئی حق نہیں۔ اگر تم ہمارے حق سے ناواقف ہو اور ہمارا انکار کرتے ہو اور جو پیغام اور خطوط تم نے بھیجے ہیں اُن سے بھی منکر ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔'' حُر نے کہا، ''واللہ! مجھے نہیں معلوم کہ آپ کن خطوط کا ذکر کر رہے ہیں۔'' امام (علیہ السلام) نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا کہ جاؤ اور خطوط سے بھرے دونوں تھیلے لے آؤ۔ عقبہ تھیلے لے آیا اور تمام خطوط سب کے سامنے بکھیر دیے۔ حُر نے خطوط کو دیکھ کر کہا کہ یہ ہم نے نہیں لکھے۔ ہمیں تو حکم ملا ہے کہ آپ کو جہاں پائیں آپ کے ساتھ رہیں اور کوفہ لے جا کر ابنِ زیاد کے سامنے پیش کریں۔ آپ (علیہ السلام) نے حُر سے فرمایا کہ موت قریب تر اور آسان ہے اس ذلّت سے۔ یعنی جب تک میں زندہ ہوں اس ذلّت پر آمادہ نہ ہوں گا۔ یہ کہہ کر آپ (علیہ السلام) اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہُوئے اور اُنھیں کُوچ کا حکم دیا۔ جب قافلہ تیار ہو گیا اور مستورات بھی سوار ہو گئیں تو حُر کا لشکر مزاحم ہو گیا۔

بقولے، امام (علیہ السلام) نے حُر سے کہا، ''تیری ماں تیرے غم میں روئے، تُو کیا چاہتا ہے؟'' حُر نے کہا، ''ان حالات میں آپ کی بجائے کوئی اور مجھے یہ الفاظ کہتا کہ تو میں اُسے بھی ایسا ہی جواب دیتا لیکن واللہ! آپ کی والدہ کا ذِکر تو اچھائی کے علاوہ کسی اور طرح کیا ہی نہیں جا سکتا۔'' امام (علیہ السلام) نے فرمایا، ''پھر تم کیا چاہتے ہو؟'' کہا، ''میں آپ کو ابنِ زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔'' فرمایا، ''واللہ! یہ ناممکن ہے۔'' ایسے مکالمات کی تین مرتبہ تکرار کے بعد حُر نے کہا، ''مجھے آپ سے جنگ کرنے کا حُکم نہیں۔ مجھے تو اتنا کہا گیا ہے کہ آپ کے ساتھ ساتھ رہتے ہُوئے آپ کو کوفہ لے جاؤں۔ اگر آپ انکار کرتے ہیں تو پھر کوئی درمیانی راستہ اختیار کر لیجیئے جو آپ کو کوفہ لے جائے نہ مدینہ۔ اس دوران میں عبید اللہ کو خط لکھتا ہوں کہ خدا کرے کوئی ایسی سبیل پیدا ہو جائے کہ میں آپ کے معاملے میں مُلوَّث ہونے سے بچ جاؤں۔ اور بہتر ہے کہ آپ عذیب اور قادسیہ کی راہ سے بائیں طرف مڑ جائیں۔'' یہ کہہ کر حُر بھی امام (علیہ السلام) کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اُموی سپاہ کا ایک بہترین کمانڈر ہونے کی وجہ سے حُر آنے والے حالات سے بخوبی واقف تھا اس لیے مختلف دلائل سے آپ کو قائل کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ آگے نہ جائیں وہاں آپ کی جان کو سخت خطرہ ہے۔ امام (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ کیا تم مجھ پر قتل سے بھی بڑی کوئی مصیبت لا سکتے ہو؟ پھر آپ (علیہ السلام) نے قبیلہ اوس کے ایک شخص کی مثال دی جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نصرت کے لیے جا رہا تھا اور اُس کے چچا زاد بھائی نے اُسے موت کا خوف دلاتے ہُوئے روکنا چاہا تو اُس نے کہا کہ میں تو ضرور جاؤں گا کیونکہ حق کی راہ پر چلنے والوں اور نیکو کاروں کی نصرت کرنے والے مسلمان جوانمردوں کے لیے موت میں کوئی عار نہیں۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا، ''حالات تمھارے سامنے ہیں۔ دُنیا بدل چکی ہے، اور اجنبی دکھائی دینے لگی ہے، اس کی اچھائی مٹ گئی ہے اور صرف گندی اور مہلک چراگاہ کی طرح حقیر حصّہ باقی رہ گیا ہے۔ حق پر عمل ناپید ہو چکا ہے اور باطل سے بچا نہیں جا رہا۔ ان حالات میں مومن کو اللہ سے ملاقات کا اشتیاق ہونا چاہیے۔ میں بذاتِ خود اپنے لیے موت کو سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندگی گذارنا جرم خیال کرتا ہوں۔'' آپ (علیہ السلام) نے مزید فرمایا، ''اگر میں زندہ رہا تو میرے لیے کوئی ندامت نہیں اور قتل ہو گیا تو کوئی تکلیف نہیں لیکن تیرے لیے یہی کافی ہے کہ تُو زندہ رہے مگر ذِلّت و رسوائی کے ساتھ۔'' آپ (علیہ السلام) کا کلام سُن کر حُر اپنے ساتھیوں کی طرف چلا گیا اور امام اپنے اصحاب کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ [1]

طرماح بن عدی (رضی اللہ عنہ):

امام (علیہ السلام) عذیب الہجانات پہنچے تو طرماح بن عدی کی قیادت میں کوفہ سے آنے والے چار لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ وہ آپ (علیہ السلام) کی مدح میں اشعار پڑھ رہے تھے۔ حُر اُنھیں گرفتار کرنے کے لیے بڑھا تو آپ (علیہ السلام) نے

---

[1] ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ا ص ۲۹۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۹۵ تا ۱۹۸

فرمایا کہ جو میں اپنے لیے گوارا نہیں کرتا ان کے لیے بھی نہیں کروں گا۔ یہ میرے انصار ہیں اور تم مجھ سے کہہ چکے ہو کہ جب تک ابنِ زیاد کی طرف سے تمھارے خط کا جواب نہیں آتا تم مجھ سے کوئی تعرُّض نہیں کرو گے۔ حُر نے کہا یہ درست ہے مگر یہ لوگ آپ کے ساتھی تو نہیں۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ میرے ساتھی ہی ہیں کیونکہ یہ بھی اُنھیں کی طرح ہیں جو میرے ساتھ آئے ہیں۔ پس، جو بات تم مجھ سے کہہ چکے ہو اُسی پر قائم رہو ورنہ (ان کے لیے) میں تم سے جنگ کروں گا۔ آپ (علیہ السلام) کا حکم سنتے ہی حُر پیچھے ہٹ گیا۔[1] طرماح کے ایک ساتھی، مجمع بن عبداللہ نے کہا کہ کوفہ کے بڑے بڑے لوگوں کے تھیلے (دولت سے) بھر کر اُنھیں اپنے ساتھ ملا لیا گیا ہے اور وہ سب آپ کے خلاف متفق و متحد ہو چکے ہیں۔ اور کمزور طبقے کا یہ حال ہے اُن کے دِل تو آپ کی طرف ہیں لیکن تلواریں اُن کے ساتھ۔ طرماح بن عدی نے عرض کی کہ جب میں کوفہ سے نکلا تو شہر کے باہر کثیر افواج دیکھیں جو آپ سے جنگ کرنے کے لیے جمع ہو رہی تھیں۔ اس لیے میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اُس طرف نہ جائیں بلکہ میرے ساتھ چلیں۔ میں آپ کو اپنے بلند پہاڑ واجا پر لیے چلتا ہوں جہاں پر ہم شاہانِ غسان و حمیر اور نعمان بن منذر اور ہر اسوّد و احمر سے محفوظ رہے ہیں۔ واللہ ہم کبھی مطیع نہیں ہُوئے۔ اور میں بنی طے کے بیس ہزار لوگوں کو بلا کر آپ کی حفاظت کے لیے آپ کے سامنے پیش کروں گا جو اپنی جان پر کھیل کر آپ کی حفاظت کریں گے۔" آپ نے طرماع کی بات سُن کر فرمایا، "خدا تجھے اور تیری قوم کو جزائے خیر دے۔ بات یہ ہے کہ ہم میں اور اُن لوگوں میں ایک قول ہو چکا ہے جس کے سبب ہم واپس نہیں جا سکتے۔ نہیں معلوم کہ ہمارا اور اُن کا انجام کیا ہو۔"[2] بروایتے امام حسین (علیہ السلام) نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی ایسا راستہ جانتا ہے جو عام شاہراہ کے علاوہ ہو؟ طرماح نے عرض کی کہ یابن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں جانتا ہوں۔ تو آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اچھا! تم ہمارے آگے آگے چلو۔ چنانچہ طرماح حسبِ حکم آگے بڑھے اور امام (علیہ السلام) اپنے اصحاب کے ساتھ اُن کے پیچھے روانہ ہُوئے۔[3]

قیس بن مسہر (رضی اللہ عنہ) کی خبر:

طرماح اور اُن کے ساتھیوں سے امام (علیہ السلام) نے اپنے قاصد قیس بن مسہر (رضی اللہ عنہ) سے متعلق دریافت فرمایا تو اُنھوں نے کہا، "قیس بن مسہر (رضی اللہ عنہ) کو حصین بن نُمیر نے گرفتار کر کے ابنِ زیاد کے پاس بھیجا تھا۔ اُس نے اُنھیں آپ پر اور

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصّہ اوّل، ص ۱۹۳ تا ۱۹۴

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصّہ اوّل، ص ۱۹۳ تا ۱۹۴
آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۳۴۳

[3] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۱۹۹
آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۳۷۹

آپ کے والدِ گرامی پر سب و شتم کرنے کا حکم دیا لیکن اُنھوں نے آپ پر اور آپ کے والدِ محترم پر صلوٰۃ بھیجی اور ابنِ زیاد اور اُس کے باپ پر لعنت کی اور لوگوں کو آپ کی نصرت کے لیے پکارا اور اُنھیں آپ کے آنے کی خبر دی۔ اس پر ابنِ زیاد کے حکم سے اُنھیں ایوان کی چوٹی سے نیچے گرا کر شہید کر دیا گیا۔ یہ سُن کر امام حسین (علیہ السلام) کی آنکھیں بھر آئیں اور آپ (علیہ السلام) نے ایک آیت مبارکہ تلاوت کی اور فرمایا، ''الٰہی! ہمیں اور اُنھیں نعمتِ بہشت عطا کر اور اپنے جوارِ رحمت اور اپنے ثواب کے ذخیرۂ بخشش میں یکجا کر۔'' [۱]

عبیداللہ بن حُر جعفی:

امام حسین (علیہ السلام) عذیب الہجانات سے آگے قصرِ بنی مقاتل کے پاس اُترے تو وہاں ایک خیمہ نصب دیکھا۔ معلوم ہُوا کہ وہ عبیداللہ بن الحر جعفی کا تھا۔ آپ (علیہ السلام) نے اُسے بلانے کے لیے ایک شخص کو اُس کی طرف روانہ کیا۔ ابنِ الحر نے آپ (علیہ السلام) کا پیغام سنتے ہی کہا، ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○'' پھر کہا، ''واللہ! میں تو اس لیے کوفہ سے نکل آیا کہ مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ میری موجودگی میں حسین (علیہ السلام) کوفہ میں آئیں اور میں اُن سے ملوں یا وہ مجھ سے ملیں۔'' پیغام بر نے اُس کا جواب امام (علیہ السلام) کو دیا تو آپ (علیہ السلام) خود اُس کے خیمے میں تشریف لے گئے۔ اُسے سلام کیا اور اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ جواب میں اُس نے وہی بات دُہرائی جو وہ اس سے پہلے آپ (علیہ السلام) کے قاصد سے کہہ چکا تھا۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا، ''واللہ! جو ہماری پکار پر ہماری نصرت نہ کرے وہ ہلاک ہو جائے گا۔'' ابنِ الحر نے کہا، ''ان شاء اللہ یہ کبھی نہیں ہوگا۔'' امام عالی مقام (علیہ السلام) اُس کی بات سُن کر اپنی قیام گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ رات ابھی باقی تھی۔ آپ (علیہ السلام) نے حسبِ سابق ساتھیوں کو پانی بھرنے کا حکم دیا جس کے بعد آگے روانہ ہو گئے۔ [۲]

آقائی صدرالدین قزوینی نے اپنی کتاب ''ریاض القدس'' میں اس کا نام عبیداللہ بن حر جعفی کی بجائے عبداللہ بن جعفر جعفی لکھا ہے۔ [۳] جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

---

[۱] ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصہ اوّل ص ۱۹۳ تا ۱۹۴
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۱۸۸، ۱۹۰

[۲] ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصہ اوّل ص ۱۹۵
شیخ مفید، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الارشاد)، ص ۲۹۴؛ علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ حصہ اوّل ص ۲۰۰

[۳] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ا ص ۳۸۲

نینویٰ و کربلا

مکہ سے کوفہ کی طرف جاتے ہُوئے، قصرِ بنی مقاتل سے کچھ آگے، خواب میں ایک گھڑسوار کی زبانی شہادت کی بشارت ملنے کے بعد امام حسین (علیہ السلام) سحری کے وقت گھوڑے سے اُترے اور نمازِ فجر ادا کرتے ہی دوبارہ سوار ہو گئے۔ حُر مسلسل آپ (علیہ السلام) کے ساتھ لگا ہُوا تھا۔ وہ آپ کو کوفہ کی جانب لے جانا چاہتا تھا مگر آپ (علیہ السلام) چاہتے تھے کہ اپنے ساتھیوں سمیت اُس سے الگ ہو جائیں۔ چنانچہ آپ (علیہ السلام) اپنے قافلے کے ساتھ ایک طرف مڑنے لگے۔ حُر نے آگے بڑھ کر روکنا چاہا لیکن امام (علیہ السلام) کے ساتھیوں نے سختی سے انکار کر دیا اور آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ قافلۂ حسینی نینوا میں جا پہنچا۔ [1] فضل قزوینی اور دینوری نے لکھا ہے وہ بدھ یکم محرم الحرام کا دن تھا۔ [2] جبکہ اکثر تاریخی مصادر میں آیا ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) اور آپ کے اصحاب (رضی اللہ عنہم) ۲ محرم سنہ ٦١ ہجری کو کربلا کی سرزمین پر پہنچے ہیں۔ [3]

نینوا، طف، الغادریہ اور کربلا، سب ایک ہی جگہ کے نام ہیں۔ موجودہ نام کربلا ہے جب کہ باقی تمام قدیم نام ہیں۔ کربلا، عراق کا ایک مشہور شہر ہے جو بغداد سے ١٠٠ کلومیٹر جنوب مغرب میں واقع ہے۔ [4] یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے، ''اور کربل نام ہے الحماض کی طرح کے پودوں کا، چونکہ یہ قسم یہاں بکثرت اُگتی تھی اس لیے اس کا نام کربلا پڑ گیا تھا'' اردو اور فارسی زبان والے عام طور پر اسے دو الگ الگ عربی الفاظ ''کرب'' اور ''بلا'' سے مرکب بتاتے ہیں۔ عربی میں ''کرب'' مصیبت اور دُکھ کو کہتے ہیں اور ''بلا'' امتحان، آزمائش، دُکھ اور مصیبت کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ صاحبِ

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ٩٢٣ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصّہ اوّل، ص ١٩٥
شیخ مفید، (متوفی: ۴١٢ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد)، ص ٢٩٥

[2] طالب جوہری، حدیث کربلا، ص ١٨٥ بحوالہ فضل قزوینی، الامام الحسین واصحابہ، ص ١٩٢
ابوحنیفہ احمد بن داؤد دالدینوری، الاخبار الطوال، ص ٥٣

[3] سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ٦٦۴ھ)، مقتل لہوف مترجم، ج ٩٦
ابنِ اعثم الکوفی، الفتوح، ج ٥ ص ٨٣
شیخ مفید، (متوفی: ۴١٢ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ٢ ص ٨۴
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ٩٢٣ء، بغداد، عراق)، تاریخ الامم والملوک، ج ٥ ص ۴٠٩؛
ابوعلی مسکویہ، تجارب الامم، ج ٢ ص ٦٨
علی بن ابی الکرم ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۴ ص ٥٢
ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب (علیہ السلام)، ج ۴ ص ٩٦

[4] احمد بن علی بن حسین، (متوفی:)، عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، ص ٢٠

معجم البلدان نے نینویٰ سے متعلق لکھا ہے کہ نینویٰ، کوفہ کے علاقوں میں سے ایک ہے اور اسی علاقے میں کربلا بھی واقع ہے جہاں امام حسین (علیہ السلام) کی شہادت ہوئی۔ [۱]

قافلۂ حسینی کے یہاں پہنچتے ہی ایک مسلح اُونٹنی سوار نمودار ہُوا۔ سبھی اُس کی طرف دیکھنے لگے کیونکہ اپنی وضع قطع سے وہ کوئی شامی سپاہی یا حکومتی قاصد معلوم ہوتا تھا۔ قریب آنے پر اُس نے حُر اور اُس کے ساتھیوں کو سلام کیا لیکن امام حسین (علیہ السلام) اور اُن کے اصحاب (رضی اللہ عنہم) کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ اُس نے ایک خط حُر کو پیش کیا۔ وہ خط عبید اللہ ابنِ زیاد کا تھا جس میں اُس نے حُر کو لکھا تھا کہ میرا خط ملتے ہی حسین (علیہ السلام) پر سختی کرو اور اُنھیں کسی بے آب و گیاہ میدان میں اُترنے پر مجبور کرو۔ میرا قاصد میرے حکم کی تعمیل تک تمھاری نگرانی اور مخبری کے لیے تمھارے ساتھ رہے گا۔ والسّلام [۲] حُر نے امام (علیہ السلام) کو خط کے متن سے آگاہ کیا تو امام (علیہ السلام) کے ایک ساتھی ابوشعثا یزید بن مہاجر کندی نہدی نے قاصد کو پہچان کر پوچھا کہ کیا تُو مالک بن نسیر نہدی کندی ہے؟ اُس نے اثبات میں جواب دیا تو ابنِ مہاجر نے کہا کہ تیری ماں تیرے غم میں روئے، تُو کیسا پیغام لے کر آیا ہے! کہنے لگا میں نے تو اپنے امام کی اطاعت اور اپنی بیعت سے وفا کی ہے۔ ابنِ مہاجر نے کہا کہ تم نے اپنے رَب کی نافرمانی کی ہے اور اپنے امام کی اطاعت کر کے اپنے لیے ہلاکت، جہنم اور ننگ و عار کو منتخب کیا ہے۔ اور فرمانِ الٰہی ہے کہ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ (اور ہم نے اُنھیں ایسا پیشوا قرار دیا ہے جو (لوگوں کو) آتش (دوزخ) کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن اُن کی کوئی مدد نہ کی جائے گی۔ سورۃ القصص، آیت: ۴۱) پس، تیرا امام اُنھیں میں سے ہے۔ حُر نے مداخلت کرتے ہُوئے امام (علیہ السلام) کے قافلے کو اُسی جگہ اُترنے پر مجبور کیا جب کہ وہاں پانی تھا اور نہ کوئی بستی۔ امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ہمیں نینوا میں، غاضریہ میں، یا شفیہ میں جانے دو۔ حُر نے کہا کہ واللہ! میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ قاصد میری نگرانی کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اُس وقت زُہیر بن قین (رضی اللہ عنہ) نے امام (علیہ السلام) کو حُر کے ساتھیوں سے لڑنے کا مشورہ دیتے ہُوئے عرض کی کہ یابنَ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہمارے لیے ان لوگوں سے لڑنا آسان ہے بہ نسبت اُن کے جو بعد میں آنے والے ہیں اور جن کی تعداد اِن سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔ امام (علیہ السلام) نے فرمایا،

---

[۱] حسن اللغات (فارسی-اردو)، اورینٹل بک سوسائٹی، لاہور، ص ۶۸۹
فیروز اللغات، اردو جدید، فیروز سنز، لاہور، ص ۵۳۴
شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ رومی حموی، (متوفی: ۶۲۶ ھ)، معجم البلدان

[۲] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصّہ اوّل، ص ۱۹۵
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد)، ص ۲۹۵
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۰۱

''میں جنگ کی ابتدا نہیں کروں گا۔'' پھر زہیر نے آگے بڑھنے کا مشورہ دیا لیکن امام (علیہ السلام) نے وہیں اُترنا پسند فرمایا۔ [۱]

بقولِ ابوحنیفہ دینوری، جب امام حسین (علیہ السلام) نے زہیر بن قین سے یہ فرمایا کہ میں جنگ کی ابتدا کرنا پسند نہیں کرتا تو زہیر (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی کہ یہاں قریب ہی نہرِ فرات پر ایک گاؤں ہے جس کے تین اطراف فرات ہے اور صرف ایک طرف سے راستہ ہے جو محفوظ اور عام راستوں سے ہٹا ہُوا ہے تو آپ (علیہ السلام) نے پوچھا کہ اُس گاؤں کا کیا نام ہے؟ زُہیر نے کہا کہ اُس کا نام ''عقر'' ہے۔ فرمایا کہ میں ''عقر'' (یعنی ہلاکت) سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ پھر آپ (علیہ السلام) نے حُر سے فرمایا کہ کچھ اور آگے چلتے ہیں پھر پڑاؤ ڈالیں گے۔ حُر آپ (علیہ السلام) کے ساتھ ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ آپ (علیہ السلام) کربلا پہنچ گئے۔ حُر نے آپ (علیہ السلام) کو آگے جانے سے روک دیا اور کہا کہ آپ یہیں اُتر جائیں یہاں سے فرات قریب ہے۔ آپ (علیہ السلام) نے پوچھا اس جگہ کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس جگہ کا نام کربلا ہے۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا، ''یہ کرب و بلا کی زمین ہے، اور میرے والد صفین کی طرف جاتے ہُوئے یہاں ٹھہرے تھے۔ اُس وقت میں بھی اُن کے ساتھ تھا۔ اُنھوں فرمایا کہ یہاں آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گراں قدر افراد کی سواریاں رُک جائیں گی، وہ یہاں پڑاؤ ڈالیں گے اور یہاں اُن کا خون بہایا جائے گا۔'' پس، امام حسین (علیہ السلام) نے اپنے قافلے کے ساتھ وہاں نزول فرمایا۔ بروایتے وہ بدھ کا دن اور سنہ ۶۱ ہجری کے محرم کی پہلی تاریخ تھی جبکہ ابنِ نما کے مطابق محرم کی دوسری تاریخ تھی۔ [۲]

ابومخنف نے لکھا ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) کا قافلہ بدھ کے دن کربلا میں وارد ہُوا تو آپ (علیہ السلام) کا گھوڑا چلتے چلتے رُک گیا تھا۔ آپ (علیہ السلام) اُتر کر دوسرے گھوڑے پر سوار ہُوئے تو وہ بھی آگے نہ بڑھا۔ ایسا بار بار ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ (علیہ السلام) نے سات گھوڑے تبدیل کئے لیکن کسی نے بھی آگے حرکت نہ کی تو پوچھا کہ اس جگہ کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اس کا نام غاضریہ ہے۔ آپ (علیہ السلام) نے پوچھا کہ کوئی اور نام بھی ہے؟ جواب ملا کہ اس کا نام نینویٰ بھی ہے۔ آپ (علیہ السلام) نے دریافت فرمایا کہ کیا اس زمین کا کوئی اور نام بھی ہے؟ کہا گیا کہ اس کا نام شاطی الفرات بھی ہے۔ آپ (علیہ السلام) نے پھر پوچھا کہ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی نام ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ اس کا ایک نام کربلا بھی ہے۔ یہ سُن کر آپ (علیہ السلام) نے ٹھنڈی سانس لی اور فرمایا، ''یہ کرب و ابتلا کی زمین ہے۔'' پھر فرمایا، ''اب اُتر آؤ، یہیں ہماری سواریاں رُکیں گی، یہیں پر

---

[۱] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۰۱
[۲] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا، ص ۱۸۷
ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری (متوفی: ۲۸۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال، ص ۲۵۲
نجم الدین جعفر بن محمد بن جعفر بن ہبۃ اللہ بن نما حلی، (متوفی: ۶۸۰ھ، حلہ) مثیر الاحزان، ص ۷۵

ہمارا خون بہایا جائے گا اور یہیں پر ہماری حُرمت کی توہین کی جائے گی۔ واللہ! یہاں ہمارے مرد قتل کئے جائیں گے، اور ہمارے بچے ذبح کئے جائیں گے اور یہاں پر ہی ہماری قبریں زیارت گاہیں بنیں گے۔ میرے جد رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھ سے اسی زمین کا وعدہ کیا تھا اور اُن کا قول بدل نہیں سکتا۔'' یہ فرما کر آپ (علیہ السلام) گھوڑے سے اُتر آئے۔ [۱]

ابو اسحٰق اسفرائنی نے مندرجہ بالا روایت اس فرق کے ساتھ بیان کی ہے کہ جب آپ (علیہ السلام) کو معلوم ہُوا کہ اس زمین کا نام کربلا ہے تو آپ (علیہ السلام) نے گریہ فرمایا اور وہاں سے مٹھی بھر خاک لے کر سونگھی اور اپنی جیب سے مٹی نکال کر فرمایا کہ یہ وہی مٹی ہے جس کو خدا کی طرف سے میرے جدِ امجد محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف جبرائیل (علیہ السلام) لے کر آئے تھے اور کہا تھا کہ یہ مٹی مقامِ تربتِ حسین کی ہے۔ پھر فرمایا کہ ان دونوں کی خوشبو ایک جیسی ہے... الخ'' [۲]

صاحبِ ریاض القدس، صدرالدین قزوینی نے امام (علیہ السلام) کے ورودِ کربلا سے متعلق یوں بیان کیا ہے کہ جب حضرت امام حسین (علیہ السلام) کوفہ کے قریب پہنچے تو حُر ریاحی ایک ہزار سواروں کا دستہ لے کر امام (علیہ السلام) کے قافلے کے قریب آیا اور اپنے لشکر سے الگ ہو کر آپ (علیہ السلام) کی خدمت میں ابنِ زیاد کا خط پیش کیا جس میں اُس نے لکھا تھا کہ یہ خط ملتے ہی حسین ابنِ علی (علیہ السلام) کو کسی ایسی جگہ اُتارو جہاں پانی اور سبزے کا نام ونشان نہ ہو۔ حُر نے آپ (علیہ السلام) کی خدمت میں عرض کی، ''مولیٰ! ابنِ زیاد نے مجھے جو تاکید کی ہے میں کیوں کر اُس پر عمل کروں؟ میرے ہاتھ قطع ہو جائیں جو آپ (علیہ السلام) پر تلوار کھینچوں اور میری بینائی زائل ہو جائے جو آپ (علیہ السلام) کی طرف سخت نگاہ سے دیکھوں۔ مولا! جب میں سالارِ فوج کی حیثیت سے چلا تو مجھے ہاتفِ غیبی کی ندا آئی تھی کہ اے حُر! تجھے بہشت کی بشارت ہو۔ پس، آپ شبِ تاریک میں کسی طرف نکل جائیں۔'' چنانچہ امام (علیہ السلام) اُس منزل سے روانہ ہُوئے اور آخر کار ایک مقام پر پہنچ کر دریافت فرمایا کہ اس جگہ کا کیا نام ہے؟ اصحاب نے بتایا کہ اس کو ارض الماریہ کہتے ہیں۔ آپ (علیہ السلام) نے دریافت فرمایا کہ کیا اس کا کوئی اور نام بھی ہے؟ بتایا گیا کہ اس کو شاطی العرب بھی کہتے ہیں۔ آپ (علیہ السلام) نے پھر پوچھا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی نام ہے؟ عرض کیا گیا کہ اس زمین کو کربلا بھی کہتے ہیں۔ آپ (علیہ السلام) نے جیسے ہی کربلا کا نام سُنا فرمایا، ''بہت خوب! ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے۔'' [۳]

---

[۱] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۰۵
آقائی صدرالدین قزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۳۹۲، ۳۹۳

[۲] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱

[۳] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۶

قزوینی مزید لکھتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) نے کربلا پہنچ کر سب سے پہلے نہرِ فرات کے کنارے اپنے خیمے نصب کرائے اور پھر اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے نام ایک خط تحریر کیا جس کا متن یوں نقل کیا گیا ہے:

''یہ خط حسین ابنِ علی کی طرف سے محمد بن علی کے نام ہے اور اُن سب بنی ہاشم کے لیے ہے جو محمد بن حنفیہ کے نزدیک ہیں۔ جاننا چاہئے کہ دُنیا فانی ہے اور آخرت ہی پائیدار ہے۔ ہم نے آخرت کو دُنیا پر ترجیح دیتے ہُوئے دُنیا کی طرف سے مُنہ پھیر لیا ہے۔ تم لوگ جو اپنے گھروں میں ہو، ہم مسافروں کا سلام قبول کرو۔ ہم منزلِ مقصود پر پہنچ گئے ہیں اور ہماری قبریں اسی جگہ ہوں گی۔'' قزوینی، بحوالہ جلاء العیون بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے کربلا پہنچنے کے بعد اپنے اصحاب کو جمع کر کے خطبہ دیا جس میں اپنی شہادت کی خبر دیتے ہُوئے فرمایا، ''اے میرے دوستو! اے میرے اصحاب! ہم کربلا تک پہنچ گئے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ دُنیا نے ہم سے مُنہ پھیر لیا ہے۔ لوگ حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دے رہے ہیں۔ یقین کرلو کہ ہم مشتاقانِ رضائے الٰہی ہیں اور شہادت ہماری میراث ہے۔'' اُس وقت زُہیر بین قین (رضی اللہ عنہ) کھڑے ہُوئے اور امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں عرض کی، ''مولیٰ! ہم آپ کی خاکِ پا پر قربان، اگر یہ دُنیا ہمیشہ باقی رہے تب بھی ہم آپ سے علاحدہ نہیں ہوں گے اور ہمیشہ آپ ہی کی خدمت میں رہیں گے۔'' پھر بلال بن نافع (رضی اللہ عنہ) کھڑے ہُوئے اور عرض کی، ''مولیٰ! ہم ہرگز آپ سے جُدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ جامِ شہادت نوش کریں۔'' اُن کے بعد بُریر بن خُضیر ہمدانی (رضی اللہ عنہ) کھڑے ہُوئے اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ بعد ازاں، کئی اصحاب نے امام (علیہ السلام) کی نصرت میں جامِ شہادت پینے کا عزم ظاہر کیا تو آپ (علیہ السلام) نے سب کو دعائے خیر دی۔ بعض مناقب میں بیان کیا جاتا ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) نے اس موقع پر اپنے عزیز واقارب، برادران اور اولادِ عظام کو جمع کیا جن میں سات آٹھ سال کے بچوں سے لے کر تیس تیس سال کے جوان بھی شامل تھے۔ آپ (علیہ السلام) نے سب پر نظر ڈالی اور پھر کچھ دیر تک گریہ فرماتے رہے۔ ابنِ شہرآشوب نے لکھا ہے کہ آپ (علیہ السلام) ایک ساعت تک اُن سب کو حسرت و یاس سے دیکھتے رہے اور پھر آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا، ''خداوندا! ہم تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عترت ہیں۔ ہمیں لوگوں نے اپنے وطن سے نکلنے پر مجبور کیا ہے اور ہم عالمِ غربت میں یہاں لائے گئے ہیں۔ ہمیں نانا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے روضہ سے جُدا کر دیا گیا ہے۔ بنواُمیّہ ہم پر مسلط ہو گئے ہیں۔ خدایا! تو ہمارا حق اس قوم سے ہمیں دلا، ہمیں اپنی نصرت عطا فرما تاکہ ہم ان ظالموں پر فتح یاب ہوں۔ [1]

---

[1] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج۱ ص ۲۹۱

خیامِ حسینی

علامہ طالب جوہری اپنی شہرہ آفاق تالیف ''حدیثِ کربلا'' میں مختلف مآخذ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ علاقہ جہاں خیمے لگائے گئے پانی سے دُور تھا اور ایسے ٹیلوں کے درمیان تھا جو شمال مشرق سے جنوب مغرب تک پھیلے ہُوئے تھے۔ اُن کی شکل نصف دائرے کی تھی اور وسط میں خیمے تھے۔ اُن میں سکونت کے خیمے اور دیگر ضرورتوں مثلاً پانی، اجناس کا ذخیرہ اور اسلحہ وغیرہ تھے۔ اصحاب کے خیمے بنی ہاشم کے خیموں سے الگ تھے۔ امام حسین (علیہ السلام) کے اوطاق کی پشت پر جناب زینب (علیہا السلام) کا اوطاق تھا اور خواتین کے خیام کے چاروں طرف بنی ہاشم کے جوانوں کے خیمے تھے۔ ان سب کی مجموعی صورت نصف دائرے کی تھی اور ان کی پشت پر سرکنڈے وغیرہ کی جھاڑیاں تھیں۔ حفاظت اور دفاع کے پیشِ نظر اُن کی پشت پر خندق بھی کھودی گئی تھی۔ [1]

الحمدللہ، اس کتاب کی تالیف کے دوران ہی مجھے کربلا معلیٰ کی زیارت کا شرف حاصل ہُوا۔ خیامِ حسینی کی جگہ ایک عالیشان عمارت تعمیر کردی گئی ہے جس میں خیام کی اصل ترتیب کے مطابق سنہری جالیوں والی نہایت خوبصورت ضریحات بنائی گئی ہیں جن کے اُوپر سفید ماربل کی تختیاں نصب کرکے متعلقہ خیمے کی نشاندہی کی گئی ہے۔ سب سے آگے حضرت عباس علمدار (علیہ السلام) کا خیمہ ہے گویا عباس (علیہ السلام) تمام خیموں کے آگے نگہبان کی حیثیت سے موجود ہیں۔ اُن سے چند قدم کے فاصلے پر امام حسین (علیہ السلام) کا خیمہ ہے جس کے عقب میں جناب زینب (علیہا السلام) کا خیمہ امام (علیہ السلام) کے خیمے کے ساتھ منسلک ہے۔ اُن کے خیمے کے پیچھے امام زین العابدین (علیہ السلام) کا خیمہ اور اُن کے ساتھ حضرت قاسم بن حسین (علیہ السلام) اور دیگر سادات کے خیمے ہیں۔ خیامِ حسینی کے ساتھ تلہ زینبیہ ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں سے حضرت زینب علیہا السلام جنگ کا منظر دیکھتی رہیں۔ اور اُس کے ساتھ حرمِ امام حسین (علیہ السلام) اپنی شان و شوکت کے ساتھ موجود ہے جس سے کچھ فاصلے پر حضرت عباس علمدار (علیہ السلام) کا روضہ مبارک ہے۔ (مؤلف)

عمر بن سعد بن ابی وقاص

عمر ابنِ سعد، ابنِ زیاد کی فوج کا سپہ سالار تھا اس لیے یزید اور ابنِ زیاد کی طرح کربلا کے بڑے مجرموں میں شمار ہوتا ہے جبکہ ان تینوں کا دفاع کرنے والے کہتے ہیں کہ اُس نے حتی المقدور کوشش کی کہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہوجائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر تھے کہ قریش کی ایک جماعت مسجد میں داخل ہوئی۔ اُن کے ساتھ عمر ابنِ سعد بھی تھا، (جسے دیکھ کر) پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا رنگ

---

[1] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا ص ۱۹۳

متغیّر ہوگیا۔ ہم لوگوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) آپ کا کیا حال ہے؟ آپ (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) نے ارشاد فرمایا کہ ہم اہلِ بیت (علیہم السّلام) وہ ہیں جن کے لیے اللہ نے دُنیا کی جگہ آخرت کو اختیار فرمایا ہے اور اس وقت مجھے وہ کچھ یاد آ گیا ہے جو میری اُمّت کی طرف سے میرے اہلِ بیت (علیہم السّلام) کے ساتھ، قتل، ضرب، سب وشتم اور گھروں سے نکال کر بے گھر کر دینے کی صورت میں ہوگا اور پہلا سر جو نوکِ نیزہ پر بلند ہوگا وہ میرے بیٹے حسین (علیہ السّلام) کا ہوگا۔ اور مجھے اس بات کی خبر خدا کی طرف سے جبرائیل (علیہ السّلام) نے دی ہے۔ اُس وقت حسین (علیہ السّلام) بھی وہاں تشریف فرما تھے، اُنھوں نے سوال کیا کہ نانا جان آپ کی اُمّت میں سے کون شخص مجھے قتل کرے گا؟ آنحضرت (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) نے عمر ابنِ سعد کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے فرمایا کہ تمھیں خلقِ خدا کا یہ شریر ترین شخص قتل کرے گا۔ [۱]

طبری نے لکھا ہے کہ سنہ ۳۷ ہجری میں جب دومۃ الجندل میں حضرت علی ابنِ ابی طالب (علیہ السّلام) اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان حکمیت کے سلسلے میں اختلاف ہُوا تو عمر بن سعد صورتِ حال دیکھ کر فوراً اپنے باپ کے پاس پہنچا اور اُس کو خلافت کا دعویٰ کرنے کی ترغیب دلائی لیکن اُس نے انکار کیا۔ [۲]

خوارزمی نے ابنِ اعثم کوفی کے حوالے سے لکھا ہے جب امام حسین (علیہ السّلام) نے یزید کی بیعت سے انکار کر کے مدینہ سے مکہ ہجرت کی تو عمر بن سعد مکہ کا امیر یا شاید امیر الحاج تھا۔ اُس نے امام حسین (علیہ السّلام) کا پرتپاک استقبال کیا لیکن آپ کی طرف لوگوں کا میلان دیکھ کر مدینہ چلا گیا اور یزید کو خط لکھ کر امام (علیہ السّلام) کی مکہ آمد کی خبر دی۔ (واضح رہے کہ ابنِ اعثم کی موجودہ تاریخ میں یہ روایت موجود نہیں ہے اور گویا جو نسخہ خوارزمی کے پاس تھا وہ موجودہ نسخوں سے مختلف تھا)۔ [۳]

امام حسین (علیہ السّلام) کے نمائندے کی حیثیت سے جب مسلم بن عقیل (علیہ السّلام) سنہ ساٹھ ہجری میں کوفہ پہنچے تا کہ امام (علیہ السّلام) کے لیے کوفیوں سے بیعت لیں تو ابنِ سعد نے بھی یزید کو خط لکھا اور تجویز دی کہ اگر کوفہ کو بچانا چاہتے ہو تو اپنے موجودہ والی کوفہ نعمان بن بشیر کو برطرف کر دو۔ [۴] اور جب مسلم بن عقیل (علیہ السّلام) عبیداللہ ابنِ زیاد کے حکم پر گرفتار کئے گئے تو اُنھوں نے ابنِ سعد کو الگ لے جا کر وصیّت کی لیکن اُس نے ابنِ زیاد کو اُن کی وصیّت بتا کر حضرت مسلم (علیہ السّلام) کے ساتھ خیانت کی۔ [۵]

---

[۱] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱

[۲] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۵ ص ۶۷

[۳] موفق بن احمد خوارزمی، (متوفی: ۵۶۸ھ)، مقتل الحسین (علیہ السّلام)، ج ۱ ص ۱۹۰

[۴] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۵ ص ۳۵۶

[۵] ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری (متوفی: ۲۸۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال، ص ۲۴۱

ابنِ زیاد نے کوفہ آ کر ابنِ سعد کو ''رے'' کی حکومت کا پروانہ دیا اور امام حسین (علیہ السلام) کے مقابل کربلا روانگی کا حکم دیا گیا۔ بروایتے اُس نے ابتدا میں یہ حکم ماننے سے انکار کیا لیکن ابنِ زیاد نے اُسے دھمکی دی کہ اگر حسین (علیہ السلام) سے جنگ نہ کی تو ''رے'' کی حکومت کا فرمان واپس لے لیا جائے گا، چنانچہ ایک رات سوچنے کے بعد اُس نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اگلے دن سپاہیوں کے ہمراہ کربلا کی طرف روانہ ہو گیا۔[۱]

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب دیلمیوں نے خروج کر کے دشتِ قزوین پر قبضہ کیا تو ابنِ زیاد نے ابنِ سعد کو حکومتِ رے کی دستاویز دے کر اُن کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا تھا لیکن اسی دوران امام حسین (علیہ السلام) نے کربلا میں قیام کیا تو اُس نے ابنِ سعد کو واپس بُلا کر امام (علیہ السلام) سے جنگ کے لیے کربلا کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ ابنِ سعد نے اس پر معذرت کی تو ابنِ زیاد نے رے کا پروانہ واپس مانگ لیا چنانچہ ابنِ سعد نے غور و فکر کرنے کے لیے ایک رات کی مہلت مانگی اور واپس آ کر اپنے دوستوں سے مشورہ کیا۔ سب نے اُسے آخرت کے عذاب سے ڈراتے ہُوئے امام حسین (علیہ السلام) سے جنگ کرنے سے منع کیا۔ عمار بن عبداللہ بن یسار اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ اُس روز میں ابنِ سعد کے پاس گیا تھا اور اُس نے مجھے بتایا تھا کہ ابنِ زیاد مجھے امام حسین (علیہ السلام) سے جنگ کرنے کے لیے بھیجنا چاہتا ہے لیکن میں نے انکار کر دیا ہے۔ میں نے ابنِ سعد سے کہا کہ تم نے بہترین فیصلہ کیا ہے، خبردار! اس کام میں ہاتھ نہ ڈالنا۔ لیکن جب میں گھر آیا تو لوگوں سے معلوم ہُوا کہ وہ حسین (علیہ السلام) سے لڑنے کے لیے فوج جمع کر رہا ہے تو میں دوبارہ اُس کے پاس گیا لیکن اُس نے مجھے دیکھتے ہی منہ پھیر لیا۔ میں سمجھ گیا کہ اُس نے دُنیا کے عوض اپنا دِین فروخت کر دیا ہے، چنانچہ میں اُس سے بات چیت کیے بغیر واپس آ گیا۔[۲]

قزوینی نے لکھا ہے کہ عمر بن سعد نے ابنِ زیاد کا دیا ہُوا لباس پہنا، اُس کے خاص گھوڑے پر سوا ہُوا اور ''رے'' کی حکومت کا فرمان لے کر اپنے گھر پہنچا تو اُس کے بیٹوں نے اُس کے لباس، گھوڑے اور دستاویز کو دیکھ کر پوچھا کہ بابا! یہ سب کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ بیٹو! دولتِ دُنیا اب ہمارے قدموں میں ہے اور یہ دستاویز ''رے'' کی ہے جس کی حکومت مجھے اُس وقت ملے گی جب میں حسین ابنِ علی (علیہ السلام) کو قتل کروں گا۔ یہ سُن کے اُس کے چھوٹے بیٹے نے کہا کہ بابا! یہ کیسا سودا

---

[۱] احمد بن یحییٰ البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۱۷۶
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصہ اوّل ص ۱۸۰
علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا ص ۱۹۵
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۵ ۱۳ :۲۰۶

[۲] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا ص ۱۹۶
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۳۰۹

ہے کہ تم فرزندِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قتل پر تیار ہو گئے جبکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تھا کہ حسین (علیہ السلام) میرا ٹکڑا ہے، اور میں حسین (علیہ السلام) سے ہوں اور حسین (علیہ السلام) مجھ سے ہے۔ خدا کا خوف کرو بابا اور اس کام سے باز رہو۔ اُس نے جواب میں کچھ اشعار کہے جن کا مطلب یہ تھا کہ قتلِ حسین (علیہ السلام) سے مجھے رے کی حکومت ملے گی۔ کتاب امالی میں ہے کہ عمر بن سعد نے واپس ابنِ زیاد کے پاس پہنچ کر آمادگی ظاہر کی اور قتلِ حسین (علیہ السلام) کی دستاویز پر دستخط کیے۔ چنانچہ ابنِ زیاد نے اُسے سالارِ لشکر مقرر کر کے کہا کہ اے عمر بن سعد! تم حسین (علیہ السلام) پر پانی بند کر دینا، چرند و پرند سب پانی پئیں مگر حسین (علیہ السلام) کو پانی نہ ملے۔ اُس نے (وہاں موجود لوگوں سے) کہا کہ (اس سلسلے میں) عمر بن سعد کی نافرمانی کرنے والوں کو سخت سزا دی جائے گی۔ [1]

امام حسین (علیہ السلام) کے کربلا پہنچنے کے اگلے دن عمر بن سعد بن ابی وقاص چار ہزار کا لشکر لے کر وہاں پہنچ گیا۔ اُس نے اپنے ایک ساتھی ابنِ قیس احمسی کو امام (علیہ السلام) کے پاس پوچھ گچھ کے لیے بھیجنا چاہا لیکن اُس نے انکار کر دیا کیونکہ وہ اُنھی لوگوں میں سے ایک تھا جنھوں نے کوفہ سے امام (علیہ السلام) کو اپنی وفاداریوں کے وعدوں پر مبنی خطوط لکھے تھے اور اب اُسے امام (علیہ السلام) کا سامنا کرتے ہُوئے شرم دامن گیر تھی۔ اُس کے انکار کے بعد ابنِ سعد نے دیگر روسائے لشکر کو امام (علیہ السلام) کی طرف بھیجنا چاہا لیکن اُنھوں نے بھی اسی وجہ سے انکار کر دیا۔ یہ دیکھ کر کثیر بن عبداللہ شعبی آگے بڑھا۔ وہ نہایت ظالم، بے مُرَوَّت اور بدلحاظ شخص تھا۔ اُس نے ابنِ سعد سے کہا، ''میں حسین (علیہ السلام) کے پاس جاتا ہوں۔ اور اگر تم کہو تو واللہ! ایک ہی وار سے اُن کا کام تمام کر دوں۔'' ابنِ سعد نے کہا، ''میں نہیں چاہتا کہ تم اُنھیں قتل کرو، جا کر پوچھ گچھ کرو کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں اور اُن کے ارادے کیا ہیں؟'' پس، وہ امام (علیہ السلام) کی طرف چلا تو اُسے آتے دیکھ کر حضرت ابوثمامہ صائدی نے امام (علیہ السلام) کی خدمت میں عرض کی، ''خدا بھلا کرے، آپ (علیہ السلام) کی طرف دُنیا کا سب سے زیادہ شریر اور سفاک ترین شخص آرہا ہے جو خون بہانے اور اچانک قتل کرنے میں بہت بُری شہرت رکھتا ہے۔'' کثیر بن عبداللہ قریب پہنچ چکا تھا، ابوثمامہ (رضی اللہ عنہ) فوراً اُس کی طرف بڑھے اور کہا کہ اپنی تلوار رکھ دو۔ اُس نے تلوار رکھنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تو قاصد ہوں، اگر تم میری بات سنو تو وہ پیغام پہنچا دوں جسے لے کر آیا ہوں اور اگر انکار کرو گے تو واپس چلا جاؤں گا۔ ابوثمامہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ تم اپنی بات سناؤ لیکن اس دوران تمھاری تلوار کے قبضے پر میرا ہاتھ رہے گا۔ وہ کہنے لگا کہ نہیں! خدا کی قسم تم میری تلوار کو چھو بھی نہیں سکتے۔ حضرت ابوثمامہ نے کہا کہ پھر تم وہ خبر مجھے سناؤ گے اور میں تمھاری طرف سے امام (علیہ السلام) تک پہنچاؤں گا۔ میں تمھیں ہرگز اُن کے قریب نہیں جانے دوں گا، کیونکہ تم ایک فاسق شخص ہو۔ پس دونوں نے ایک دوسرے کو بُرا بھلا

[1] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ا ص ۰۷ ۳ تا ۷ ۳

کہااور اس تلخ کلامی کے بعد تاثیر ناکام و نامراد واپس چلا گیا۔ اُس کے بعد قرہ بن قیس حنظلی ، ابنِ سعد کا پیغام لے کر پہنچا۔ اُس نے ابنِ سعد کا پیغام پہنچانے کے بعد امام حسین (علیہ السلام) کے جواب سے اُسے مطلع کیا تو ابنِ سعد نے فوراً ابنِ زیاد کو خط لکھ کر بتایا، ''جب میں، حسین بن علی کے قریب اُترا تو اپنا قاصد اُن کی طرف بھیج کر دریافت کیا کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ تو اُنھوں نے جواب دیا کہ میں اس لیے یہاں آیا ہوں کہ اس شہر والوں نے مجھے خطوط لکھ کر بلوایا اور اُن کے قاصد میرے پاس آئے اور یہاں آنے کا تقاصا کیا۔ اگر اُن کی رائے اب بدل گئی ہے اور اُنھیں میرا یہاں آنا ناگوار گزر رہا ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔'' طبری کے مطابق حسان بن قائد عیسیٰ کا بیان ہے کہ یہ خط جس وقت عبید اللہ کے پاس پہنچا تو میں وہیں موجود تھا۔ اُس نے کہا، ''جب ہمارے پنجے میں پھنس گئے تو نکلنا چاہتے ہیں لیکن اب اُن کے لیے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں۔'' پھر اُس نے ابنِ سعد کو لکھا، ''تمھارا خط ملا اور جو کچھ تم نے لکھا، معلوم ہُوا۔ حسین سے کہو کہ وہ اور اُن کے تمام ساتھی، یزید بن معاویہ کی بیعت کریں۔ اگر اُنھوں نے بیعت کر لی تو پھر جو ہم مناسب سمجھیں گے کریں گے۔'' ابنِ سعد کو یہ خط ملا تو کہنے لگا کہ مجھے یہی خدشہ تھا کہ ابنِ زیاد عافیت کو قبول نہیں کرے گا۔[1]

یزیدی لشکر کی تیاری

محرم الحرام کی ۴ تاریخ کو ابنِ زیاد نے مسجد کوفہ میں لوگوں کو جمع کر کے آلِ ابوسفیان کے حق میں ایک لمبی چوڑی تعریفی وتوصیفی تقریر کی اور یزید اور اُس کے باپ کے عہد کی خوبیاں گنواتے ہُوئے لوگوں سے کہا کہ وہ وفاداری کا حق ادا کرتے ہُوئے امام حسین (علیہ السلام) کے خلاف متحد ہوں۔ اس مقصد کے لیے اُس نے وہاں موجود لوگوں کو خوب انعام واکرام سے نوازا۔ چنانچہ سب سے پہلے شمر چار ہزار (۴۰۰۰) سواروں کا لشکر لے کر نکلا، پھر مظاہر بن رہینہ مازنی تین ہزار (۳۰۰۰) اور نصر بن حرشہ دو ہزار (۲۰۰۰) سواروں کے ساتھ نکلے۔ یہ سب اور ان کے علاوہ دیگر فوجیں ملا کر ابنِ سعد کے پاس بیس ہزار (۲۰۰۰۰) کا لشکر جمع ہو گیا۔ ابنِ اعثم کوفی نے لکھا ہے کہ ابنِ زیاد نے لوگوں کو انعامات سے نوازا اور اعلان کیا کہ حسین (علیہ السلام) سے جنگ کے لیے عمر بن سعد کے لشکر کے ساتھ ملحق ہو جاؤ۔ چنانچہ سب سے پہلے شمر چار ہزار (۴۰۰۰) سپاہیوں کے ساتھ روانہ ہُوا جس سے ابنِ سعد کے لشکر کے تعداد نو ہزار (۹۰۰۰) ہو گئی۔ اُس کے بعد زید بن رکاب کلبی دو ہزار (۲۰۰۰) سپاہیوں کے ساتھ نکلا، پھر حُصین بن نُمیر چار ہزار (۴۰۰۰) سپاہیوں کے ساتھ چلا، اُس کے بعد مصاب ماری تین ہزار (۳۰۰۰) سپاہیوں کے ساتھ، اور پھر نسر بن حربہ دو ہزار (۲۰۰۰) کے ساتھ روانہ ہُوا، اس طرح ابنِ سعد کے لشکر کی

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصّہ اوّل ص ۱۹۷ تا ۱۹۹
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد)، ص ۲۹۷ تا ۲۹۹
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۰۶ تا ۲۰۷

تعداد بیس ہزار (۲۰۰۰۰) ہوگئی۔ [1] کتبِ تاریخ میں رقم ہے کہ ۶ محرم الحرام تک عمر بن سعد کے پاس تیس ہزار (۳۰۰۰۰) کا لشکر جمع ہوگیا تھا۔ ابنِ زیاد نے اُسے امام حسین (علیہ السلام) کے قتل کا شدت کے ساتھ حکم دیا اور لکھا کہ میں نے لشکرِ کثیر بھیج کر تمھارے لیے کوئی بہانہ نہیں چھوڑا۔ پس، اب تم ہر صبح وشام مجھے حالات سے مطلع کرتے رہو۔ [2]

مؤرخین نے کوفہ کی تصویر کا دوسرا رُخ بھی پیش کیا ہے جس کے مطابق اکثر اہلِ کوفہ امام حسین (علیہ السلام) سے جنگ کرنے سے انتہائی متنفر تھے اس لیے کربلا جانے کی بجائے راستے سے ہی واپس آجاتے تھے۔ یہ دیکھ کر ابنِ زیاد نے ایک جاسوس متعین کیا جس نے واپس آنے والے ایک شامی شخص کو پکڑ کر اُس کے سامنے پیش کیا۔ وہ شخص کوفہ کی چھاؤنی سے باہر نکلا تھا۔ ابنِ زیاد کے حکم سے اُسے قتل کر دیا گیا اور اس کے بعد کسی نے جنگ سے گریز کرنے کی ہمت نہیں کی۔ [3]

امام حسین (علیہ السلام) اور ابنِ سعد کی ملاقات

بقولے، امام حسین (علیہ السلام) سے جنگ کرنے میں ابنِ سعد کو تامُّل تھا، اس لیے اُس نے پیغام بھیج کر ملاقات کی خواہش کی۔ امام (علیہ السلام) نے اُس کی خواہش قبول فرمائی اور خلوت میں ملاقات کی۔

ابنِ سعد نے گفتگو کا آغاز کرتے ہُوئے سوال کیا، ''آپ نے یہاں تک کا سفر کس مقصد کے تحت کیا؟''

امام (علیہ السلام) نے فرمایا، ''میں کوفہ والوں کے بلانے پر آیا ہوں۔''

اُس نے کہا، ''آپ نے دیکھ لیا ہے کہ کوفہ والوں نے عہد شکنی کی اور آپ کے خلاف ہوگئے۔''

امام (علیہ السلام) نے فرمایا، ''اللہ کی راہ میں کوئی ہمیں دھوکا دے تو ہم دھوکا کھا جاتے ہیں۔''

ابنِ سعد نے کہا، ''موجودہ صورتِ حال کے بعد آپ کی کیا رائے ہے؟''

آپ (علیہ السلام) نے فرمایا، ''مجھے واپس جانے دو تاکہ میں مکہ یا مدینہ میں جا کر سکونت اختیار کرلوں، یا سرحدوں میں سے کسی

---

[1] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا، ص ۱۹۹ بحوالہ: فاضل خیابانی، وقائع الایام خیابانی ص ۲۳۲؛ سیّد ابوالحسن اصفہانی (۱۳۶۵ھ)، وسلیۃ النجاۃ؛ احمد بن ابومحمد بن علی اعثم کوفی، (متوفی: ۹۲۶ء)، الفتوح ص ۵ ص ۸۹
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۲۰۷ تا ۲۰۸

[2] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا، ص ۲۰۱ بحوالہ:
احمد بن ابومحمد بن علی اعثم کوفی، (متوفی: ۹۲۶ء)، الفتوح ص ۵ ص ۹۰
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۲۰۸

[3] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا، ص ۲۰۱ بحوالہ:
ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری (متوفی: ۲۳۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال، ص ۲۵۴

سرحد پر نکل جاؤں اور وہاں جا کر عام لوگوں کی طرح زندگی گزاروں۔'' [1]

اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابنِ سعد نے یہ ملاقات کربلا پہنچنے کے فوراً بعد کی۔ طبری کے مطابق تین یا چار ملاقاتیں ہوئیں اور شیخ مفید (رحمۃ اللہ علیہ) کے بقول رات کے وقت تنہائی میں یہ ملاقات ہوئی اور تا دیر گفتگو ہوئی رہی پھر ابنِ سعد نے اپنے پڑاؤ میں پہنچ کر ابنِ زیاد کو خط لکھا۔ [2]

یہ بھی مروی ہے کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے عمر بن سعد کی جنگی تیاریاں ملاحظہ فرمائیں تو اُسے ملاقات کا پیغام بھیجا اور جب وہ آیا تو تنہائی میں رات دیر تک اُس سے بات چیت کرتے رہے۔ [3] اُس ملاقات میں کیا گفتگو ہوئی؟ اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اُس ملاقات میں کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ایسی روایت موجود ہے جو اُس پر روشنی ڈالتی ہو۔ البتہ، ملاقات کے بعد ابنِ سعد نے عبید اللہ کو اپنی طرف سے ایک خط لکھا تھا جس کے متن سے ہر مؤرخ نے اپنی اپنی رائے قائم کی ہے۔ مگر مدینہ سے لے کر کربلا میں شہادتِ عظمیٰ تک کے عرصہ میں امام عالی مقام (علیہ السلام) کا مؤقف، مختلف بیانات، خطبات اور خطوط کے ذریعے بالکل واضح ہے کہ آپ کو کسی صورت میں بھی یزید کی بیعت قبول نہیں تھی، اُس کی نام نہاد خلافت قبول نہیں تھی، اُس کی حکومت قبول نہیں تھی اور حتیٰ کہ اُس کی شخصیت بھی قبول نہیں تھی۔

ابنِ سعد کا خط مختلف کتبِ تاریخ میں تھوڑی بہت کمی بیشی کے ساتھ درج ہے مگر ہم اس سے متفق نہیں ہیں۔ خط کا متن کچھ یوں ہے، ''بے شک اللہ نے آتش (جنگ وعداوت) کو بجھا دیا ہے۔ اتفاق ہو گیا ہے اور اُمّت کا معاملہ درست ہو گیا ہے۔ حسین (علیہ السلام) نے مجھ سے معاہدہ کیا ہے کہ وہ اُسی جگہ واپس لوٹ جائیں گے جہاں سے آئے ہیں یا کسی سرحد کی طرف چلے جائیں گے۔ (اگر وہ ایسا کرتے ہیں) تو مسلمانوں میں سے ہی ایک (عام) شخص قرار پائیں گے جن کے حق میں وہی کچھ ہوگا جو سب کے لیے ہوگا اور خلاف بھی وہی ہوگا جو سب کے لیے ہوگا، یا وہ ہمارے امیر کے پاس چلے جائیں گے تو اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دیں گے اور اپنا معاملہ باہمی طور پر خود ہی دیکھ لیں گے۔ یہ بات اگر آپ کو بھی پسند ہوگی تو اُمّت کی بہتری بھی اسی میں ہے۔'' [4]

---

[1] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا ص ۲۰۸ بحوالہ:
سبط ابنِ جوزی (متوفی ۶۵۴ ق)، تذکرۃ الخواص من الامۃ فی ذکر خصائص الائمۃ ص ۲۵۷

[2] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا ص ۲۰۸ بحوالہ:
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد) ص ۸۷

[3] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد) ص ۳۰۰

[4] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد) ص ۳۰۰

عمر بن سعد کے اس خط پر ابنِ زیاد کے ردِ عمل سے متعلق روایات بھی متنازعہ حیثیت رکھتی ہیں۔ کچھ مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ وہ ابنِ سعد کی رائے سے متفق ہوگیا تھا لیکن شمر نے اُسے اپنے دلائل سے امام (علیہ السلام) کے قتل پر اُکسایا تو وہ قائل ہوگیا۔ چنانچہ ابنِ زیاد نے شمر سے کہا، ''تم نے خوب سوچا اور تمھاری رائے بہتر ہے، پس میرا خط لے کر عمر بن سعد کے پاس جاؤ کہ وہ حسین (علیہ السلام) اور اُن کے اصحاب کو پیش کرے۔ اگر وہ میرا فیصلہ قبول کریں تو اُنھیں صحیح وسلامت بھیج دے اور اگر وہ انکار کریں تو اُن سے جنگ کرے۔ اور اگر عمر بن سعد ایسا کرے تو تم اُس کی اطاعت کرنا اور اگر وہ اُن سے جنگ کرنے سے انکار کرے تو لشکر کی قیادت تم خود سنبھال لینا اور اُس کا سر قلم کر کے میرے پاس بھیج دو۔'' [1] اُس خط کا متن مندرجہ ذیل تھا:

''میں نے تمھیں حسین (علیہ السلام) کی طرف اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تم اُن کے مصائب دُور کرو، اُن سے طویل ملاقاتیں کرو، اُنھیں سلامتی و بقا کی اُمید دلاؤ، اُن سے معذرت کرو اور میرے پاس اُن کی سفارش کرو۔ دیکھو! اگر وہ میرا حکم مانتے ہُوئے خود کو تمھارے سپرد کر دیتے ہیں تو اُنھیں صحیح وسلامت میرے پاس بھیج دو، اور اگر وہ انکار کریں تو پیش قدمی کرو یہاں تک کہ اُنھیں قتل کردو اور اُن کا مثلہ (نعش کی بے حرمتی اور قطعِ اعضا) کرو کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں اور جب حسین (علیہ السلام) قتل ہوجائیں تو اُن پر گھوڑے دوڑا کر اُن کے سینے اور پشت کو روند ڈالو کیونکہ وہ نافرمان اور ظالم ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ ایسا کرنا مرنے کے بعد کوئی تکلیف پہنچاتا ہوگا۔ پس، جو کچھ میں نے کہا ہے، اس پر عمل کرنا۔ اگر تم ہمارا حکم بجالائے اور یہ سب کر گزرے تو ہم تمھیں اپنا اطاعت گزار شمار کرتے ہُوئے اس کا بدلہ دیں گے اور انعام واکرام سے نوازیں گے، اور اگر تمھیں اس سے انکار ہے تو ہمارے کام اور لشکر سے الگ ہوجاؤ اور لشکر کی سالاری شمر بن ذی الجوشن کے سُپرد کردو، ہم نے اُسے حکم دے دیا ہے۔'' [۲] عمر بن سعد لشکر کی سالاری شمر کے سُپرد کر کے کیسے الگ ہوتا؟ اُسے تو ''رے'' کی حکومت کے سنہرے خوابوں نے اندھا کر رکھا تھا۔ جبکہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اُس کا خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا اور وہ ''رے'' کی حکومت کبھی حاصل نہ کرسکا اور ناکام ونامراد ہی دُنیا سے چلا گیا۔ [۳]

---

[۱] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد) ص ۳۰۰

آقائی صدر الدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۴۴۱

علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۲۱۳

[۲] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد) ص ۳۰۰

آقائی صدر الدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۴۳۸ تا ۴۴۰

[۳] احمد بن یحییٰ البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف

تحقیق: زکار، سہیل زرکلی، ریاض، ج ۳، ص ۲۱۱ (دار الفکر، بیروت، چاپ اوّل، ۱۴۱۷ق)

سبط ابنِ جوزی (متوفای ۶۵۴ق)، تذکرۃ الخواص من الامۃ فی ذکر خصائص الائمۃ ص ۲۳۳

عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے

امام حسین (علیہ السلام) ایک نصب العین کے تحت عظمِ صمیم کے ساتھ نکلے تھے اور دِین بچانے کی خاطر اپنا تن، من، دھن، عزیز واقارب، بچے، دوست احباب، حتیٰ کہ اہلِ حرم کی چادریں تک قربان کرنے پر رضائے الٰہی میں راضی تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ معرکۂ کربلا میں آپ (علیہ السلام) سے دشمنوں نے کہا کہ یزید کی اطاعت قبول کرلیں (اور اپنی زندگی بچا لیں)۔ آپ (علیہ السلام) نے جواب میں فرمایا، ''قسم ہے خدا کی، نہ میں اطاعت کروں گا جس طرح اور ذلیل لوگ کرتے ہیں اور نہ ہی بھاگوں گا جس طرح غلام بھاگتے ہیں۔'' پھر باآواز بلند فرمایا، ''اے بندگانِ خدا! میں پناہ مانگتا ہوں ہر اُس متکبر سے جو روزِ قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔'' اور فرمایا، ''عزت کی موت ذِلّت کی زندگی سے بہتر ہے۔'' آپ (علیہ السلام) نے بروزِ عاشورہ فرمایا، ''موت بہتر ہے ارتکابِ عار سے، اور عار بہتر ہے دخولِ نار سے، بخدا! موت قبول کی جاسکتی ہے لیکن ذِلّت نہیں۔'' امام حسین (علیہ السلام) عزت سے مرنے کو زندگی سمجھتے تھے اور ذِلّت سے جینے کو موت۔ علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) نے کتاب حلیۃ الاولیا میں محمد بن حسن سے روایت کی ہے کہ جب کوفہ وشام کی فوجیں صحرائے کربلا میں جمع ہوگئیں اور حضرت (علیہ السلام) کو یقین ہوگیا کہ یہ مجھ سے لڑیں گی تو اپنے اصحاب (رضی اللہ عنہم) سے فرمایا، ''عنقریب میں مقتل گاہ کی طرف جاؤں گا کیونکہ مرنا انسان کے لیے باعثِ ذِلّت نہیں ہے بشرطیکہ وہ اسلام کی حالت میں جہاد کرے اور اپنی جان دے کر اچھوں کی مدد کرے اور بُروں سے دُور رہے اور مجرموں کی مخالفت کرے۔ پس، میں لشکرِ کثیر کی طرف جاتا ہوں اور بچ گیا یا مارا گیا تو (دونوں صورتوں میں) بُرا نہیں کہلاؤں گا، ہاں البتہ اگر کوئی ذِلّت کے ساتھ زندہ رہے تو یہ بہت بُرا ہے۔'' [1]

حبیب ابنِ مظاہر (رضی اللہ عنہ) اور بنی اسد کی کوششِ ناکام

کربلا کے قریب ہی بنی اسد کا ایک گاؤں تھا۔ امام حسین (علیہ السلام) سے اجازت لے کر حبیب ابنِ مظاہر (رضی اللہ عنہ) اُن کے پاس گئے اور اُنھیں امام (علیہ السلام) کی مدد کے لیے آمادہ کیا۔ حبیب (رضی اللہ عنہ) کی دعوت پر سب سے پہلے عبداللہ بن بشر اسدی (رضی اللہ عنہ) نے لبیک کہا اور اُن کی تقلید کرتے ہُوئے نوّے (۹۰) افراد نصرتِ امام (علیہ السلام) کے لیے تیار ہوکر حبیب ابنِ مظاہر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ کربلا کی طرف روانہ ہُوئے۔ ابنِ سعد کو مخبری ہوئی تو اُس نے فوری طور پر چارسو (۴۰۰) سواروں کو اُن کا راستہ روکنے کے لیے بھیجا۔ چنانچہ فرات کے کنارے ایک سخت مقابلے کے بعد اکثر اسدی شہید ہُوئے اور جو باقی بچے وہ پسپا ہونے پر مجبور ہوگئے اور یزیدی فوج کے ڈر سے اپنے اہل وعیال اور مال مویشیوں سمیت گاؤں چھوڑ کر کسی دوسری جگہ

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۳۲ تا ۳۳

ہجرت کر گئے۔ [۱]

ابنِ سعد کو ابنِ زیاد کا ایک اور خط ملا جس میں لکھا تھا، ''نہر اور حسین (علیہ السلام) کے درمیان حائل ہو جاؤ تا کہ وہ پانی کی ایک بوند بھی نہ حاصل نہ کر سکیں، جس طرح تقی زکی عثمان بن عفان کے ساتھ کیا گیا تھا۔ (جبکہ یہ حسین (علیہ السلام) وہی تو تھے جو انھیں کی روایات کے مطابق خلیفہ سوم کے محاصرے کے دوران سخت پہروں اور بندشوں کے باوجود اپنے بھائی کے ساتھ اُن کی حفاظت کے لیے لڑتے اور زخمی ہوتے رہے اور جن کے والد گرامی نے خلیفہ پر پانی کی بندش کے دوران جان پر کھیل کر اُن تک پانی پہنچایا تھا۔ [۲])

حبیب ابنِ مظاہر (رضی اللہ عنہ)

روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ کچھ بچوں کو دیکھا جو راستے میں کھیل رہے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اُن میں سے ایک لڑکے کے پاس بیٹھ گئے، اُس کی پیشانی کا بوسہ لیا، اُسے گود میں لے کر پیار کیا اور اُس پر بہت لطف و کرم فرمایا۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے اس عنایت کا سبب پوچھا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ارشاد فرمایا، ''ایک دن میں نے دیکھا تھا کہ یہ میرے حسین (علیہ السلام) کے ساتھ کھیل رہا تھا اور اُس کے پاؤں کی خاک اُٹھا اُٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگاتا اور مُنہ پر ملتا تھا۔ میں اس لیے اس کو دوست رکھتا ہوں کہ یہ میرے حسین کو دوست رکھتا ہے۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ لڑکا کربلا میں میرے حسین (علیہ السلام) کی نصرت کرے گا۔'' اُس لڑکے کا نام حبیب ابن مظاہر (رضی اللہ عنہ) تھا۔ [۳]

---

[۱] آقائی صدر الدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۴۳۴؛ علامہ طالب جوہری، حدیث کربلا ص ۲۰۳
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۰۰

[۲] عبداللہ بن مسلم قتیبہ دینوری، (متوفی: ۸۸۹ء، بغداد)، الامامہ و السیاسۃ، ج ۱ ص ۵۹
احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۵ ص ۵۵۸
عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر ابنِ کثیر، (متوفی: ۷۷۴ھ، شام)، البدایہ والنہایہ، ج ۷ ص ۲۳۴
ابنِ خلدون، (متوفی: ۱۴۰۶ء، قاہرہ، مصر)، تاریخ ابنِ خلدون، جلد ۲ ص ۳۶۳
علی بن حسین بن علی مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، مروج الذہب تاریخ مسعودی، ۲ ص ۲۸۴
ابنِ عبدالبر القرطبی، (متوفی: ۱۰۷۱ء، شاطبہ، اندلس)، الاستیعاب، ۱۴۱۲ق، ج ۳ ص ۱۰۴۶
ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، الکامل، ۱۳۸۵ق، ج ۳ ص ۱۷۲
محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ الامم والملوک، ۱۳۸۷ق، ج ۴ ص ۳۸۶

[۳] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام)، حصّہ اوّل، ص ۸۱

حبیب ابنِ مظاہر (رضی اللہ عنہ)، قبیلہ بنو اسد میں سے تھے اور امیر المومنین حضرت علی (علیہ السلام) کے خاص صحابی تھے۔ مدینہ چھوڑ کر امیر المومنین (علیہ السلام) کے ساتھ کوفہ چلے گئے اور آپ (علیہ السلام) کے ساتھ ہر کوشش اور جہاد میں مصروف ہُوئے، حتیٰ کہ امیر المومنین (علیہ السلام) کے اصحابِ خاص میں قرار پائے اور آپ (علیہ السلام) کے علوم کے حاملین میں شمار ہُوئے۔ [۱]

حبیب ابنِ مظاہر (رضی اللہ عنہ)، ''شرطۃ الخمیس'' کے رکنِ خاص تھے۔ ''شرطۃ الخمیس'' خطرات کی صورت میں فوری رد عمل کے لیے تشکیل دیے گئے مسلح دستے کا نام تھا جس میں امام علی (علیہ السلام) کے مخلص اور قابلِ اعتبار ساتھی شامل تھے۔ [۲]

حبیب ابنِ مظاہر (رضی اللہ عنہ) کا شمار کوفہ کے اُن لوگوں میں بھی ہوتا ہے جنہوں نے امام حسین (علیہ السلام) کو خط لکھ کر کوفہ آنے کی دعوت دی لیکن کوفیوں کی بیوفائی کے بعد وہ چپکے سے کوفہ چھوڑ کر امام حسین (علیہ السلام) سے جا ملے۔ اُس وقت اُن کی عمر ۷۵ سال تھی۔ حبیب (رضی اللہ عنہ) مردِ عابد و پارسا تھے، تقویٰ اور حدُودُ اللہ کی رعایت کرتے تھے، حافظِ قرآن تھے، اور ہر شب عبادت و مناجات میں مصروف ہوتے تھے اور امام حسین (علیہ السلام) کے بقول ہر شب ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ [۳] پاکیزہ اور سادہ زندگی گذارتے تھے۔ زُہد کو نمونہ عمل بنائے ہُوئے تھے اور دُنیا سے اس قدر بے رغبتی رکھتے کہ کثیر مال و دولت اور امان ناموں کی پیشکش کو ٹھکرا دیا اور کہا، ''ہمارے زندہ رہتے ہُوئے اگر امام حسین (علیہ السلام) کو مظلومیت کی حالت میں قتل کر دیا جائے تو رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حضور ہمارے پاس کوئی عذر نہ ہوگا (اور ہمیں معاف نہ کیا جائے گا)۔ [۴] واقعۂ عاشورہ سے برسوں قبل میثم تمار (رضی اللہ عنہ) کا بنو اسد کی مجلس سے گذر ہُوا تو دونوں نے ایک دوسرے کو شہادت کی بشارت اور شہادت کی کیفیت کی خبر دی جو اُسی علم کا نتیجہ تھا جو اُنھیں امیر المومنین (علیہ السلام) سے حاصل ہُوا تھا اور جس کی بدولت وہ دونوں مستقبل میں رُونما ہونے والے واقعات کی خبر رکھتے تھے۔ [۵]

عبداللہ بن حَصین ازدی

ابنِ سعد نے عمرو بن حجاج کو پانچ سو (۵۰۰) سواروں کے ساتھ بھیجا جو نہر پر جا کر امام حسین (علیہ السلام) اور پانی کے درمیان حائل ہوگئے۔ یہ واقعہ ۷ محرم الحرام کا ہے۔ اُن سواروں میں سے ایک، قبیلہ بَجَلّیہ کے عبداللہ بن حَصین ازدی نے، امام حسین (علیہ السلام) کے سامنے آ کر چیختے ہُوئے کہا، ''اے حسین (علیہ السلام)! اس پانی کی طرف دیکھو، اس کا آسمانی رنگ کیسا بھلا

---

[۱] سماوی، ابصار العین فی انصار الحسین، ص ۱۲۷

[۲] سماوی، ابصار العین فی انصار الحسین، ص ۱۲۷

[۳] شیخ عباس قمی، نفس المہموم ص ۱۲۴

[۴] الامین، اعیان الشیعہ، ج ۴ ص ۵۵۳

[۵] سماوی، ابصار العین فی انصار الحسین، ص ۱۲۷

لگتا ہے۔ خدا کی قسم! تم لوگ اس میں سے ایک قطرہ بھی نہیں چکھ سکو گے یہاں تک کہ پیاسے مرجاؤ گے۔'' غرور وتکبر سے لبریز اُس کی للکار سُن کر امام عالی مقام (علیہ السّلام) نے فرمایا، ''خدایا! اسے پیاس سے مار اور اس کی بخشش نہ کر۔'' (حمید بن مسلم سے روایت ہے کہ وہ بیمار پڑ گیا اور میں اُس کی عیادت کے لیے گیا۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، میں نے دیکھا کہ اُسے پیاس لگتی تھی اور وہ پانی پیتا تھا لیکن قے کر دیتا تھا اور اُس کی پیاس نہیں بجھتی تھی اور وہ چیخ چیخ کر کہتا تھا، پیاس پیاس، یہاں تک کہ اُس کی روح نکل گئی۔) [۱]

میٹھے پانی کا چشمہ

یزیدی فوج کے فرات پر سخت قبضے اور بندشِ آب کے بعد امام حسین (علیہ السّلام) اور آپ کے اصحاب پیاس کی شدت میں مبتلا ہو گئے تو امام (علیہ السّلام) ایک کُدال لے کر اپنے خیموں کے پیچھے گئے اور قبلہ رُخ اُنیس قدم آگے جا کر کھدائی کی۔ اُس مقام پر میٹھے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ امام (علیہ السّلام) اور باقی سب لوگوں نے پیاس بجھائی اور کچھ پانی ذخیرہ کر لیا؛ پھر وہ چشمہ غائب ہو گیا۔ [۲] بروایتے، چشمہ کھودنے کی خبر ابنِ زیاد تک پہنچ گئی اور اُس نے عمر سعد کو خط لکھا کہ مجھے معلوم ہُوا ہے حسین (علیہ السّلام) کنویں کھود کر پانی نکال رہے ہیں اور ساتھیوں سمیت سیراب ہو رہے ہیں۔ میرا خط ملتے ہی اُنھیں کنویں کھودنے سے روکو اور اُن پر سختی کرو اور اُنھیں پانی نہ لینے دو۔'' [۳]

امام حسین (علیہ السّلام) اور ابنِ سعد کی دوسری ملاقات

عمر بن سعد کے کربلا وارد ہونے سے لے کر یومِ عاشورہ تک امام حسین (علیہ السّلام) اور اُس کے درمیان چند ملاقاتوں کا ذکر مختلف کتبِ تاریخ میں ملتا ہے۔ ان ملاقاتوں کی درست تعداد اور اوقات کا تعیُّن کرنا مشکل ہے کیونکہ سبھی ملاقاتوں میں

---

[۱] طبری، تاریخ طبری، ج ۴ حصہ اوّل، ص ۱۹۷ تا ۱۹۹
شیخ مفید، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد) ص ۲۹۷ تا ۲۹۹
آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ا ص ۴۳۳
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصہ اوّل ص ۲۱۱ تا ۲۱۲
[۲] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا ص ۲۰۳
موفق بن احمد خوارزمی، (متوفی: ۵۶۸ھ)، مقتل الحسین (علیہ السّلام)، ج ا ص ۳۴۶
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصہ اوّل ص ۲۱۰
[۳] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا ص ۲۰۴
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصہ اوّل ص ۲۱۰

تقریباً ایک جیسا مضمون معمولی فرق کے ساتھ مرقوم ہے۔ طبری نے نقل کیا ہے امام حسین (علیہ السّلام) نے ابنِ سعد کو پیغام بھیجا کہ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں اس لیے آج رات دونوں لشکر گاہوں کے درمیان ملاقات کرو۔ چنانچہ وہ بیس افراد کے ساتھ آیا اور امام (علیہ السّلام) بھی بیس افراد کے ساتھ اپنے خیمے سے باہر تشریف لائے۔ [1] علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ قریب پہنچ کر امام (علیہ السّلام) نے اپنے اصحاب کو رُکنے کا حکم دیا اور صرف اپنے بھائی ابوالفضل عباس (علیہ السّلام) اور فرزند علی اکبر (علیہ السّلام) کو لے کر آگے بڑھے۔ ابنِ سعد نے بھی اپنے ساتھیوں کو دُور بھیج دیا اور اپنے بیٹے حفص اور ایک غلام کے ساتھ آیا۔

امام حسین (علیہ السّلام) نے اُس سے فرمایا، ''اے ابنِ سعد! وائے ہو تم پر، تم اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں؟ حالانکہ تمھیں معلوم ہے کہ میں کس کا بیٹا ہوں۔ ان لوگوں کو چھوڑ دو اور میرے ساتھ ہو جاؤ تا کہ اللہ کے قریب ہوسکو۔''

ابنِ سعد نے کہا، ''میں ڈرتا ہوں کہ میرا گھر منہدم کروا دیا جائے گا۔''

امام (علیہ السّلام) نے فرمایا، ''میں اُسے پھر تعمیر کروا دوں گا۔''

اُس نے کہا، ''مجھے ڈر ہے کہ میری جائیداد ضبط کر لی جائے گی۔''

امام عالی مقام (علیہ السّلام) نے جواب دیا، ''میں اپنے مالِ حجاز سے ان سے بہتر املاک تمھیں دے دوں گا۔''

وہ کہنے لگا، ''مجھے خوف ہے کہ ابنِ زیاد میرے اہل و عیال کو نقصان پہنچائے گا۔''

امام حسین (علیہ السّلام) خاموش ہو گئے اور پلٹتے ہُوئے فرمایا، ''تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ اللہ تمھیں تمھارے بستر پر ذبح کرے اور قیامت کے دن تمھاری مغفرت نہ کرے، خدا کی قسم! مجھے توقع ہے کہ تم سیر ہو کر عراق کا گیہوں بھی نہیں کھا سکو گے۔''

اُس نے تمسخر کے لہجے میں جواب دیا، ''اگر گیہوں نہ ملا تو جَو پر ہی قناعت کر لوں گا۔'' [2]

خوارزمی کے مطابق جب ابنِ سعد نے اپنے اہل و عیال کو نقصان پہنچائے جانے کا خوف ظاہر کیا تو امام حسین (علیہ السّلام) نے فرمایا، ''میں اُن کی سلامتی کا ضامن ہوں۔'' ابنِ سعد نے کوئی جواب نہ دیا اور چُپ رہا تو امام (علیہ السّلام) نے کلماتِ زَجر و تَوبیخ (کلماتِ ملامت) ادا فرمائے۔ [3]

---

[1] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا، ص ۲۰۶
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴، ص ۳۱۲

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصّہ اوّل، ص ۲۱۱
آقائی صدر الدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱، ص ۴۳۷

[3] موفق بن احمد خوارزمی، (متوفی: ۵۶۸ھ)، مقتل الحسین (علیہ السّلام)، ج ۱، ص ۳۴۷

حضرت زینب (علیہا السلام) کی بے چینی

امام زین العابدین (علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ میں خیمے کے ایک گوشے میں بیٹھا ہُوا تھا اور میری پھوپھی جناب زینب (علیہا السلام) میری تیمارداری میں مصروف تھیں کہ اتنے میں میرے بابا اُٹھ کر اپنے خیمے کی طرف گئے اور دو تین بار یہ اشعار پڑھے:

اے زمانے! افسوس ہے تجھ پر

کہ تُو کتنا بُرا دوست ہے

کئی دوست اور طلبگار صبح و شام قتل ہو جاتے ہیں

اور زمانہ بدلہ قبول نہیں کرتا

ہر امر اللہ عزَّ وَجلَّ کی رضا سے ہے

اور ہر زندہ کو اُسی کی راہ پر چلنا ہے

جس پر میں چل رہا ہوں

امام زین العابدین (علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ میں اشعار کا مطب سمجھ گیا کہ بلا نازل ہو چکی ہے اور میرا دل بھر آیا مگر میں نے ضبط سے کام لیا لیکن میری پھوپھی زینب (علیہا السلام) برداشت نہ کرسکیں۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھیں اور میرے بابا کی طرف یوں چلیں کہ اُن کا لباس زمین پر خط کھینچ رہا تھا (یعنی شدتِ غم کی وجہ سے اپنی ڈھیلی ڈھالی عبا یا کو سنبھال نہ سکیں اور وہ لٹک کر زمین پر گھسٹ رہی تھی)۔ وہ بابا کے پاس پہنچیں تو گلوگیر لہجے میں کہا، ''اے گزرے ہوؤں کے جانشین اور باقی رہنے والوں کی پناہ گاہ! کاش (آپ کی جگہ) مجھے موت آجاتی کیونکہ (آپ کے مرنے کی بات سُن کر یوں لگ رہا ہے جیسے) آج میری ماں فاطمہ (علیہا السلام)، میرے بابا علی (علیہ السلام) اور میرے بھائی حسن (علیہ السلام) (سب کے سب) دُنیا سے چلے گئے ہوں۔'' (اس جملے کی تشریح میں امام جعفر صادق (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اصحابِ کساء جو کہ اللہ کے نزدیک عزیز ترین خلائق تھے، پانچ تھے اور اب امام حسین (علیہ السلام) کا جانا گویا اُن سب کا جانا تھا۔ [۱]) یہ سُن کر بابا نے اُنھیں بھیگی ہوئی آنکھوں سے بغور دیکھا اور گریہ کرتے ہُوئے فرمایا، ''میری پیاری بہن! صبر کرو، ایسا نہ ہو کہ تمھارا حلم و صبر ساتھ چھوڑ جائے۔'' اور پھر فرمایا، ''اگر پرندے کو اُس کے حال پر چھوڑ دیتے تو وہ بھی سو جاتا۔'' جناب زینب (علیہا السلام) نے روتے ہُوئے کہا، ''آہ! کیا آپ خود کو موت کے سُپرد کرنے جا رہے ہیں؟ میرا دل کٹ رہا ہے، یہ کیسی کٹھن مصیبت ہے۔'' اتنا کہہ کر آپ شدتِ غم سے نڈھال ہو گئیں۔ بابا نے اُن کے

---

[۱] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا، ص ۲۳۱ بحوالہ: وقائع الایام خیابانی، ج ۳ ص ۴۱۹
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۱۸

چہرے پر پانی کے چھینٹے مار کر اُن کی طبیعت بحال کی اور فرمایا، ''بہن! تقوے سے کام لو اور اللہ کی بخشی ہوئی طاقت کے ذریعے صبر کرو اور جان لو کہ تمام اہلِ زمین ایک دن مرجائیں گے اور اہلِ آسمان بھی باقی نہیں رہیں گے اور یقیناً ہر شے فنا ہوجائے گی سوائے اللہ کے کہ جس نے اپنی قدرت سے مخلوقات کو خلق کیا ہے۔ وہی لوگوں کو اُٹھاتا ہے اور پلٹاتا ہے اور وہ ہی اَحد ہے۔ میرے نانا، میرے بابا، میری ماں، اور میرے بھائی، سبھی مجھ سے بہتر تھے اور میرے لیے اور میرے اور ہر مسلمان کے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی کرنا لازم ہے۔'' آپ نے ایسے ہی کچھ اور جملے کہے اور جناب زینب (علیہا السلام) کو آنے والے مصائب پر صبر و ہمت سے کام لینے اور ثابت قدم رہنے کی تلقین فرمائی۔''[1]

حضرت زینب (علیہا السلام)

سیّدہ، طاہرہ، عالمہ، فاضلہ، معصومہ، مظلومہ جناب زینب (علیہا السلام)، حضرت امام علی (علیہ السلام) اور سیّدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا (علیہا السلام) کی صاحبزادی اور امام حسین (علیہ السلام) کی حقیقی بہن ہیں۔ آپ (علیہا السلام) کی ولادت باسعادت ۵ جمادی الاوّل ۶ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔[2] احادیثِ مبارکہ کے مطابق آپ (علیہا السلام) کا نام گرامی ''زینب'' حضرت رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خود رکھا۔ بعض موارد میں ہے کہ جبرائیل (علیہ السلام) وحی لے کر آئے۔ چنانچہ آپ (علیہا السلام) کا اسمِ مبارک بحکمِ خدا نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے رکھا جیسا کہ اللہ عزَّ وَجَل نے فرمایا، ''مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿۴﴾'' (تمھارے یہ صاحب (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ گمراہ ہُوئے ہیں اور نہ بہکے ہُوئے ہیں۔ اور وہ (اپنی) خواہشِ نفس سے بات نہیں کرتے۔ وہ تو بس وحی ہے جو اُن کی طرف کی جاتی ہے۔ سورۃ النجم، آیت: ۲ تا ۴) بروایتے جناب رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت زینب (علیہا السلام) کا بوسہ لیا اور فرمایا، ''میری اُمّت کے حاضرین اور غائبین کو میری نواسی زینب (علیہا السلام) کی کرامت سے آگاہ کرو کہ یہ اپنی نانی خدیجہ (علیہا السلام) کی طرح ہے۔''[3]

---

[1] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۲۱۸

[2] عمر رضا کحالہ، (متوفی: ۱۴۰۳ھ)، اعلام النساء، ج ۲ ص ۹۱
ابوالحسن العلوی، اخبار الزینبیات، ۱۴۱۰ق ص ۲۳
ذبیح اللہ محلاتی، (۱۲۷۱-۱۳۶۴ش)، ریاحین الشریعہ، ج ۳ ص ۳۳
محمدی اشتہاردی، (۱۳۲۳-۱۳۸۵ش)، حضرت زینب (علیہا السلام) فروغ تابان کوثر، ص ۱۷

[3] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱

لغت میں زینب کے معانی ''نیک منظر'' اور ''خوشبودار درخت'' [۱] اور ''باپ کی زینت'' مرقوم ہیں۔ [۲] آپ (علیہا السلام) کا مشہور لقب ثانی زہرا (علیہا السلام) ہے، اس کے علاوہ مندرجہ ذیل القاب بھی بہت معروف ہیں:

عقیلۃ بنی ھاشم، عالمۃ غَیرُ مُعَلَّمَہ، عارفہ، موثّقہ، فاضلہ، کاملہ، عابدہ آل علی، معصومۂ صغریٰ، امینۃ اللہ، نائبۃ الزھرا، نائبۃ الحُسین، عقیلۃ النساء، شریکۃ الشھداء، بلیغہ، فصیحہ اور شریکۃُ الحُسین۔ [۳]

آپ (علیہا السلام) کی زندگی مصائب و آلام سے بھرپور تھی۔ سب سے پہلے، نانا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رحلت کا صدمہ، پھر والدہ سیّدہ فاطمہ (علیہا السلام) اور والد حضرت علی (علیہ السلام) کی حیات کی سختیاں اور شہادتیں، اُن کے بعد بھائی امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت اور تدفین کے المناک واقعات، واقعۂ کربلا میں بچوں، بھائیوں، بھتیجوں اور عزیزوں کی دردناک شہادتیں، ظالموں کے ہاتھوں بے پردگی اور کوفہ و شام کی اسیری اور آلام۔ ان تمام مصائب کی بنا پر آپ (علیہا السلام) کو اُمّ المصائب کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ [۴] اس قدر رنج و غم اور مصیبتوں کے باوجود آپ صبر و استقلال کا پیکر تھیں۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب آپ (علیہا السلام) کربلا میں اپنے بھائی حسین (علیہ السلام) کے خاک و خون میں غلطاں لخت لخت لاشے پر پہونچیں تو آسمان کی طرف رُخ کر کے کہا، ''الٰہی! اپنی راہ میں ہماری اس چھوٹی سی قربانی کو قبول فرما۔'' [۵]

آپ (علیہا السلام) کی شادی ۱۷ ہجری میں آپ کے چچا حضرت جعفر طیار (علیہ السلام) کے بیٹے عبداللہ (علیہ السلام) سے ہوئی۔ آپ (علیہا السلام) کے چار بیٹے تھے علی، عون، عباس اور محمد (علیہم السلام)، جبکہ ایک بیٹی تھیں جن کا نام اُمّ کلثوم تھا۔ [۶] عون و محمد (علیہما السلام) سانحۂ کربلا میں شہید ہوئے۔ [۷]

کوفہ میں حضرت علی (علیہ السلام) کے زمانۂ خلافت میں خواتین کے لیے تفسیرِ قرآن کا درس آپ (علیہا السلام) کے علم و عرفان کا ایک نمونہ ہے۔ [۸] اور واقعۂ کربلا کے بعد کوفہ اور دربار یزید میں آیاتِ قرآنی پر مبنی آپ (علیہا السلام) کے فصیح و بلیغ عالمانہ خطبات بھی آپ (علیہا السلام) کے کمالاتِ علمی کا ناقابلِ تردید ثبوت ہیں۔

---

[۱] ابن منظور، (متوفی: ۷۱۱ھ)، لسان العرب، ۱۴۱۴ق، ج ۱ ص ۴۵۳

[۲] سیّد مرتضیٰ زبیدی، (متوفی: ۱۲۰۵ھ)، تاج العروس، ۱۴۱۴ق، ج ۲ ص ۶۰

[۳] سیّد نور الدین جزائری، (متوفی: ۱۱۵۸ق)، الخصائصۃ الزینبیۃ، ۱۴۲۵ق، ص ۴۴

[۴] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱

[۵] سیّد علی نقی فیض الاسلام (۱۲۸۴-۱۳۶۴ش)، خاتون دوسرا، ص ۱۸۵

[۶] ابنِ عساکر دمشقی، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، اعلام النساء، ص ۱۹۰؛ ریاحین الشریعہ، ج ۳ ص ۴۱

[۷] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۳ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۳۰

[۸] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء)، دلائل الامامہ، ج ۳: ذبیح اللہ محلاتی، (۱۲۷۱-۱۳۶۴ش)، ریاحین الشریعہ، ص ۵۷

مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ (علیہا السلام) کے خطبات آپ (علیہا السلام) کے والد جناب حضرت علی (علیہ السلام) کے خطبات کی یاد تازہ کرتے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ کوفہ اور یزید کے دربار میں آپ (علیہا السلام) کا خطبہ، نیز ابنِ زیاد کے ساتھ آپ کا مکالمہ، اپنے والد گرامی کے خطبات اور والدہ گرامی کے خطبۂ فدک کے ساتھ بہت مماثلت رکھتے تھے۔ کوفہ میں آپ (علیہا السلام) کے خطبے کے دوران ایک بوڑھا شخص روتے ہُوئے کہہ رہا تھا، ''میرے ماں باپ ان پر قربان ہوں، ان کے عمر رسیدہ افراد تمام عمر رسیدہ افراد سے اعلیٰ، ان کے بچے تمام بچوں سے بہتر اور ان کی مستورات تمام مستورات سے افضل، اور ان کی نسل تمام انسانوں سے برتر ہے۔ [۱]

آپ (علیہا السلام) نے اپنے والد ماجد اور والدہ ماجدہ سے کئی احادیث نقل کی ہیں۔ آپ (علیہا السلام) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صحابیہ اور حدیثِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی راویہ بھی تھیں چنانچہ محمد بن عمرو، عطاء بن سائب، فاطمہ بنتِ الحسین (علیہا السلام) اور دیگر نے آپ (علیہا السلام) سے کئی احادیث نقل کی ہیں۔ [۲]

آپ (علیہا السلام) روز و شب مصروفِ عبادت رہا کرتیں اور نمازِ تہجد کو کبھی ترک نہ کرتیں۔ اتنی عبادت کرتیں کہ عابدۂ آلِ علی کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ [۳] منقول ہے کہ عبادتِ الٰہی کے لیے آپ (علیہا السلام) کی شب بیداری اور نمازِ شب، دس اور گیارہ محرم کی راتوں کو بھی ترک نہ ہوئی۔ امام حسین (علیہ السلام) کی صاحبزادی حضرت فاطمہ (علیہا السلام) فرماتی ہیں، ''شبِ عاشور پھوپھی زینب (علیہا السلام) مسلسل محرابِ عبادت میں کھڑی رہیں، آپ (علیہا السلام) نماز اور راز و نیازِ الٰہی میں مصروف تھیں اور آپ (علیہا السلام) کے آنسو مسلسل جاری تھے۔ [۴] اللہ ربُ العزت کے ساتھ آپ (علیہا السلام) کے اس ارتباط و اتصال کے سبب امام حسین (علیہ السلام) نے روزِ عاشورہ آپ (علیہا السلام) سے الوداعی ملاقات میں فرمایا، ''اے میری بہن! نمازِ شب میں مجھے مت بھولنا۔'' [۵]

آپ (علیہا السلام) کی وفات ۶۳ ہجری میں ۱۵ رجب کی رات اپنے شریکِ حیات جناب عبداللہ بن جعفر طیّار (علیہ السلام) کے ہمراہ شام کے سفر کے دوران ہوئی اور آپ (علیہا السلام) وہیں دفن ہوئیں جبکہ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ آپ (علیہا السلام) مدینہ یا مصر میں مدفون ہیں۔ [۶] آپ (علیہا السلام) کے مدفن کے بارے میں تین اقوال موجود ہیں۔ ایک قول کے مطابق آپ مصر میں مدفون

---

[۱] احمد بہشتی، زنان نامدار در قرآن و حدیث، ص ۵۱

[۲] ابنِ عساکر دمشقی، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، اعلام النساء، ص ۱۸۹

[۳] جعفر النقدی، (زینب الکبریٰ علیہا السلام) ص ۶۱

[۴] ابنِ عساکر دمشقی، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، اعلام النساء، ص ۱۸۹

[۵] ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱

[۶] ابنِ عساکر دمشقی، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، اعلام النساء، ص ۱۸۹

ہیں اور وہ جگہ قاہرہ میں ''منطقہ سیّدۃ الزینب''میں ''مقام السیّدۃ زینب'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔[۱] دوسرے قول کے مطابق آپ (علیہا السلام) مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں دفن ہیں۔ سید محسن امین اس قول کو قبول کرتے ہوئے باقی دو اقوال کے رد میں دلائل پیش کرتے ہیں۔[۲] لیکن سب سے زیادہ مشہور قول کے مطابق آپ (علیہا السلام) شام کے شہر دمشق کے جنوب میں ''منطقہ زینبیہ''میں دفن ہیں۔[۳]

حضرت عباس (علیہ السلام) کی سقائی

سات اور آٹھ محرم کی درمیانی شب پانی کی بندش کے سبب خیامِ حسینی میں پیاس کا غلبہ شدید ہُوا تو امام حسین (علیہ السلام) نے اپنے بھائی حضرت عباس (علیہ السلام) کو پانی لینے فرات کی طرف روانہ کیا۔ حضرت عباس (علیہ السلام) تیس سوار اور بیس پیادے لے کر گھاٹ کی طرف روانہ ہُوئے۔ پیادوں کے پاس بیس خالی مشکیزے تھے۔ نافع بن ہلال (رضی اللہ عنہ) جھنڈا تھامے آگے آگے چل رہے تھے۔ رات کی تاریکی میں جب دستہ گھاٹ کے قریب پہنچا تو عمرو بن حجاج نے پوچھا، ''تم کون ہو؟'' نافع بن ہلال (رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا، ''تم لوگوں نے ہم پر جو پانی بند کیا ہے وہ لینے آئے ہیں۔'' عمرو نے کہا، ''شوق سے پیو۔'' نافع بولے، ''خدا کی قسم میں اس پانی سے ایک قطرہ بھی نہیں پیوں گا کیونکہ حسین (علیہ السلام) پیاسے ہیں۔'' عمرو بولا، ''تم جو چاہتے ہو وہ ممکن نہیں ہے کیونکہ ہمیں اس جگہ پر اسی لیے تعینات کیا گیا ہے کہ ہم تمھیں پانی حاصل کرنے سے روکیں۔'' حضرت عباس (علیہ السلام) نے پیادوں کو حکم دیا، ''مشکیں بھر لو۔'' چنانچہ اُنھوں نے فوراً تعمیل کی اور گھاٹ میں اُتر کا مشکیزے بھر لیے۔ عمرو بن حجاج اور اُس کے سپاہیوں نے روکنا چاہا تو حضرت عباس (علیہ السلام) اور نافع بن ہلال (رضی اللہ عنہ) نے اُن پر حملہ کر دیا اور اُس وقت تک اُلجھائے رکھا جب تک کہ مشکیں خیامِ حسینی میں نہ پہنچ گئیں۔ علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) اور موفق بن احمد خوارزمی نے اس ماجرے کو معمولی فرق کے ساتھ بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اسی واقعے کی نسبت سے حضرت ابوالفضل عباس (علیہ السلام) کا لقب ''سقّا'' قرار پایا۔ اس جھڑپ میں عمرو کے سپاہیوں میں سے ایک، نافع بن ہلال (رضی اللہ عنہ) کے نیزے سے زخمی ہو کر مر گیا۔[۴]

---

[۱] یوسفی غروی، بررسی تحلیلی سیر مقتل نگاری عاشورہ (۲)، سایت مؤسسہ فرہنگی فہیم

[۲] سیّد محسن امین، اعیان الشیعۃ، ج ۷ ص ۱۴۰-۱۴۱

[۳] شریف القرشی، السیدۃ زینب رائدۃ الجھاد فی الاسلام عرض و تحلیل، بیروت، ۱۴۲۲ق/۲۰۰۱م ص ۲۹۸-۳۰۳؛ السابقی، آرامگاہ عقیلہ بنی ہاشم؛ پژوہشی تحلیلی-تاریخی، مترجم حسین طہ نیا، ۱۳۹۴ش

[۴] علامہ طالب جوہری، حدیث کربلا، ص ۲۰۶؛ ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۳۱۲ علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۱۰ ابوالفرج اصفہانی، (متوفی: ۹۶۷ء، بغداد)، مقاتل الطالبین، ص ۱۱۷؛ موفق بن احمد خوارزمی، مقتل الحسین (علیہ السلام) خوارزمی، ج ۱ ص ۳۴۷

شمر بن ذی الجوشن

شمر بن ذی الجوشن کا تعلق قبیلہ ہوازن سے تھا۔ وہ ابتدا میں امیرالمومنین علی (علیہ السلام) کے اصحاب میں شامل تھا لیکن بعد میں آپ (علیہ السلام) کا اور آپ کے خاندان کا سخت ترین دشمن بن گیا۔ اُس کے باپ ذوالجوشن نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوتِ اسلام قبول نہ کی لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب مسلمان فیروزمند ہوئے تو (بہت سے دوسروں کافروں کی طرح) اُس نے بھی اسلام قبول کرلیا۔[1] شمر کی ماں کا شمار بدنامِ زمانہ عورتوں میں ہوتا تھا۔ کتبِ تاریخ میں اُس کا ذکر پلیدی کے وصف کے ساتھ ہُوا ہے حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ وہ بھیڑ بکریوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے وقت بھی گناہ کا ارتکاب کیا کرتی تھی اور شمر اُسی ناجائز تعلق کے نتیجے میں پیدا ہُوا۔ امام حسین (علیہ السلام) نے بھی واقعہ کربلا کے دوران شمر کو ''بکریاں چرانے والی عورت کا بیٹا'' کہہ کر پکارا تھا۔[2] شمر ہمیشہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے کوشاں ہوتا تھا اور اس کے لیے کسی بھی قسم کے ناپسندیدہ اور ظالمانہ عمل سے گریز نہیں کرتا تھا۔ وہ ایک برص زدہ اور کریہہ صورت شخص تھا۔[3] امام حسین (علیہ السلام) نے روزِ عاشورہ اُسے کہا تھا کہ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سچ فرمایا کہ ایک سیاہ وسفید (چتکبرا) کتا میرے اہل بیت (علیہم السلام) کا خون پی رہا ہے۔[4]

امان نامے

آقائی صدرالدین قزوینی لکھتے ہیں کہ شمر نے کربلا روانہ ہونے سے قبل ابنِ زیاد سے ایک امان نامہ لیا۔ یہ امان نامہ حضرت اُمّ البنین (علیہا السلام) کے بیٹوں کے لیے تھا کیونکہ بروایتے حضرت اُمّ البنین (علیہا السلام) کے والد کا تعلق قبیلہ بنو کلاب سے تھا اور شمر بھی کلابی تھا اس لیے حضرت اُمّ البنین (علیہا السلام) کے بیٹوں کو بھانجا کہتا تھا۔ اور بروایتے اُسے جریر بن عبداللہ نے امان نامہ حاصل کرنے کو کہا کیونکہ حضرت اُمّ البنین (علیہا السلام) کسی دُور کے رشتے سے جریر کی چچی لگتی تھیں۔[5] ابنِ کثیر نے البدایہ والنہایہ میں بیان کیا ہے کہ عبیداللہ بن ابی محل نے وہ امان نامہ حاصل کیا جب کہ ابنِ اثیر نے عبیداللہ کی جگہ عبداللہ بن ابی محل کا نام

---

[1] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ا ص ۲۹۱

[2] احمد بن یحییٰ البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۲ ص ۴۸۷

شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲، ص ۹۶

[3] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۶ ص ۵۳؛ ابنِ عساکر، تاریخ مدینہ دمشق، ج ۲۳ ص ۱۹۰

[4] ابنِ قولویہ، کامل الزیارات، ص ۳۲۹

[5] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ا ص ۴۴۱

نقل کیا۔[1] البتہ یہ سب نے لکھا ہے کہ وہ امان نامہ شمر لے کر گیا۔ محققین کے نزدیک اُس امان نامے کے حصول کی وجوہات ذاتی نہیں بلکہ سیاسی تھیں۔ شمر، بہت مکار، انتہائی کینہ پرور اور آلِ علی (علیہ السلام) کا سخت دشمن تھا اور چاہتا تھا کہ اس طرح اولادِ علی (علیہم السلام) کو تقسیم کر کے حسین (علیہ السلام) کو تنہا کر دے لیکن وہ اپنی اس سازش میں کامیاب نہ ہو سکا۔

۹ محرم الحرام، بروز جمعرات، دو پہر سے پہلے، شمر کربلا پہنچا۔ روایت ہے کہ کربلا کی طرف کوچ کرنے والے شامی دستوں میں پہلا دستہ عمر ابنِ سعد کا تھا اور دوسرا شمر کا جو چار ہزار (۴۰۰۰) سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ کربلا پہنچنے کے بعد شمر واپس ابنِ زیاد کے پاس چلا گیا تھا اور دوبارہ نویں محرّم کو واپس آیا۔[2] اور جب شامی افواج حملے کے لیے تیار ہو گئیں تو اُس نے خیامِ حسینی کے پاس جا کر پکارا، ''ہماری بہن کے بیٹے کہاں ہیں؟'' فرزندانِ علی (علیہم السلام) میں سے حضرت عباس، حضرت عبداللہ، حضرت جعفر اور حضرت عثمان (علیہم السلام) آگے بڑھے۔ شمر بولا ''تمھارے لیے امان ہے۔'' اُنھوں نے کہا، ''اگر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فرزند (امام حسین علیہ السلام) کو بھی امان دی گئی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہمیں تیری امان کی کوئی ضرورت نہیں۔''[3] علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ اُنھوں نے فرمایا، ''خدا کی لعنت ہو تم پر اور تمہاری امان پر۔ تُو ہمیں تو امان دیتا ہے لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بیٹے کو نہیں۔''[4] ابنِ طاوس (رحمۃ اللہ علیہ) نے لہوف میں لکھا ہے کہ ان سب بھائیوں نے شمر سے کہا، ''تجھے ہم سے کیا کام ہے؟'' اُس نے کہا، ''بھانجو! تم کو امان ہے، تم اپنے نفوس کو اپنے بھائی حسین (علیہ السلام) کے ساتھ (معاذ اللہ) ہلاکت میں نہ ڈالو اور اطاعتِ یزید اختیار کر لو۔'' حضرت عباس (علیہ السلام) نے باآواز بلند کہا، ''اے دشمنِ خدا! تیرے ہاتھ ٹوٹیں اور لعنت ہو تیری امان پر جو تُو ہمارے لیے لایا ہے۔ تُو ہمیں مشورہ دیتا ہے کہ ہم اپنے بھائی حسین (علیہ السلام) فرزندِ فاطمہ (علیہا السلام) کو چھوڑ دیں اور ملاعین اور اولادِ ملاعین کی اطاعت کریں؟'' حضرت ابوالفضل (علیہ السلام) کا سخت جواب سُن کر شمر غم و غصے سے پیچ و تاب کھاتا ہُوا اپنے لشکر کی طرف چلا گیا۔[5] بروایتے، حضرت عباس (علیہ السلام) نے فرمایا، ''تمھارے امان نامے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ کی امان، سمیہ کے بیٹے (ابنِ زیاد) کی امان سے بہتر ہے۔'' اور بقولے، اُس کو جواب دیا، ''اللہ کی لعنت ہو تم پر اور

---

[1] علامہ طالب جوہری، حدیث کربلا، ص ۲۱۶ بحوالہ: عماد الدین ابوالفدا اسماعیل بن عمر ابنِ کثیر، البدایہ والنہایہ
ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ ھ، موصل، عراق)، تاریخ کامل، ج ۴ ص ۲۳

[2] طالب جوہری، حدیث کربلا، ص ۲۱۴ بحوالہ فضل قزوینی، الامام الحسین واصحابہ، ص ۲۴۹؛ سیّد ابنِ طاوؤس، مقتل لہوف مترجم، ص ۵۲۱

[3] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱

[4] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۱۳

[5] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا ص ۲۱۶ بحوالہ: دمع ذروف ص ۳۴
سیّد ابنِ طاوؤس، (متوفی: ۶۶۴ ھ، حلہ، عراق)، مقتل لہوف مترجم، ص ۵۴ تا ۵۵

تمھارے امان نامے پر، اگرچہ تم ہمارے (رشتے کے) ماموں ہی کیوں نہ ہو، تم ہمیں تو امان دیتے ہو لیکن رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کے بیٹے کو نہیں۔'' ان روایات کا جائزہ لیتے ہُوئے علامہ طالب جوہری صاحب لکھتے ہیں کہ ان بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دو مختلف امان نامے ہیں۔ ان کے لانے والے بھی دو ہیں اور اولادِ حضرت اُمّ البنین (علیہا السّلام) کے جوابات بھی دو طرح کے ہیں۔ غور کرنے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ عبداللہ کا قاصد پہلے امان نامہ لایا ہے اور شمر بعد میں۔[1] بروایتے، اُمویوں نے حضرت علی اکبر (علیہ السّلام) کے لیے بھی ایک امان نامہ پیش کیا تھا جسے اُنھوں نے ٹھکرا دیا تھا۔[2]

یومِ تاسوعا افواجِ یزید کی پیش قدمی

حضرت امام جعفر صادق (علیہ السّلام) نے فرمایا، ''تاسوعا (۹ محرم) وہ دن ہے جب شامی فوجوں نے حسین (علیہ السّلام) اور اُن کے اصحاب کا محاصرہ کر کے اپنے اُونٹ وہاں بٹھا دیے۔ ابنِ مرجانہ (عبیداللہ ابنِ زیاد) اور عمر سعد اپنی فوجی کثرت پر بہت خوش اور نازاں تھے۔ اُنھوں نے حسین (علیہ السّلام) اور اُن کے اصحاب کو کمزور پایا اور اُنھیں یقین ہوگیا کہ اب حسین (علیہ السّلام) کی نصرت کے لیے کوئی نہیں آئے گا اور اہلِ عراق بھی اُن کی مدد نہیں کریں گے۔ میرے والد اُس غریب الوطن پر قربان ہو جائیں جو بے حامی اور بے یار و مددگار تھا۔''[3]

منقول ہے کہ نمازِ عصر کے بعد ابنِ سعد نے اپنی افواج کو پیش قدمی کا حکم دیا تو اُس وقت امام حسین (علیہ السّلام) اپنی تلوار لیے سر جھکائے ہُوئے بیٹھے تھے اور ہلکی سی نیند میں تھے۔ فوجوں کا غل غپاڑہ سُن کر جناب زینب (علیہا السّلام) گھبرائی ہوئی امام (علیہ السّلام) کے پاس پہنچیں اور کہا کہ بھیا! کیا آپ یہ شور و غل نہیں سُن رہے ہیں جو قریب آتا جا رہا ہے؟ امام (علیہ السّلام) نے سر اُٹھا کر حسرت بھری آنکھوں سے اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ میں نے ابھی ابھی رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ فرما رہے تھے کہ تم میرے پاس آ رہے ہو۔ سیّدۂ زینب (علیہا السّلام) یہ سُن کر سخت بے قرار ہوئیں اور گریہ کرنے لگیں۔ امام (علیہ السّلام) نے فرمایا کہ بہن! صبر کرو اور چُپ ہو جاؤ، اللہ تمھیں اپنے سایۂ رحمت میں رکھے۔[4] حضرت عباس علمدار (علیہ السّلام) بھی افواجِ یزید کا شور و غوغا سُن کر امام (علیہ السّلام) کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور عرض کی کہ لشکر والے خیمہ گاہ تک پہنچ

---

[1] ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، تاریخ کامل، ج ۴ ص ۲۳؛ علامہ طالب جوہری، حدیث کربلا ص ۲۱۶

[2] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلوپیڈیا امام حسین (علیہ السّلام)، ج ۱ ص ۷۲۳؛ کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۴۴۶ شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۱۳۷؛ ابوالحسن مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، اثبات الوصیۃ ص ۱۸۱ جاراللہ محمود بن عمر زمخشری، (متوفی: ۴۶۷ھ)، ربیع الابرار، ج ۱ ص ۴۰۲؛ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج ۴ ص ۳۸۶

[3] شیخ عباس قمی، (متوفی: ۱۳۵۹ھ)، سفینۃ البحار، ج ۲ ص ۱۲۳؛ ترجمہ نفس المہموم (مترجم: صفدر حسین نجفی) ص ۳۲۰

[4] علامہ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج ۱۰ حصّہ اوّل ص ۲۱۴؛ کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱

چکے ہیں۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ جا کر اُن کا مقصد دریافت کرو۔ حضرت عباس (علیہ السلام) اُسی وقت زُہیر بن قین اور حبیب بن مظاہر کے علاوہ بیس سواروں کا دستہ لیے ہُوئے سپاہِ ابنِ سعد کے سامنے پہنچے اور فرمایا، ''کیا چاہتے ہو؟'' صدرالدین واعظ قزوینی لکھتے ہیں، ''عباس نامدار اپنے اشجع الناس بیس سوار لے کر جن میں جناب زہیر بن قین (رضی اللہ عنہ) اور حبیب بن مظاہر (رضی اللہ عنہ) بھی تھے کوفیوں کی طرف روانہ ہُوئے اور مثلِ شیرِ نر اُن پر حملہ کیا اور فرمایا اے قوم جفا کار! تم کیا چاہتے ہو؟'' اُنھوں نے کہا کہ ہمارے امیر کا حکم ہے کہ ہماری بات مان لو ورنہ ہم تم سے جنگ کریں گے۔ حضرت عباس (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں تمھاری بات امام (علیہ السلام) تک پہنچاتا ہوں تب تک انتظار کرو۔ اس دوران حبیب ابنِ مظاہر (رضی اللہ عنہ)، شامی سپاہیوں کو اہلِ بیتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حُرمت کا احساس دلاتے ہُوئے اُنھیں اُن کے ناپاک عزائم سے باز رکھنے کی کوشش کرتے رہے لیکن اُن پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ حضرت ابوالفضل (علیہ السلام) نے امام (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہو کر اُنھیں شامیوں کے ارادے سے آگاہ کیا تو عالی جناب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اُن سے ایک رات کا وقت لوتا کہ ہم شب بھر عبادتِ الٰہی اور دُعا و استغفار کر سکیں۔ میں نماز، کتابِ الٰہی اور دُعا و استغفار کو بہت محبوب رکھتا ہوں۔ حضرت عباس (علیہ السلام) نے جب شامیوں سے مہلت طلب کی تو ابنِ سعد اور شمر نے صاف انکار کر دیا لیکن اس انکار پر اُن کے اپنے ہی ساتھیوں میں سے کچھ لوگ اُنھیں لعن طعن کرنے لگے جس کی وجہ سے بالآخر اُنھیں بات ماننا پڑی۔ [۱]

بروایتے، جب حضرت عباس (علیہ السلام) نے ابنِ سعد سے مہلت کی بات کی تو اُس نے شمر سے مشورہ مانگا۔ شمر نے کہا، ''تُو مستقل مزاج کیوں نہیں؟ اگر میں سردار ہوتا تو حسین (علیہ السلام) کو کبھی ڈھیل نہ دیتا اور اُن کا کام تمام کر دیتا۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ عمر سعد نے اپنے دوسرے سالاروں سے مشورہ کیا تو اُنھوں نے کہا کہ ہم ابنِ زیاد کے ظلم وستم سے خائف ہیں۔ اُس وقت شمر نے بلند آواز میں حضرت عباس (علیہ السلام) سے کہا، ''کوئی مہلت نہیں اور تمھارے کام میں تاخیر مناسب نہیں۔'' وہاں موجود عمرو بن حجاج شمر کی بات سُن کر عمر بن سعد کے قریب آیا اور کہا کہ تُو شمر بدبخت کے کہنے کو مانتا ہے مگر پیغمبرِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رُوح سے حیا نہیں کرتا؟ اے پسرِ سعد! خدا کی قسم اگر وہ ترک و دیلم (کربلا سے پہلے عمر بن سعد کو جن کی سرکوبی کے لیے بھیجا جا رہا تھا) ایک رات کی مہلت مانگتے تو ہم ضرور دے دیتے، لیکن فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تُو انکار کرتا ہے؟ عمرو بن حجاج کی اس گفتگو کو سُن کر لشکر منتشر ہو گیا اور عمر بن سعد نے حضرت عباس (علیہ السلام) سے کہا کہ ہم نے ایک شب کی مہلت دی۔ [۲]

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج ۱۰ حصّہ اوّل، ص ۲۱۴؛ ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱

[۲] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۴۷۷

شبِ عاشورہ

عصر کے وقت آنے والی شامی فوج دھونس جمانے کے بعد شام کے بعد واپس چلی گئی تھی اور خیامِ حسینی پر رنج و غم میں ڈوبی ہوئی سیاہ رات کے بھیانک سائے منڈلا رہے تھے۔ بیٹے مشکل میں ہوں تو ماؤں کو اور بھائیوں پر مصیبت آ پڑے تو بہنوں کو قرار نہیں آتا۔ حضرت زینب (علیہا السلام) کو تو بچپن سے بھائی پر وارد ہونے والی اس مصیبت کا علم تھا اور آج جب وہ وقت آن پڑا تو اُن کی بیقراری اور پریشانی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ چار دیواری کے اندر رہنی والی زینب (علیہا السلام) کو بھائی کی غربت اپنے اوطاق سے باہر کھینچ لائی۔ فرماتی ہیں، ''شبِ عاشورہ اپنے بھائی اور اُن کے ساتھیوں کا حال معلوم کرنے لیے میں خیمے سے باہر آئی تو دیکھا کہ حسین (علیہ السلام) اپنے خیمے میں تنہا بیٹھے ذکرِ الٰہی میں مصروف ہیں۔ میں نے سوچا کہ کیا ایسی (بھیانک) رات میں میرے بھائی کو (دشمنوں کے نرغے میں) یوں تنہا چھوڑنا مناسب ہے؟ میں ابھی اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کے پاس جا کر اُنھیں سرزنش کرتی ہوں کہ اُنھوں نے ایسا کیوں ہونے دیا؟ چنانچہ میں عباس (علیہ السلام) کے خیمے کے قریب پہنچی تو خیمے سے آنے والی جوشیلی آوازیں میری سماعت سے ٹکرائیں۔ میں نے خیمے کے عقب سے اندر جھانکا تو اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کو عباس (علیہ السلام) کے گرد حلقہ بنائے ہُوئے دیکھا۔ عباس (علیہ السلام) یوں بیٹھے تھے جیسے شیر شکار پر جھپٹنے کو تیار ہو۔ پھر عباس (علیہ السلام) نے اُن سے خطاب کیا۔ ایسا خطبہ میں نے حسین (علیہ السلام) کے علاوہ کبھی کسی سے نہیں سنا تھا۔ حمد و ثنائے ربِ جلیل اور رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر دُرود و سلام کے بعد اُنھوں نے کہا کہ اے میرے بھائیو! بھتیجو! اور میرے عم زادو! طلوعِ سحر کے بعد تمھارے کیا ارادے ہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کے حکم پر عمل کریں گے اور نافرمانی ہرگز نہیں کریں گے۔ اس پر عباس (علیہ السلام) نے کہا کہ اصحابِ حسین غریب الوطن لوگ ہیں، اور بھاری بوجھ تو مالک ہی اُٹھایا کرتا ہے لہٰذا جب صبح ہوگی تو سب سے پہلے تم لوگ لڑنے جاؤ گے۔ ہمیں اپنے اصحاب سے پہلے موت کی جانب بڑھنا ہوگا تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ہم اُنھیں آگے دھکیل کر اپنی اموات کو ٹالتے رہے۔ یہ سُن کر بنو ہاشم کا جوش و خروش اُمنڈ آیا۔ وہ ایک ولولے کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہُوئے اور حضرت عباس (علیہ السلام) کے سامنے اپنی تلواریں بے نیام کر کے بولے کہ جو آپ کا ارادہ ہے وہی ہمارا بھی ہے۔ جناب زینب (علیہا السلام) فرماتی ہیں کہ یہ جوش و جذبہ اور عزم و ولولہ دیکھ کر مجھے اطمینان و سکون حاصل ہُوا لیکن گریہ گلوگیر ہوگیا۔ بھائی حسین (علیہ السلام) کو بتانے کے لیے میں پلٹی لیکن حبیب ابنِ مظاہر کے خیمے سے بُلند ہونے والی پُرجوش آوازوں نے میرے قدم روک لیے۔ میں، حبیب کے خیمے کی پشت پر گئی تو دیکھا کہ اصحابِ حسین اُن کے گرد حلقہ بنائے ہُوئے بیٹھے ہیں۔ حبیب کہہ رہے تھے کہ اے دوستو! اللہ تم پر اپنی رحمت نازل کرے، مجھے بتاؤ کہ تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم فاطمہ (علیہا السلام) کے غریب الوطن بیٹے کی نصرت کے لیے آئے ہیں۔ حبیب نے سوال کیا کہ تم نے

اپنی ازواج کو کیوں چھوڑ دیا ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ اسی وجہ سے۔ حبیب نے پوچھا کہ کل تمھارے کیا ارادے ہیں؟ کہنے لگے کہ جو آپ کہیں گے ہم اُس کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ حبیب نے کہا کہ جب صبح ہوگی تو سب سے پہلے تم جنگ کے لیے جاؤ گے۔ ہم بنو ہاشم سے پہلے میدان میں اُتریں گے اور جب تک غیرت وہمت باقی ہے کسی ہاشمی کو خون میں غلطاں نہیں ہونے دیں گے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ہم نے اپنی جانیں بچانے کے لیے اپنے آقاؤں کو آگے کر دیا۔ یہ سننا تھا کہ اُن سب نے اپنی تلواریں لہرائیں اور پُر جوش لہجے میں کہا کہ وہی ہوگا جو آپ کہیں گے۔ حضرت زینب (علیہا السلام) فرماتی ہیں کہ اُن کا جوش وخروش دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی لیکن میرا دِل بھر آیا۔ میں روتی ہوئی پلٹی تو اپنے بھائی حسین (علیہ السلام) سے سامنا ہوگیا۔ میں نے خود کو سنبھالا اور مسکرانے لگی۔ اُنھوں نے کہا کہ پیاری بہن! جب سے ہم مدینے سے چلے ہیں میں نے تمھارے رُخِ انور پر تبسم نہیں دیکھا، آج ایسی کیا بات ہوگئی ہے جو تم مسکرا رہی ہو؟ میں نے اُنھیں بنی ہاشم اور انصار کی رُوداد سنائی تو اُنھوں نے کہا کہ بہن! جان لو کہ یہ لوگ ازل سے میرے اصحاب ہیں اور میرے جد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھ سے انھیں کا وعدہ کیا تھا۔ اگر تم ان کی ثابت قدمی دیکھنا چاہتی ہو تو خیمے کے پیچھے چلی جاؤ۔ میں خیمے کے پیچھے گئی تو حسین (علیہ السلام) نے پکارا کہ میرے بھائی اور بھتیجے کہاں ہیں؟ پس! بنو ہاشم اُٹھ کھڑے ہُوئے اور سب سے پہلے عباس ''لبیک یا اباعبداللہ'' کہتے ہُوئے آئے اور عرض کی کہ کیا حکم ہے مولا؟ حسین (علیہ السلام) نے کہا کہ میں تم لوگوں سے تجدیدِ عہد چاہتا ہوں۔ اولادِ حسین (علیہ السلام)، اولادِ حسن (علیہ السلام)، اولادِ علی (علیہ السلام)، اولادِ جعفر (علیہ السلام) اور اولادِ عقیل (علیہ السلام) سب جمع ہوگئے تو بھائی نے اُنھیں بیٹھنے کا حکم دیا اور جب وہ سب بیٹھ گئے تو پوچھا کہ حبیب ابنِ مظاہر کہاں ہیں؟ زُہیر کہاں ہیں؟ ہلال کہاں ہیں؟ اور میرے باقی سب ساتھی کہاں ہیں؟ چنانچہ سب آگے بڑھے۔ حبیب ابنِ مظاہر ''لبیک یا اباعبداللہ'' کہتے ہُوئے اُن کی قیادت کر رہے تھے۔ آپ نے اُنھیں بیٹھنے کا حکم دیا اور جب سب بیٹھ گئے تو فرمایا کہ میرے ساتھیو! جان لو کہ لشکر والے صرف مجھے اور میرے ساتھیوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں اس لیے میں تم پر سے اپنی بیعت اُٹھاتا ہوں اور تم میں سے جو واپس جانا چاہتا ہے وہ اس اندھیرے میں واپس جاسکتا ہے۔ جواب میں پہلے بنو ہاشم نے اعلانِ وفا کرتے ہُوئے اپنے جذبات کا اظہار کیا پھر اصحاب نے اُن کی پیروی کی۔ امام حسین (علیہ السلام) نے اُن کے عزم وہمت اور ثباتِ قدم کو دیکھا تو فرمایا کہ اپنے سروں کو بلند کرو اور جنت میں اپنے اپنے مقامات ملاحظہ کرو۔ پس! اُن کی آنکھوں سے پردے ہٹ گئے اور اُنھوں نے اپنے اپنے مقاماتِ بہشت اور حور وقصور کو دیکھا تو اُٹھ کھڑے ہُوئے اور کہا کہ یابنَ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم اس لشکر پر ٹوٹ پڑیں یہاں تک کہ اللہ کی مشیّت نافذ ہو۔ امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت ہو تم پر اور وہ تمھیں جزائے خیر دے، بیٹھ جاؤ...الخ۔ [1]

---

[1] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا ص ۲۳۲ تا ۲۳۴
ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ا ص ۲۹۱

قزوینی لکھتے ہیں کہ جب روزِ نہم محرم تمام ہوگیا، شبِ عاشور نمودار ہُوئی اور تمام عالم پر سیاہی چھاگئی تو امام حسین (علیہ السلام) کے سب اصحاب وقرابتدار آپ (علیہ السلام) کے گرد جمع ہو گئے۔ اُس وقت آپ (علیہ السلام) کے لشکر میں کل گیارہ سو (۱۱۰۰) نفر تھے۔ علما و مُحدِّثین نے اس تعداد کی تصریح فرمائی ہے۔ علامہ مجلسیؒ، بحارالانوار میں، اور مسعودی، کتاب مروج الذہب میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) جب کربلا میں پہنچے تو آپ کے ساتھ گیارہ سو (۱۱۰۰) پیادے اور سوار تھے، اور اُن سب کو آپ نے جمع کیا تاکہ آپ (علیہ السلام) کا خطبہ سُن سکیں۔ شیخ مفیدؒ بیان فرماتے ہیں کہ غروبِ آفتاب کے بعد سب جمع ہُوئے اور امام (علیہ السلام) نے خطبے کا آغاز فرمایا۔[۱]

امام زین العابدین (علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ اُس وقت میں بیمار تھا لیکن بابا کا کلام سننے کے لیے آپ (علیہ السلام) کے قریب ہو گیا۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا، ''میرے اللہ! بہترین حمد وثنا تیرے ہی لیے ہے اور تنگی و آسانی میں تیرا ہی شُکر ہے۔ الٰہی! میں تیرا سپاس گزار ہوں کہ تُو نے ہمارے خاندان کو نبوّت سے سرفراز کیا اور ہمیں قرآن کا علم عطا کیا اور دِین کی فہم وفراست سے مالا مال کیا اور ہمیں (بہترین) سماعتوں، (بہترین) بصارتوں اور (بہترین) دِلوں کا حامل قرار دیا، پس تُو ہمیں اپنے شُکر گزار بندوں میں قرار دے۔ امابعد! (اے میرے ساتھیو!) مجھے اپنے اصحاب سے زیادہ باوفا اصحاب نہیں معلوم اور نہ مجھے اپنے خاندان سے زیادہ نیک اور صلۂ رحمی کرنے والا خاندان معلوم ہے۔ اللہ تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ میں جانتا ہوں کہ کل ان دشمنوں سے میری جنگ ہوگی اس لیے میں تمھیں اجازت دیتا ہوں کہ تم سب چلے جاؤ۔ میں نے تمھیں آزاد کیا اور اب تم پر میری کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ رات تمھارا پردہ ہے، پس اسی کو سواری بنالو اور نکل جاؤ۔ تم میں سے ہر کوئی میرے خاندان میں سے ایک شخص کا ہاتھ تھام کر اپنے علاقوں میں چلا جائے یہاں تک کہ اللہ تمھارے لیے آسانیاں پیدا فرمائے۔ یہ دشمن تو میری جان کے دشمن ہیں اس لیے مجھے حاصل کر لینے کے بعد دوسروں کی فکر نہیں کریں گے۔''

امام حسین (علیہ السلام) کے خطاب کے بعد سب سے پہلے حضرت ابوالفضل العباس (علیہ السلام) نے کہا، ''ہم ایسا کیوں کریں؟ کیا اس لیے کہ آپ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے کہ ہم آپ کے بعد بھی جیتے رہیں۔'' حضرت عباس (علیہ السلام) کے بعد دیگر بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور حضرت عبداللہ بن جعفر طیار (علیہ السلام) کے صاحبزادوں نے بھی ایسا ہی کہا۔ امام حسین (علیہ السلام) نے اولادِ عقیل (علیہم السلام) کو مخاطب کر کے فرمایا، ''تمھارے لیے مسلم (علیہ السلام) کا قتل ہی کافی ہے، اس لیے میں تمھیں جانے کی اجازت دیتا ہوں۔'' اُنھوں نے عرض کی، ''سبحان اللہ! اگر ہم ایسا کریں گے تو لوگ ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے؟ وہ تو کہیں گے کہ ہم نے اپنے سردار اور بزرگ اور عم زاد کو مصیبت میں تنہا چھوڑ دیا۔ اُن کے ساتھ مل کر کوئی تیر پھینکا نہ تلوار چلائی۔ بخدا ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ آپ کے ساتھ رہیں گے، آپ کے ساتھ مل کر لڑیں گے، اور اپنی

---

[۱] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۴۸۲

جانیں اور مال آپ پر قربان کریں گے۔ آپ کے بعد زندہ رہنا ہمارے لیے بدترین ہے۔" [۱]

اُن کے بعد مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) کھڑے ہُوئے اور عرض کی، "آپ کو چھوڑ کر چلے جانا کا کیا عذر ہم اللہ کی بارگاہ میں پیش کریں گے؟ خدا کی قسم! میں اپنا نیزہ دشمنوں کے سینوں میں اُتاروں گا اور جب تک تلوار کا دستہ میرے ہاتھ میں رہے گا اُن سے جنگ کرتا رہوں گا اور اگر میرے پاس اسلحہ نہ رہا تو اُن پر پتھر برساؤں گا۔ [۲] مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) کے بعد مودّت و عقیدت سے لبریز الفاظ میں سعید بن عبداللہ حنفی (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی، "خدا کی قسم! ہم آپ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ اللہ جان نہ لے کہ ہم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عدم موجودگی میں حُرمتِ رسول کی حفاظت کی ہے۔ خدا گواہ ہے کہ اگر مجھے معلوم ہو کہ آپ کی خاطر قتل کر دیا جاؤں گا پھر جلا دیا جاؤں گا، پھر زندہ کیا جاؤں گا اور قتل ہو کر جلا دیا جاؤں گا اور میری راکھ کو ہواؤں میں اُڑا دیا جائے گا، اور ایسا ستر مرتبہ کیا جائے گا تو پھر بھی میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔" سعید بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کے بعد زُہیر بن قین (رضی اللہ عنہ) کھڑے ہُوئے اور جذبۂ ایمانی سے بھرپُور لہجے میں امام (علیہ السّلام) سے مخاطب ہُوئے، "واللہ! میں چاہتا ہوں کہ (آپ کی خاطر) قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں اور ایسا ہزار بار ہوتا کہ میرا اللہ میرے ذریعے آپ کو اور آپ کے اہلِ بیت (علیہم السّلام) کو قتل ہونے سے بچالے۔" زُہیر بن قین (رضی اللہ عنہ) کے بعد دیگر اصحاب (رضی اللہ عنہم) نے بھی ایسا ہی اظہارِ جانثاری کیا تو امام عالی مقام (علیہ السّلام) نے اُن سب کے لیے جزائے خیر کی دُعا کی اور فرمایا، "تم میں سے ہر کوئی خواہ وہ جوان ہو یا بوڑھا، نوجوان ہو یا بچہ، یا ور و انصار ہو یا اہلِ بیت میں سے کوئی مرد ہو، سبھی اس صحرائے کربلا میں قتل کیے جائیں گے۔" یہ سُن کر سب نے کہا، "الحمدللہ! خدا تعالیٰ کا شُکر ہے کہ ہمیں آپ کے ساتھ شرفِ شہادت نصیب ہوگا۔" [۳]

قطب الدین راوندی نے امام سجاد (علیہ السّلام) سے یوں روایت کی ہے کہ شبِ عاشورہ میرے بابا نے اپنے اصحاب سے

---

[۱] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا ص ۲۲۴
سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، مقتل لہوف مترجم، ص ۵۶ تا ۵۸
ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، تاریخ کامل، ج ۴ ص ۲۴
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۳۱۸
موفق بن احمد خوارزمی، (متوفی: ۵۶۸ھ)، مقتل الحسین (علیہ السّلام) خوارزمی، ج ۱ ص ۳۵۰
آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۴۸۵
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السّلام) حصّہ اوّل، ص ۱۲۹؛ ۲۱۵
[۲] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا ص ۲۲۵
[۳] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السّلام) حصّہ اوّل، ص ۲۱۶

کہا کہ اس وقت رات کا سماں ہے تم لوگ نکل جاؤ۔ دشمن تو میرے خون کے پیاسے ہیں تمھاری طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ میری جانب سے تم پر کوئی پابندی نہیں۔ لیکن اصحابِ باوفا نے جانے سے انکار کیا تو آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کل تم سب قتل کر دیے جاؤ گے اور تم میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔ اُنھوں نے کہا کہ شُکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں آپ کی سربراہی میں شہادت کا شرف بخشا۔ امام (علیہ السلام) نے اُن سے فرمایا کہ اپنے سر اُٹھاؤ اور اُوپر دیکھو۔ اُنھوں نے سر اُٹھا کر اُوپر دیکھا تو اُنھیں جنت دکھائی دی۔ امام (علیہ السلام) نے ایک ایک سے فرمایا کہ اے فُلاں! یہ تمھاری جگہ ہے، اور اے فُلاں! وہ تمھاری جگہ ہے۔ پس ہر ایک نے جنت میں اپنی منزل اور مقام کو ملاحظہ کیا۔ [۱] قزوینی لکھتے ہیں کہ امام (علیہ السلام) نے فرمایا، ''اپنا مُنھ بطرف آسمان بلند کرو اور اپنے مقاماتِ ارفع و اعلیٰ دیکھو۔'' سب نے جانبِ آسمان نگاہ کی تو اپنے اپنے مقام بہشت بریں میں مشاہدہ کیے۔ سب ہی نے جنت میں حور وغلمان، قصر ومنازل، تخت اور تسنیم وکوثر اور بہشتی ثمر ملاحظہ کیے۔ چنانچہ جب حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے اُنھیں اُن کے مقاماتِ جنت دکھائے تو سب صبح ہونے کا انتظار بصد شوق کرنے لگے۔ رات بھر عبادت اور اسلحہ کی آراستگی سے کام رہا اور صبح ہونے پر دوگانہ ادا کیا گیا۔ [۲]

امام سجاد (علیہ السلام) ہی سے روایت ہے کہ شبِ عاشورہ جب میرے والد گرامی نے سب کو شہادت کی خبر دی تو قاسم بن حسن (علیہ السلام) نے سوال کیا کہ کیا میں بھی قتل ہونے والوں میں شامل ہوں؟ امام حسین (علیہ السلام) نے دل سوز لہجے میں پوچھا کہ بیٹا! تم موت کو کیا سمجھتے ہو؟ قاسم (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ وہ شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔ امام (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ہاں! تمھارا چچا تم پر قربان، جو لوگ میرے ساتھ شہید ہوں گے اُن میں تم بھی بہت ابتلا کے بعد شہید کیے جاؤ گے اور میرا بیٹا عبداللہ (علی اصغر) بھی۔ قاسم (علیہ السلام) نے معصومیت سے پوچھا کہ عبداللہ تو ابھی شیر خوار ہے، تو کیا یزیدی سپاہی خواتین تک پہنچ جائیں گے؟ جواب میں امام (علیہ السلام) نے جنابِ علی اصغر (علیہ السلام) کی شہادت کا واقعہ بیان کیا جسے سُن کر قاسم (علیہ السلام) گریہ کرنے لگے اور اُن کے ساتھ سبھی رونے لگے حتیٰ کہ اہلِ حرم میں بھی گریہ وزاری کی صدائیں بلند ہوگئیں۔ [۳]

بروایتے امام حسین (علیہ السلام) نے حضرت علی اصغر (علیہ السلام) کی شہادت کا واقعہ بیان کیا تو زُہیر بن قین (رضی اللہ عنہ) اور حبیب ابنِ مظاہر (رضی اللہ عنہ) نے سوال کیا کہ ہمارے آقا علی زین العابدین (علیہ السلام) کس حال میں ہوں گے؟ امام (علیہ السلام) آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا کہ اللہ میری نسل کو دُنیا سے ختم نہیں ہونے دے گا اس لیے اُس تک اُن کی رسائی نہیں ہوگی، وہ آٹھ

---

[۱] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا، ص ۲۲۶ بحوالہ: بحارالانوار
شیخ عباس قمی، (متوفی: ۱۳۵۹ھ)، ترجمہ نفس المھموم (مترجم: صفدر حسین نجفی)، ص ۱۲۳

[۲] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۴۹۵

[۳] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا، ص ۲۲۷

اماموں کا باپ ہے۔ [1]

آقائی صدرالدین قزوینی، شبِ عاشورہ کے ذیل میں بحوالہ کتاب نورالعیون لکھتے ہیں کہ جناب سکینہ (علیہا السلام) نے فرمایا، ''خدا پاک کی قسم! ابھی میرے بابا جان کا کلام ختم نہ ہُوا تھا کہ دس دس، بیس بیس آدمی اُٹھ کر جانا شروع ہو گئے حتیٰ کہ صرف ستر (۷۰) آدمی باقی رہ گئے۔ اُس وقت میں نے بابا جان کو دیکھا جو سر جھکائے ہُوئے بیٹھے تھے تاکہ لوگوں کو اُٹھ کر جانے میں خجالت محسوس نہ ہو۔ پس میں جانے والوں کی بے وفائی اور اپنے بابا کی غربت و بے کسی پر رونے لگی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ خدایا! ان جانے والوں کو ہمارے نانا رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت نصیب نہ ہو۔ [2]

جناب سکینہ (علیہا السلام) فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں اپنے خیمے میں آ گئی لیکن مجھے کسی طور چین نہیں آ رہا تھا اور میں رو رہی تھی کہ میری پھوپھی جناب اُمّ کلثوم نے مجھے روتے دیکھا تو میرے قریب آئیں اور رونے کا سبب پوچھا۔ پھوپھی کے پوچھنے پر میں بلک بلک کر رو دی اور اُنھیں پوری رُوداد سنا دی۔ میری بات سُن کر اُن کی حالت غیر ہو گئی اور وہ بھی گریہ کرنے لگیں۔ ہماری آہ و بکا سُن کر میرے بابا وہاں تشریف لائے اور گریہ وزاری کا سبب دریافت فرمایا، حالانکہ وہ خود بھی رو رہے تھے۔ میری پھوپھی روتے ہُوئے آگے بڑھیں اور بابا کا دامن تھام کر کہا کہ بھیا! آپ ہمیں نانا کے پاس واپس پہنچا دیں اور اس غم و اندوہ سے نجات دلا دیں۔ بابا نے کہا کہ بہن! یہ ممکن نہیں۔ پھوپھی کہنے لگیں کہ شاید ان لوگوں کا یہ ظلم وستم اس لیے ہو کہ انھوں نے آپ کو پہچانا نہ ہو اس لیے آپ انھیں اپنا تعارف کرائیں اور ان کے سامنے اپنے نانا، بابا اور بھائی حسن (علیہ السلام) کا ذکر کریں۔ میرے بابا نے کہا کہ میں نے انھیں یہ سب بتایا ہے لیکن وہ سننے کو تیار ہی نہیں اور میرے قتل پر آمادہ ہیں۔ بہن! تم یقیناً مجھے خاک وخون میں غلطاں دیکھو گی کیونکہ یہ بات مجھے نانا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور بابا علی مرتضیٰ (علیہ السلام) نے بتائی تھی اور یہ پوری ہو کر رہے گی۔ لٰہذا، میں تمھیں امتحان اور مصیبت کی اس گھڑی میں اللہ پر بھروسہ کرنے، ثابت قدم رہنے اور صبر وتحمل سے کام لینے کی وصیت کرتا ہوں۔ [3]

---

[1] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا ص ۲۲۸ بحوالہ: محمد تقی لسان الملک سپہر، ناسخ التواریخ (حسینی)، ج ۲ ص ۲۲۰

[2] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۴۹۲
ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱

[3] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱

حضرت سکینہ (علیہا السلام)

حضرت سکینہ (علیہا السلام) بنتِ حسین (علیہ السلام) کی والدہ محترمہ کا نام رباب (علیہا السلام) بنتِ امرؤ القیس تھا۔[1] آپ کے اسمائے گرامی میں آمنہ، امینہ اور امیمہ بھی مذکور ہیں۔ مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ آپ آرام وسکون اور وقار کی مالکہ تھیں اس لیے والدہ ماجدہ نے آپ کو سکینہ (علیہا السلام) کا نام دیا تھا۔[2] لغت میں ''سکینہ'' کے معانی ہیں: آرام، سکون، دِلی سکون، ہر وہ چیز جو قلب کو سکون بخشے، سکون بخش، وقار، تمکنت، فلسفے کی رُو سے رُوح القدس اور تصوف کے لحاظ سے نُور جو سالک کے دِل پر وارد ہو کر اُسے مطمئن کر دیتا ہے اور جس سے اُسے عین الیقین کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔[3]

امام حسین (علیہ السلام)، حضرت سکینہ (علیہا السلام) سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ بعض مآخذ میں اس محبت کی عکاسی کرتے ہُوئے امام حسین (علیہ السلام) کے چند اشعار بھی منقول ہیں جو آپ (علیہ السلام) نے جناب سکینہ (علیہا السلام) کے لیے کہے تھے، اُن کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

تمھاری جان کی قسم!
میں اُس گھر سے بہت محبت کرتا ہوں
جس میں سکینہ (علیہا السلام) اور رباب (علیہا السلام) ہوں
میں ان کو چاہتا ہوں
اور ان کا کفیل ہوں
اور کوئی مجھے روک نہیں سکتا ہے۔[4]

تاریخی کتب میں حضرت سکینہ (علیہا السلام) کی تاریخِ ولادت تو نہیں ملتی تاہم آپ (علیہا السلام) کو اپنی بہن فاطمہ (علیہا السلام) سے

---

[1] ابوالفرج اصفہانی، (متوفی: ۹۶۷ء، بغداد)، مقاتل الطالبیین، ۱۴۱۹ق، ج ۴ ص ۱۹۲
ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، الکامل فی التاریخ، ۱۹۶۵م، ج ۴ ص ۹۴
[2] ابنِ خلکان، (متوفی ۶۸۱ھ)، وفیات الاعیان (تاریخ ابنِ خلکان)، ج ۲ ص ۳۹۷
سبط ابنِ جوزی، المنتظم، ج ۷، ص ۱۷۵
ابوالفرج اصفہانی، (متوفی: ۹۶۷ء، بغداد)، الاغانی، ۱۴۱۵ق، ج ۱۶ ص ۳۶۰
[3] ریختہ ڈکشنری (www.rekhtadictionary.com/meaning-of-sakiina?lang=ur)
[4] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، عراق)، تاریخ الامم والملوک، ۱۹۶۷م، ج ۱۱ ص ۵۲۰
ابوالفرج اصفہانی، (متوفی: ۹۶۷ء، بغداد)، مقاتل الطالبیین، ۱۴۱۹ق، ص ۹۴

چھوٹی لکھا گیا ہے۔[1] بعض کتب کے مطابق امام حسین (علیہ السلام) کے قیامِ کربلا کے وقت آپ (علیہا السلام) بالغ اور شادی کی عمر میں تھیں کیونکہ اس سے پہلے حضرت حسن مثنیٰ (علیہ السلام) نے امام حسین (علیہ السلام) سے خواستگاری کی تو امام (علیہ السلام) نے اُنھیں اپنی دو بیٹیوں (حضرت سکینہ علیہا السلام اور حضرت فاطمہ علیہا السلام) میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا تھا۔[2] لیکن آپ (علیہا السلام) کی شادی کے بارے میں مؤرخین کے درمیان کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) نے آپ (علیہا السلام) کی شادی آپ (علیہا السلام) کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن حسن (علیہ السلام) سے کی تھی۔[3] لیکن شیخ مفیدؒ نے عبداللہ بن حسن (علیہ السلام) کو واقعہ کربلا میں ایک نابالغ اور شادی کی عمر تک نہ پہنچے ہُوئے بچے کے طور پر بیان کیا ہے۔[4] جبکہ بعض مآخذ حضرت سکینہ (علیہا السلام) کے شوہر کا نام ابوبکر بن حسن (علیہ السلام) بیان کرتے ہیں اور عبداللہ بن حسن (علیہ السلام) کی کُنّیت ابوبکر لکھتے ہیں۔[5] یعنی دونوں نام ایک ہی ہیں جو کہیں کُنّیت سے لکھے گئے ہیں اور کہیں بغیر کُنّیت کے۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ جناب سکینہ (علیہا السلام) کا نکاح تو اُنھیں سے ہُوا لیکن آپ کی باقاعدہ رخصتی سے پہلے ہی وہ کربلا میں شہید ہو گئے تھے۔[6] ریاحین الشریعہ میں آپ (علیہا السلام) کے شوہر کا نام عبداللہ بن مسلم بن عقیل (علیہ السلام) بیان کیا گیا ہے۔[7]

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، عراق)، تاریخ الامم والملوک، ۱۹۶۷م، ج ۵ ص ۴۶۴
ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، الکامل فی التاریخ، ۱۹۶۵م، ج ۴ ص ۸۶
[2] ابوالفرج اصفہانی، (متوفی: ۹۶۷ء، بغداد)، الاغانی، ۱۴۱۵ق، ج ۲۱ ص ۷۹
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ۱۳۸۰ش، ص ۳۶۶
احمد بن علی بن حسین حسینی ابنِ عنبہ، (متوفی: ۸۲۸ق)، عمدۃ الطالب، ۱۴۱۷ق، ص ۹۰
ابنِ صباغ مالکی، (متوفی: ۸۵۵، یروشلم)، الفصول المہمہ، ۱۴۲۲ق، ج ۲ ص ۷۵۱
[3] احمد بن یحییٰ البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ۱۴۱۷ق، ج ۲ ص ۱۹۵
ابوالفرج اصفہانی، (متوفی: ۹۶۷ء، بغداد)، الاغانی، ۱۴۱۵ق، ج ۱۶ ص ۳۶۶
[4] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ۱۳۸۰ش، ص ۴۶۵
[5] علی بن محمد ابن صوفی علوی، (متوفی: ۵ھ)، المجدی فی انساب الطالبیین، ۱۴۲۲ق، ص ۲۰۱
ابنِ حزم، (متوفی: ۴۵۶ھ)، جمہرۃ انساب العرب، ۱۹۸۳م، ص ۱۰۵
[6] قاضی نعمان مغربی، شرح الأخبار فی فضائل الأئمۃ الأطہار، ۱۴۱۴ق، ج ۳ ص ۱۸۰-۱۸۱
ابنِ عساکر دمشقی، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، تاریخ مدینہ دمشق، ۱۴۱۵ق، ج ۶۹ ص ۲۰۵
فضل بن حسن بن فضل طبرسی، (متوفی: ۵۴۸ھ، مشہد، ایران)، اعلام الوریٰ، ۱۳۹۰ق، ج ۱ ص ۴۱۸
[7] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، عراق)، تاریخ الامم والملوک، ۱۹۶۷م، ج ۵ ص ۴۶۴
ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، الکامل فی التاریخ، ۱۹۶۵م، ج ۴ ص ۸۶

کتبِ مقاتل کے مطابق جناب سکینہ (علیہا السلام) کربلا میں موجود تھیں اور روزِ عاشورہ خیمے کے ایک کونے میں گریہ کر رہی تھیں۔ امام حسین (علیہ السلام) میدانِ جنگ سے آخری ملاقات کے لیے آئے تو اُن کے پاس تشریف لے گئے اور اُنھیں گود میں لے کر پیار کیا، اُن کی آنکھوں سے آنسو پونچھے اور صبر کی تلقین کی۔ اُس موقع پر امام (علیہ السلام) نے چند اشعار کہے:

اے سکینہ (علیہا السلام)!

جان لو کہ میرے بعد تمھارا گریہ بہت طویل ہوگا

پس! جب تک تمھارے بابا کے جسم میں جان ہے

اپنی حسرت بھری آنکھوں سے بہتے ہُوئے ان آنسوؤں سے

بابا کا دِل نہ دُکھاؤ

اے خیر النساء!

میرے مرنے کے بعد رونا

کہ یہی تیرے شایاں ہے [۱]

عاشورہ کے بعد حضرت سکینہ (علیہا السلام) بھی آلِ محمد (علیہم السلام) کے دیگر قیدیوں کے ساتھ اسیر ہو کر کربلا سے کوفہ اور شام گئیں۔ آپ (علیہا السلام) کو اپنے زمانے کی سب سے نیک، عاقل، خوبصورت، متقی، خوش اخلاق اور بزرگ خاتون شمار کیا جاتا ہے۔ [۲] آپ (علیہا السلام) فضل و کمال میں اُس مقام پر فائز تھیں کہ امام حسین (علیہ السلام) نے آپ (علیہا السلام) کے بارے میں فرمایا کہ سکینہ (علیہا السلام) ذاتِ حق میں غرق رہتی ہے۔ [۳] کتبِ تاریخ میں آپ (علیہا السلام) کی سخاوت کے کئی قصّے منقول ہیں۔ بروایتے، اپنے بھائی علی ابن الحسین (علیہ السلام) کے حج کے پورے اخراجات آپ (علیہا السلام) نے ادا کیے۔ [۴]

احادیث اور رجال کی کتابوں میں آپ (علیہا السلام) کو مُوثّق (ثِقہ/معتبر) راوی کے طور پر جانا گیا ہے۔ کوفہ والے

---

[۱] سیّد بن طاووسؒ، لھوف، ۱۳۸۰ ش، ص ۱۳۴؛ شیخ عبداللہ بحرانی، (متوفی: ۱۱۳۰ء)، العوالم الامام الحسین، ۱۴۰۷ ق، ص ۳۰۳

[۲] خیرالدین زرکلی، (متوفی: ۱۹۷۶، قاہرہ، مصر)، الاعلام زرکلی، ۱۹۸۹م، ج ۳، ص ۱۰۶

ابنِ خلکان، (متوفی ۶۸۱ھ)، وفیات الاعیان (تاریخ ابنِ خلکان)، ۱۳۶۳ ش، ج ۲، ص ۳۹۴

صلاح الدین صفدی، (۶۹۶ - ۷۶۴ھ)، الوافی بالوفیات، ۲۰۰۰م، ص ۱۸۲

سیّد محسن امین عاملی (متوفی ۱۳۷۷ھ)، اعیان الشیعہ، ۱۴۲۰ق، ج ۱۱، ص ۲۵۷

[۳] عبدالرزاق موسوی مقرم، (۱۳۹۱ھ، نجف اشرف، عراق)، مقتل الحسین علیہ السلام، ۱۹۷۹م، ص ۳۴۹

[۴] صلاح الدین صفدی، (۶۹۶ - ۷۶۴ھ)، الوافی بالوفیات، ۲۰۰۰م، ج ۱۵، ص ۱۸۳

آپ (علیہا السلام) سے روایات نقل کرتے تھے۔ [۱] آپ (علیہا السلام) اور آپ کی بہن حضرت فاطمہ (علیہا السلام) دونوں اپنے والد گرامی امام حسین (علیہ السلام) سے روایات نقل کرنے والوں میں شمار ہوتی ہیں۔ [۲] چنانچہ مُتعَدِّد لوگوں نے ایسی روایات آپ (علیہا السلام) سے نقل کی ہیں۔ [۳]

منقول ہے کہ آپ (علیہا السلام) قیدیوں کے قافلے کے ساتھ مدینے لوٹ آئیں اور وفات تک مدینہ ہی میں رہیں جبکہ کتبِ تاریخ میں اس سے متعلق کوئی خاص ذکر نہیں پایا جاتا بلکہ اس کا ذکر صرف چند علمی مناظروں تک ہی محدود ہے۔ [۴] اسی طرح آپ (علیہا السلام) کی وفات اور مقامِ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ بعض منابع کے مطابق آپ (علیہا السلام) کی وفات ۵ ربیع الاوّل ۱۱۷ ہجری کو مدینہ میں ہوئی۔ [۵] اور آپ جنتُ البقیع میں دفن ہوئیں۔ [۶] اور بعض کے نزدیک مصر جاتے ہُوئے دمشق میں فوت ہوئیں، چنانچہ بابِ صغیر نامی قبرستان میں ایک قبر آپ (علیہا السلام) کے نام سے منسوب ہے، لیکن بعض نے کہا ہے کہ آپ (علیہا السلام) نے مصر میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں اور قاہرہ میں ایک مزار آپ (علیہا السلام) کے نام سے منسوب ہے۔ [۷]

حضرت اُمّ کلثوم (علیہا السلام)

منقول ہے کہ حضرت اُمّ کلثوم (علیہا السلام)، امام حسن (علیہ السلام)، امام حسین (علیہ السلام) اور حضرت زینب (علیہا السلام) کے بعد امام علی (علیہ السلام) اور حضرت فاطمہ زہرا (علیہا السلام) کی چوتھی اولاد ہیں۔ آپ (علیہا السلام) کی تاریخ ولادت میں مؤرخین کے درمیان

---

[۱] محمد ابن حبان، (متوفی: ۳۵۴ھ، افغانستان)، الثقات، ج ۴، ص ۳۵۲

[۲] حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، (متوفی: ۳۶۰ھ، اصفہان، ایران) معجم الکبیر، ج ۳، ص ۱۳۲

ابنِ عساکر دمشقی، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، تاریخ مدینہ دمشق، ۱۴۱۵ق، ص ۲۰۶

[۳] صلاح الدین صفدی، (۶۹۶ - ۷۶۴ھ)، الوافی بالوفیات، ۲۰۰۰م، ج ۱۵ ص ۱۸۳

[۴] ابو الفرج اصفہانی، (متوفی: ۹۶۷ء، بغداد)، الاغانی، ۱۴۱۵ق، ج ۱۶، ص ۳۶۲

[۵] ابنِ عساکر دمشقی، تاریخ مدینہ دمشق، ج ۶۹ ص ۲۱۸

ابنِ خلکان، وفیات الاعیان (تاریخ ابنِ خلکان)، ج ۲ ص ۳۹۶

احمد بن یحییٰ البلاذری، انساب الاشراف، ۱۹۷۴م ج ۲ ص ۱۹۷

ابو جعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ۱۹۶۷م، ج ۷ ص ۱۰۷

[۶] محمد ابنِ سعد بغدادی، (متوفی: ۲۳۰ھ، بغداد، عراق)، الطبقات الکبریٰ، ص ۷۴ ۳

ابنِ عساکر دمشقی، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، تاریخ مدینہ دمشق، ص ۲۱۷

[۷] ابنِ عساکر دمشقی، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، تاریخ مدینہ دمشق، ۱۴۱۵ق، ج ۶۹ ص ۴۲۱

خسرو شاہی، اہل البیت فی مصر، ۱۴۲۷ق، ص ۲۱۶

اختلاف پایا جاتا ہے۔[۱] کچھ نے آپ (علیہا السلام) کی پیدائش سنہ ۶ ہجری میں بیان کی ہے۔[۲] اور بعض کسی سال کا تعین کئے بغیر یوں لکھتے ہیں کہ آپ (علیہا السلام) کی ولادت پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حیاتِ طیبہ میں ہی ہوئی۔[۳] اہل تشیع مآخذ[۴] میں آپ (علیہا السلام) کو حضرت زینب (علیہا السلام) سے عمر میں چھوٹی جبکہ اہلِ سنت مآخذ[۵] میں بڑی لکھا گیا ہے۔ مؤرخین آپ (علیہا السلام) کو کربلا میں میں موجود خواتین میں شمار کرتے ہیں اور آپ (علیہا السلام) سے منسوب خطبات اور گفتگو بھی نقل کرتے ہیں۔

شیخ مفیدؒ نے امیر المومنین حضرت علی (علیہ السلام) کی اولاد کے عنوان سے آپ (علیہا السلام) کا نام زینب صغریٰ (علیہا السلام) اور کُنّیت اُمّ کلثوم لکھی ہے۔[۶] سیّد محسن امین لکھتے ہیں کہ امیر المومنین علی (علیہ السلام) کی تین یا چار بیٹیوں کی کُنّیت اُمّ کلثوم تھی۔ اُمّ کلثوم کبریٰ (علیہا السلام)، اُمّ کلثوم وسطیٰ (علیہا السلام) زوجہ حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام)، اُمّ کلثوم صغریٰ (علیہا السلام) اور زینب صغریٰ (علیہا السلام)۔ سیّد محسن امین تصریح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ اگر آخری دو نام ایک ہی شخصیت کے ہوں تو تین ورنہ چار بیٹیوں کا نام اُمّ کلثوم (علیہا السلام) ہے۔[۷] اس کے باوجود بعض مآخذ میں اُمّ کلثوم کبریٰ (علیہا السلام) کو رقیہ کبریٰ اور اُمّ کلثوم صغریٰ کو

---

[۱] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۱ ص ۳۵۴
محمد ابنِ سعد بغدادی، (متوفی: ۲۳۰ھ، بغداد، عراق)، الطبقات الکبری، ج ۸ ص ۴۶۳
احمد ابن ابویعقوب ابنِ جعفر یعقوبی، (متوفی: ۸۹۷ء، بغداد، عراق)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۲۱۳
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۱۱۸
[۲] حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۳ ص ۵۰۰
علی محمد علی دخیل، (متولد: ۱۹۳۶)، اعلام النساء، ص ۲۳۸
[۳] ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱
[۴] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۱ ص ۳۵۴
محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ھ، حلب)، مناقب آل ابی طالب، ج ۳ ص ۸۹
[۵] محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار المدنی (۷۰۴ء تا ۷۶۷ء)، سیرہ ابنِ اسحاق، ص ۲۴۷
حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۳ ص ۵۰۰
[۶] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۱ ص ۳۵۴
[۷] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۱ ص ۳۵۴
محمد ابنِ سعد بغدادی، (متوفی: ۲۳۰ھ، بغداد، عراق)، الطبقات الکبری، ج ۸ ص ۴۶۳
احمد ابنِ ابویعقوب ابنِ جعفر یعقوبی، (متوفی: ۸۹۷ء، بغداد، عراق)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۲۱۳
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۱۱۸

نفیسہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔[1]

بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ امیر المومنین جناب علی (علیہ السلام) کی حضرت زینب (علیہا السلام) کے علاوہ کوئی اور بیٹی نہیں تھی اور حضرت اُمّ کلثوم (علیہا السلام) ہی جناب زینب (علیہا السلام) ہیں اور وہ افراد جنھوں نے جناب امیر (علیہ السلام) کی جناب سیّدہ فاطمہ (علیہا السلام) سے پانچ اولادیں ذکر کی ہیں یعنی امام حسن (علیہ السلام)، امام حسین (علیہ السلام)، محسن (علیہ السلام)، زینب (علیہا السلام) اور اُمّ کلثوم (علیہا السلام) اُنھوں نے اس طرف توجہ ہی نہیں کی ہے حضرت اُمّ کلثوم (علیہا السلام) اور حضرت زینب (علیہا السلام) دراصل ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں یعنی اُمّ کلثوم، جناب زینب (علیہا السلام) کی کُنیّت ہے جس کا ذکر مُتعدِّد کتب میں موجود ہے۔ رضی الدین حلی جو ساتویں صدی کے ایک معروف شیعہ عالم تھے، امام علی (علیہ السلام) کی اولاد کے بارے میں فرماتے ہیں، ''امام علی (علیہ السلام) کی سترہ اولادیں تھیں، حسن (علیہ السلام)، حسین (علیہ السلام)، زینب کبریٰ (علیہا السلام) کہ جن کی کُنیّت اُمّ کلثوم (علیہا السلام) ہے... الخ۔''[2] اور آیت اللہ سیّد شہاب الدین مرعشی نجفی نے شرح احقاق الحق میں فضل بن روز بہان سے نقل کیا ہے، ''امیر لمومنین علی (علیہ السلام) کی سترہ اور ایک روایت کے اعتبار سے بیس اولادیں تھیں، جن میں سے حسن (علیہ السلام)، حسین (علیہ السلام)، محسن (علیہ السلام) اور اُمّ کلثوم (علیہا السلام) جناب سیّدہ فاطمہ (علیہا السلام) سے تھے۔''[3] عصرِ حاضر کے محقق باقر شریف قرشی لکھتے ہیں، ''صدیقہ طاہرہ (علیہا السلام)، کی زینب (علیہا السلام) کے علاوہ کوئی دختر نہیں تھی۔ زنیب (علیہا السلام) وہی ہیں جن کی کُنیّت اُمّ کلثوم (علیہا السلام) ہے جیسا کہ بعض محقق حضرات کی یہی رائے ہے، لیکن میں بغیر کسی شک کے اس بات کا قائل ہوں کہ جناب سیّدہ فاطمہ (علیہا السلام) کی زینب (علیہا السلام) کے علاوہ کوئی اور دختر نہیں تھی جس کا نام اُمّ کلثوم ہو۔''[4] اسی طرح اہلِ سنت کے بعض علما بھی جناب سیّدہ فاطمہ (علیہا السلام) کے صرف تین یا چار بچے بیان کرتے ہیں جن میں حضرت اُمّ کلثوم کا نام نہیں ہے۔ صالحی شامی نے سبل الهدیٰ والرشاد میں لکھا ہے کہ اولادِ حضرت علی (علیہ السلام) اور حضرت فاطمہ زہرا (علیہا السلام)، حسن (علیہ السلام)، حسین (علیہ السلام)، محسن (علیہ السلام) اور زینب (علیہا السلام) تھیں اور حضرت علی (علیہ السلام) کی مزید اولاد دوسری ازواج سے تھی۔[5] اسی طرح شہاب الدین قلیوبی نے شرح جلال الدین محلی، جو کہ منہاج الطالبین کی شرح ہے، کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ علی (علیہ السلام) کے جناب سیّدہ فاطمہ (علیہا السلام) سے تین بچے تھے اور یہی بات جلال الدین سیوطی نے نقل کی ہے۔ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد میں

---

[1] حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۳ ص ۵۰۰
علی محمد علی دخیل، (متولد: ۱۹۳۶)، اعلام النساء، ص ۲۳۸

[2] رضی الدین علی بن یوسف حلی (۶۳۵-۷۰۳ھ)، العدد القویة لدفع المخاوف الیومیة، ص ۲۴۲

[3] شہاب الدین مرعشی نجفی، (متوفی: ۱۴۱۱ھ)، شرح إحقاق الحق وإزهاق الباطل، ج ۳۰ ص ۱۷۲

[4] باقر شریف، حیات سیّدة النساء فاطمة الزہرا (علیہا السلام)، ص ۲۱۹

[5] محمد بن یوسف صالحی شامی، (متوفی: ۹۴۲ھ) سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرة خیر العباد، ج ۱۱ ص ۲۸۸

سے صرف جناب فاطمہ (علیہا السلام) سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسل چلی ہے اس لیے سیّدہ فاطمہ (علیہا السلام) اور امیر المومنین علی (علیہ السلام) کی اولاد صرف حسن (علیہ السلام)، حسین (علیہ السلام) اور زینب (علیہا السلام) ہی تھے۔ زینب (علیہا السلام) کی شادی اُن کے چچا زاد عبداللہ بن جعفر (علیہ السلام) سے ہوئی جن سے علی، عون، عباس، محمد اور اُمّ کلثوم (علیہم السلام) پیدا ہوئے۔ [۱] اور شیخ محمد خضری جو کہ اہلِ سنت کے مصری عالم ہیں، نے حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کی اولاد کی تعداد صرف تین بتائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فاطمہ (علیہا السلام) سے جناب رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسل چلی جو حسن و حسین (علیہما السلام) اور زینب (علیہا السلام) تھے۔ [۲]

بعض اہلِ سنت مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت اُمّ کلثوم (علیہا السلام) نے ابتدا میں خلیفہ دُوم سے شادی کی تھی، لیکن اکثر شیعہ علما جیسے کہ شیخ مفید (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس سے انکار کیا ہے اور آقا بزرگ تہرانی نے کئی ایسی کتب کے حوالے دیے ہیں جن میں اس نکاح کو رد کیا گیا ہے۔ [۳] ان کتب میں سے چند نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱) فی تزویج أمّ کلثوم وبنات الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ، تالیف: شیخ مفید (رحمۃ اللہ علیہ)

مؤلف نے اپنی کتاب ''المسائل السرویه'' میں دسواں مسئلہ (المسالہ العاشرۃ) نکاحِ اُمّ کلثوم اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹیوں کے نکاح کے لیے مختص کیا ہے اور کہا ہے کہ خلیفہ دُوم سے اُمّ کلثوم کا نکاح ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کا راوی زبیر بن بکار ہے جس کی وجۂ شہرت امیر المومنین علی (علیہ السلام) کے ساتھ عناد و خصومت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ مفید (رحمۃ اللہ علیہ) نے پہلی بار اس موضوع پر ایک رسالہ تحریر کیا۔

۲) افحام الاعداء والخصوم فی نفی عقد أمّ کلثوم، تالیف: ناصر حسین بن میر حامد حسین۔

۳) تزویج اُمّ کلثوم بنت امیر المومنین وانکار وقوعه (اِثباتُ عَدَمِہ)، تالیف: شیخ محمد جواد بلاغی۔

۴) رد الخوارج فی جواب رد الشیعه، یہ کتاب اُردو میں تالیف ہو کر لاہور سے شائع ہوئی ہے۔

۵) رسالہ فی تزویج ..... أمّ کلثوم بنت علی علیہ السلام، تالیف: شیخ سلیمان بن عبداللہ ماحوزی، انھوں نے شیخ مفیدؒ اور ابن شہر آشوب کی مانند نکاح کی اس روایت کو رد کر دیا ہے۔

۶) العجالہ المفحمہ فی ابطال روایہ نکاح أمّ کلثوم، تالیف: سیّد مصطفیٰ دلدار علی نقوی۔

۷) کنز مکتوم فی حل عقد أمّ کلثوم، تالیف: سیّد علی اظہر الہندی۔

۸) العجالہ المفحمہ فی ابطال روایہ نکاح أمّ کلثوم، تالیف: سیّد مصطفیٰ بن سیّد محمد ہادی دلدار نقوی (متوفی ۱۳۲۳

---

[۱] ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی، (متوفی: ۳۲۹ھ، بغداد، عراق)، الکافی، ج ۱ ص ۲۹۱

[۲] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۳۰

[۳] آقا بزرگ تہرانی، الذریعہ، ج ۱۱، ص ۱۴۶، ش ۹۱۲

ہجری)، یہ رسالہ فارسی زبان میں شائع ہُوا ہے۔

۹) **قول محتوم فی عقد اُمّ کلثوم**، تالیف: سیّد کرامت ہندی۔ یہ کتاب سنہ ۱۳۱۱ھ میں ہندوستان سے شائع ہوئی۔

۱۰) معاصر علما میں سے بھی بعض نے مختلف عناوین سے اس روایت کی تردید کی، مثال کے طور پر سیّد علی میلانی نے دو عناوین کے تحت اس مسئلے کا تجزیہ کیا ہے۔ "**تزویج اُمّ کلثوم من...**" اور "**فی خبر تزویج اُمّ کلثوم من...**"۔

۱۱) بعض علما نے اس واقعے کو سرے سے مسترد کرتے ہُوئے اس کا انکار کیا ہے۔ شیخ مفید (رحمۃ اللہ علیہ) نے **المسائل العکبریہ** میں نکاحِ حضرت اُمّ کلثوم کو نقل کیا ہے لیکن اپنی دوسری کتاب **المسائل السرویہ** میں اس کو رَد کرتے ہُوئے استدلال کیا ہے کہ تزویجِ حضرت اُمّ کلثوم ثابت نہیں ہے کیونکہ متعلقہ روایت زبیر بن بکار سے منقول ہے جو مُتّہَم ہے اور امیر المومنین علی (علیہ السلام) کے ساتھ بغض کے حوالے سے مشہور ہے۔

۱۲) ابنِ شہر آشوب نے اپنے دلائل سے اس واقعے کا انکار کیا ہے اور پھر ابو محمد نوبختی کے حوالے سے لکھا ہے کہ نکاح ہُوا لیکن اُمّ کلثوم چھوٹی تھیں لہٰذا خلیفہ کو انتظار کرنا پڑا لیکن اُن کے بڑے ہونے اور رخصت ہونے سے قبل ہی خلیفہ کا انتقال ہوگیا۔

۱۳) ذبیح اللہ محلاتی لکھتے ہیں کہ تھوڑا سا غور و تامُّل کرکے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ نکاح سرے سے انجام ہی نہیں پایا ہے۔ کئی دیگر علما نے بھی اس نکاح کے نہ ہونے کے سلسلے میں اپنے ثبوت و مستندات ذکر کئے ہیں چنانچہ اس نکاح کا تصور بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ اور جیسا کہ اُوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ بعض کتب میں منقول ہے کہ سیّدۃ فاطمہ (علیہا السلام) کی اُمّ کلثوم نام کی کوئی دختر تھی ہی نہیں بلکہ یہ نام حضرت زینب (علیہا السلام) ہی کی کُنیّت تھا، تو حضرت زینب (علیہا السلام) سے متعلق تو ایسی کوئی روایت ہے ہی نہیں کہ اُنھوں نے کبھی خلیفہ دُوَم سے شادی کی۔ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار (علیہ السلام) ہی اُن کے شوہر تھے اور علی، عون، عباس اور محمد (علیہم السلام) اُن کے فرزند تھے۔[۱] چنانچہ اگر حضرت اُمّ کلثوم (علیہا السلام) کو ایک دوسری دختر مان بھی لیا جائے تو وہ کبھی بھی حضرت عبداللہ بن جعفر (علیہ السلام) کی زوجہ نہیں ہوسکتی تھیں (جیسا کہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے[۲]) کیونکہ روایات یہ ثابت کرتی ہیں کہ وہ حضرت زینب (علیہا السلام) کے شوہر تھے اور شریعت میں دو بہنوں کو جمع نہیں کیا جاسکتا۔

مقاتل میں حضرت اُمّ کلثوم (علیہا السلام) کے کربلا میں موجود ہونے کا ذکر ہے اور کئی مقامات پر حضرت زینب (علیہا السلام) کے ساتھ اُن کا نام بھی آیا ہے اور اُن پر ڈھائے جانے والے مصائب کا ذکر بھی کیا گیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو مخدرات ہیں۔ علامہ مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) نقل کرتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد خیموں کو آگ لگاتے وقت آپ کی بہن اُمّ

---

[۱] ابنِ عساکر دمشقی، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، اعلام النساء، ص ۱۹۰؛ ریاحین الشریعہ، ج ۳ ص ۴۱

[۲] محمد ابنِ سعد بغدادی، (متوفی: ۲۳۰ھ، بغداد، عراق)، ج ۸ ص ۴۶۲

کلثوم (علیہا السلام) کے کانوں سے بالیوں کو نوچا گیا۔ [۱] اسی طرح یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت اُمّ کلثوم (علیہا السلام) واقعۂ عاشورہ کے راویوں میں سے ہیں اور آپ (علیہا السلام) نے ابنِ زیاد کے دربار میں خطبہ بھی دیا۔ چنانچہ ابنِ طیفور نے اپنی کتاب میں اُن سے ایک خطبہ نقل بھی کیا ہے جسے اُنھوں نے اہلِ بیت (علیہم السلام) کی اسیری کے وقت ارشاد فرمایا تھا۔ [۲] اور علامہ مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) نے بھی ابنِ زیاد کے دربار میں حضرت اُمّ کلثوم (علیہا السلام) کی گفتگو اور خطاب کو نقل کیا ہے۔ [۳] عماد الدین طبری لکھتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) کی بہن اُمّ کلثوم (علیہا السلام) نے شام میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئیں۔ [۴] ابنِ بطوطہ اپنے سفرنامے میں بیان کرتے ہیں کہ شام سے ایک فرسخ کے فاصلے پر حضرت علی (علیہ السلام) اور حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کی بیٹی اُمّ کلثوم (علیہا السلام) کی قبر ہے۔ [۵] یاقوت حموی رقم کرتے ہیں کہ اُمّ کلثوم (علیہا السلام) کی قبر دمشق شام میں ہے۔ [۶] ابنِ عساکر نے نقل کیا ہے کہ جو قبر دمشق کے مضافات میں ہے اُمّ کلثوم (علیہا السلام) بنتِ علی (علیہ السلام) بن ابی طالب (علیہ السلام) کی ہے لیکن یہ حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کی اولاد نہیں ہیں۔ [۷] بعض دیگر مورخین کہتے ہیں کہ یہ قبر، حضرت علی (علیہ السلام) اور حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کی بیٹی حضرت زینب (علیہا السلام) کی ہے جن کی کُنیت اُمّ کلثوم (علیہا السلام) ہے۔ [۸]

حضرت بُریر بن خضیر ہمدانی (رضی اللہ عنہ) کی سقائی

ریاض الاحزان کے حوالے سے جناب صدر الدین قزوینی لکھتے ہیں کہ حضرت سکینہ (علیہا السلام) نے فرمایا کہ نویں محرم کے دن ہم ایک گھونٹ پانی کے لیے ترس رہے تھے۔ رات کو شدتِ پیاس سے مغلوب ہو کر میں اپنی پھوپھی جناب زینب (علیہا السلام) کے پاس گئی کہ شاید اُنھوں نے بچوں کے لیے کچھ پانی بچا رکھا ہو۔ میں وہاں پہنچی تو دیکھا کہ وہ میرے ننھے بھائی علی اصغر کو گود میں لیے بے چینی کے عالم میں کبھی کھڑی ہوتی تھیں اور کبھی بیٹھ جاتی تھیں۔ اصغر، ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور پھوپھی روتے ہُوئے کہہ رہی تھیں، ''صبر! صبر! اے میرے بھائی کی نشانی صبر!'' جناب سکینہ (علیہا السلام) فرماتی ہیں کہ میں اپنی پیاس

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ اصفہان، ایران)، بحار الانوار

[۲] ابوالفضل احمد بن ابی طاہر ابنِ طیفور (متوفی: ۲۸۰ھ)، بلاغات النساء، ص ۲۳

[۳] ابوالفضل احمد بن ابی طاہر ابنِ طیفور (متوفی: ۲۸۰ھ)، بلاغات النساء، ص ۲۳

[۴] علامہ محمد باقر مجلسیؒ، (متوفی: ۱۱۱۰ھ اصفہان، ایران)، بحار الانوار، ج ۴۵ ص ۱۱۲ تا ۱۱۵

[۵] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، کامل بہایی، ج ۲ ص ۳۷۱

[۶] ابوعبداللہ محمد ابنِ بطوطہ، (متوفی: ۱۳۶۹ء)، الرحلہ، ج ۱ ص ۱۱۳

[۷] شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ رومی حموی، (متوفی: ۶۲۶ھ) معجم البلدان، ج ۳ ص ۲۰

[۸] ابنِ عساکر دمشقی، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، تاریخ مدینہ دمشق، ج ۲ ص ۳۰۹

بھول گئی اور پھوپھی جان سے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ اپنے بابا کے اصحاب سے اصغر کے لیے پانی کا کہوں۔ اجازت ملنے پر اصغر کو لیے میں اصحاب کی طرف گئی لیکن کسی کے خیمے میں پانی کی ایک بوند بھی نہ تھی۔ اتنے میں بُریر بن خضیر ہمدانی خیمے سے باہر آئے۔ وہ ہماری حالت دیکھ کر سخت پریشان ہوگئے اور باآواز بلند اپنے ساتھیوں کو پکارنے لگے۔ اصحاب دوڑتے ہُوئے خیموں سے باہر آئے تو بُریر نے کہا، ''ان کے گرد مضبوط حصار بنا کر انھیں نہر تک لے چلو اور پانی پلاؤ۔ اگر لڑائی کی نوبت آئی تو ہم مرتے دَم تک مقابلہ کریں گے لیکن انھیں ضرور سیراب کریں گے۔'' ایک صحابی یحییٰ بن سلیم نے کہا کہ دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لیے بچوں کو وہاں لے جانا مناسب نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مقابلے میں انھیں کوئی گزند پہنچے۔ بہتر ہے کہ ہم خود مشکیزے لے کر جائیں، پانی لے آئے تو ٹھیک ورنہ شہید ہونا بھی کسی سعادت سے کم نہیں۔ یحییٰ بن سلیم کی تجویز سے اتفاق کرتے ہُوئے چار صحابہ مشکیزے لے کر فرات کی طرف روانہ ہوگئے۔ وہاں سخت مقابلہ ہُوا لیکن بُریر کسی نہ کسی طرح پانی کی ایک مشک لانے میں کامیاب ہوگئے۔ اُنھوں نے مشکیزے کو خیمے میں رکھا تو اُسے دیکھ کر بچوں میں سخت اضطراب پیدا ہوگیا اور وہ پانی کی طلب میں بیتابانہ اُس پر جھپٹ پڑے، جس کی وجہ سے اُس کا دہانہ کھل گیا اور تمام پانی زمین پر بہہ گیا۔ [1]

شبِ عاشورہ سخاوتِ امام حسین (علیہ السلام)

سیّد ابن طاوس (رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) کے ایک ساتھی محمد بن بشیر حضرمی کو اطلاع ملی کہ اُن کے بیٹے کو ''رے'' کی سرحد پر گرفتار کرلیا گیا ہے۔ کہنے لگے کہ میں اُس کی جان اور اپنی جان کا بدلہ اللہ سے چاہتا ہوں اور مجھے یہ پسند نہیں کہ وہ تو قید میں ہو مگر میں زندہ رہوں۔ امام حسین (علیہ السلام) نے اُن کی بات سُن کر فرمایا، ''اللہ تم پر رحمت نازل فرمائے! میں تمھیں اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں، تم جا کر اپنے بیٹے کو قید سے آزاد کراؤ۔'' اُنھوں نے کہا، ''آپ سے الگ ہونے سے بہتر ہے کہ مجھے درندے پھاڑ کھائیں۔'' امام (علیہ السلام) نے اُنھیں بُرد یمانی کے پانچ قیمتی لباس دیے فرمایا، ''تم اپنے (دوسرے) بیٹے کو یہ چند لباس دے دو تا کہ ان کے بدلے کوشش کر کے وہ اپنے (قیدی) بھائی کو رہائی دلائے۔'' بقولے اُن پانچ لباسوں کی قیمت اُس وقت کے ایک ہزار دینار تھی۔ ابوالفرج اصفہانی نے اس واقعہ کو روزِ عاشورہ کے ذیل میں لکھا ہے جبکہ دیگر نے شبِ عاشورہ میں بیان کیا ہے۔ [2]

---

[1] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۵۰۴

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، ج ۱۰ حصّہ اوّل، ص ۲۱۶ تا ۲۱۷؛ علامہ طالب جوہری، حدیث کربلا، ص ۲۲۶
ابوالفرج اصفہانی، (متوفی: ۹۶۷ء، بغداد)، مقاتل الطالبین، ص ۷۸

خیام حسینی کی ترتیبِ نو اور خندق

عاشورہ کی رات کے ابتدائی حصّے میں امام حسین (علیہ السلام) نے اپنے عزیز و اقارب اور اصحاب سے خطاب کرنے کے بعد حفاظتی نقطۂ نظر سے خیام کی ترتیب و تنصیب دوبارہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اہلِ بیت کے خیام ایک دوسرے کے قریب قریب لگا دو اور ان کی طنابیں ایک دوسرے سے ملا کر درمیان سے آمد و رفت بند کر دو۔ چنانچہ خیموں کو کھول کر دوبارہ ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر قلعہ کی صورت میں یوں نصب کیا گیا کہ اُن کے درمیان آمد و رفت بند کر دی گئی۔ تین اطراف یعنی دائیں، بائیں اور عقب میں خیمے تھے جب کہ اُن کے سامنے کی طرف میدانِ جنگ تھا۔ امام زین العابدین (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ میرے بابا اپنے ساتھیوں کی طرف تشریف لے گئے اور اُن کو حکم دیا کہ وہ خیموں کو (اُکھاڑ کر) ایک دوسرے سے ملا کر (دوبارہ) نصب کریں اور اُن کی طنابیں بھی اندر کی طرف لگائیں اور اصحاب ان کے درمیان قیام کریں تا کہ دشمن سے مقابلہ صرف ایک طرف سے ہو یعنی خیمے دائیں بائیں اور عقب میں ہوں، تین اطراف محفوظ ہو جائیں اور دشمن صرف ایک ہی طرف سے حملہ کر سکے۔ [1] بروایتے امام حسین (علیہ السلام) نے ساتھیوں کو یہ بھی حکم دیا کہ خیام کے گرد خندق کھود کر اُسے لکڑیوں سے بھر دو تا کہ بوقتِ ضرورت آگ لگا کر خیام کو محفوظ کیا جا سکے۔ [2] یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ امام (علیہ السلام) جانتے تھے کہ اُن کی شہادت کے بعد یزیدی فوج خیموں پر حملہ آور ہو کر لوٹ مار کرے گی اور اُن کے ظلم سے اہلِ حرم تک محفوظ نہیں رہ سکیں گے اس لیے خیموں کی حفاظت کے لیے احتیاطی تدبیر کے طور پر خندق تیار کر کے اُسے لکڑیوں سے بھرنے کا حکم دیا۔

شیخ مفیدؒ، طبری، اور دیگر نے لکھا ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) اور اُن کے اصحاب تمام رات بیدار رہے، نمازیں پڑھتے، استغفار کرتے اور دُعا و تضرع میں مشغول رہے۔ [3] باقر مجلسیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت (علیہ السلام) نے وہ رات مع اصحاب

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج ۱۰ حصّہ اوّل، ص ۲۱۷؛ آقائی صدر الدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۴۹۷
شیخ مفید، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الارشاد)، ص ۳۰۶؛ علامہ طالب جوہری، حدیث کربلا، ص ۲۳۵

[2] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا، ص ۲۳۵ بحوالہ
ابنِ بابویہ شیخ صدوق، (متوفی: ۳۸۱ھ، رے، ایران)، الامالی، ج ۵ ص ۱۹۹
ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری (متوفی: ۲۸۲ھ، دینور، ایران)، الاخبار الطوال، ص ۲۵۶
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۳۲۰
آقائی صدر الدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۴۹۸
سیّد ابنِ طاؤس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، مقتل لہوف مترجم، ص ۵۸

[3] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصّہ اوّل، ص ۲۰۶
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الارشاد)، ص ۳۰۶

عبادت و دُعا اور تضرّع و مُناجات میں بسر کی۔ آوازِ تلاوت و عبادت حضرت (علیہ السلام) کے لشکر سے مانند صدائے مگسِ عسل بلند تھی۔ کوئی رکوع میں تھا تو کوئی سجود میں، کوئی قیام میں تھا تو کوئی قعود میں تھا۔ اُس شب حضرت (علیہ السلام) کی برکتِ عبادت اور دُعا سے بتیس آدمی مخالف لشکر سے امام (علیہ السلام) کے لشکر میں آئے اور رکابِ حضرت (علیہ السلام) سے وابستہ ہُوئے۔ [1]

بعض کتب میں مذکور ہے کہ عمر سعد کے تیس یا بتیس سپاہیوں نے اُس کے پاس جا کر کہا کہ نواسۂ رسول (علیہ السلام) نے جنگ سے بچنے کے لیے تمھارے سامنے جو شرائط رکھی ہیں تم اُنھیں قبول کیوں نہیں کرتے؟ عمر سعد اُنھیں کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا تو وہ اُس کے لشکر سے الگ ہو کر امام حسین (علیہ السلام) کے پاس چلے گئے۔ [2] قزوینی نے لکھا ہے، ''کتاب ریاض الاحزان میں ہے کہ جب حضرت امام حسین (علیہ السلام) اور اصحابِ باوفا خیام نصب کرنے اور خندق کھودنے سے فارغ ہُوئے تو اُس وقت اصحاب کی تعداد اڑتالیس (۴۸) تھی اور بعد میں بتیس (۳۲) افرادِ لشکرِ عمر سعد سے نکل کر لشکرِ حق کے ساتھ ملحق ہو گئے تھے۔ چنانچہ مؤرخین نے اصحابِ حسین (علیہ السلام) کی تعداد تقریباً بہتر (۷۲) یا اسّی (۸۰) بتائی ہے جن کے اسمائے مبارکہ زیارتِ شہدا میں اور کتبِ مقاتل میں پائے جاتے ہیں۔'' [3]

نافع (رضی اللہ عنہ) بن ہلال! نکل جاؤ

شبِ عاشور، امام حسین (علیہ السلام) اپنے خیمے سے باہر تشریف لائے اور اردگرد کا جائزہ لینے لگے۔ آپ (علیہ السلام) خیموں اور ٹیلوں پر نگاہ ڈالتے ہُوئے آگے بڑھے تو نافع (رضی اللہ عنہ) بن ہلال بھی پیچھے ہو لیے۔ آپ (علیہ السلام) نے پلٹ کر اُن سے پوچھا کہ تم میرے پیچھے کیوں آ رہے ہو؟ اُنھوں نے کہا کہ یابن رسول اللہ! آگے دشمن کی فوج ہے اور مجھے تشویش ہے کہ مَبادا آپ کی جانِ گرامی کو کوئی گزند پہنچے۔ امام (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں جائزہ لے رہا تھا کہ کل دشمن کے حملے کے امکانات کہاں کہاں سے ہیں؟ واپسی پر امام (علیہ السلام) نے حضرت نافع (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ تھام لیا اور فرمایا کہ واللہ! یہ وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا۔ پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہُوئے فرمایا کہ اے نافع! کیا تم اُس راستے کو دیکھ رہے ہو جو پہاڑوں کے دامن میں ہے؟ تم اس رات کے اندھیرے میں اُدھر سے نکل جاؤ اور اپنی جان بچا لو۔ نافع، امام (علیہ السلام) کے قدموں میں گر پڑے اور عرض کی کہ اگر میں ایسا کروں تو میری ماں مجھ پر روئے، یہ تو احسانِ الٰہی ہے کہ میں آپ (علیہ السلام) کی رفاقت میں شہید کیا جاؤں۔ [4]

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسیؒ، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۱۷

[2] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا، ص ۲۳۶ بحوالہ: العقد الفرید، ج ۴ ص ۱۶۸

[3] آقائی صدر الدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۴۹۹

سیّد ابنِ طاؤسؒ، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، مقتل لہوف مترجم ص ۵۸

[4] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا، ص ۲۳۷ تا ۲۳۸

آقائی محمد مہدی مازندانی، معالی السبطین فی احوال الحسن والحسین (علیہما السلام)، مترجم: اثیر جاڑوی، ج ۱ ص ۴۹۰ تا ۴۹۱ (طبع لکھنؤ ۲۰۰۵ء)

نصرت کی دعوت اور رُخصت کی اجازت؟

تاریخِ کربلا کا سطحی مطالعہ کرنے سے ایک عجب تضاد سا دیکھنے کو ملتا ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) سفرِ کربلا میں اپنے اصحاب، خواص، اور عوام کو اپنی نصرت کے لیے ساتھ چلنے کی دعوت دیتے ہیں لیکن شبِ عاشورہ سب کو رُخصت کی اجازت دے دیتے ہُوئے اصرار کرتے اور فرماتے ہیں کہ نکل جاؤ اور اپنی جانیں بچا لو۔ اگر آپ (علیہ السلام) نے واپسی کی اجازت دینا تھی تو پہلے دعوت کیوں دی؟

علمائے حق فرماتے ہیں کہ جب حق کے خلاف باطل قوتیں صف آرا ہو جائیں تو اُن کی سرکوبی ضروری ہو جاتی ہے اور نبی یا امام کا قیام اُمت کے لیے اسے واجب بنا دیتا ہے۔ چنانچہ جب امام حسین (علیہ السلام) نے خروج کیا تو اُمّتِ مسلمہ پر یزید کے خلاف جہاد واجب ہو گیا تھا۔ پس، امام (علیہ السلام) اُمّت کو واجب کی طرف بلا رہے تھے یعنی دعوتِ جہاد دے رہے تھے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) کسی علاقے کو فتح کر کے حکومت کی تشکیل کے لیے ایسا نہیں کر رہے تھے اور یہی وجہ تھی کہ اپنے ساتھ مخدرات اور بچوں کو بھی لے کر گئے۔ تاریخِ عالم میں عموماً اور تاریخِ اسلام میں خصوصاً امام حسین (علیہ السلام) کے یزید اور یزیدیت کے خلاف اس قیام کو ظلم کے خلاف تحریک، تلوار پر خون کی فتح، اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر کی عملی تفسیر، اور ایثار و قربانی کی علامت سمجھا جاتا ہے اور اس سلسلے میں اہلِ تشیع کے علاوہ اہلِ سنت کی معتبر کتب میں بھی امام عالی مقام (علیہ السلام) کی فضیلت میں بے شمار احادیث نقل ہوئی ہیں۔ [1] جب کہ محمد و آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بغض میں مبتلا ایک متعصب اور منافق گروہ قیامِ امام (علیہ السلام) کو نہ صرف غیر اہم سمجھتا ہے بلکہ اس کی سخت مخالفت بھی کرتا ہے۔ انھیں میں سے ایک ابوبکر ابنِ عربی ہے جو امام حسین (علیہ السلام) کے قیام کی مخالفت کرتے ہُوئے کہتا ہے کہ اُمّت میں اختلاف پھیلانے والوں سے جنگ کرنے کے بارے میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی احادیث سُن کر ہی لوگ حسین (علیہ السلام) سے لڑنے گئے۔ [2] اسی طرح ابنِ تیمیہ کہتا ہے کہ حسین (علیہ السلام) بن علی (علیہ السلام) حالات کی اصلاح کا سبب بننے کی بجائے شر اور فساد کا باعث بنے۔ [3] لیکن ابنِ خلدون نے ابوبکر ابنِ عربی اور اُس جیسوں کی سخت مذمت کرتے ہُوئے اور اُن کی کینہ پرور باتوں کو رَد کرتے ہُوئے کہا ہے کہ ظالموں اور ستمگروں سے لڑنے کے لیے عادل امام کا ہونا شرط ہے اور حسین (علیہ السلام) اپنے زمانے کے عادل ترین شخص تھے اور یہ جنگ کرنے

---

[1] محمد ابنِ سعد بغدادی، (متوفی: ۲۳۰ھ، بغداد، عراق)، طبقات الکبری، ج ۱۰، ص ۳۶۷ تا ۴۱۹

احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳، ص ۷

ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری، (متوفی: ۸۷۵ء، نیشاپور، ایران)، صحیح مسلم، ج ۱۵، ص ۱۹۰

ابوالفداء اسماعیل بن عمر ابنِ کثیر، (متوفی: ۷۷۴ھ، دمشق، شام)، تفسیر القرآن، ج ۳، ص ۷۹۹

[2] ابوبکر ابنِ عربی، (متوفی: ۱۱۴۸ء، فاس، مراکش)، العواصم من القواصم، المکتبۃ السلفیۃ، ص ۲۳۲

[3] احمد بن عبدالحلیم حرانی ابنِ تیمیہ، (متوفی: ۷۲۸ھ، دمشق)، منہاج السنۃ النبویۃ، ج ۴، ص ۵۳۰

کے مستحق تھے۔[1] ابنِ خلدون لکھتے ہیں کہ جب یزید کا فسق سب پر آشکار ہُوا تو حسین (علیہ السلام) نے اُس کے خلاف قیام کو اپنے اُوپر واجب سمجھا کیونکہ وہ خود کو اس کا اہل سمجھتے تھے۔[2] علامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی نے اپنی کتاب روح المعانی میں ابوبکر ابنِ عربی کے خلاف بددعا کرتے ہُوئے اُس کی بات کو جھوٹ اور بہت بڑی تہمت قرار دیا ہے۔[3] اہلِ سنت کے مصنف طٰہٰ حسین کا کہنا ہے کہ حسین (علیہ السلام) کا بیعت نہ کرنا دشمنی اور ضد کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ وہ جانتے تھے کہ اگر یزید کی بیعت کرتے تو اپنے وجدان سے خیانت اور دِین کی مخالفت کرتے، کیونکہ یزید کی بیعت اُن کی نظر میں گناہ تھا۔[4] پس، امام حسین (علیہ السلام) نے، جو اُس وقت امامِ وقت تھے، اس واجب کی تعمیل کے لیے اُمّت کو پکارا اور نصرت کی دعوت دی۔ لیکن، جب لوگوں نے آپ (علیہ السلام) کی دعوت پر لبیک کہا اور آ گئے تو آپ (علیہ السلام) نے دیکھا کہ اُن میں اکثریت ایسوں کی تھی جن کے مقاصد جہاد یا نصرتِ امام کی بجائے کچھ اور تھے،[5] یا جو بادلِ نخواستہ آئے تھے، تو آپ (علیہ السلام) نے ''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ○'' (دِین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت گمراہی سے الگ واضح ہو چکی ہے۔ سورۃ البقرہ، آیت: ۲۵۶) کے مصداق سب کو جانے کی اجازت دے دی۔ پس، جن کا ایمان کمزور تھا وہ چلے گئے اور جن کا ایمان مضبوط تھا وہ ثابت قدم رہے۔[6]

امام (علیہ السلام) کے گریہ کرنے کی وجہ؟

دعوتِ نصرت اور اجازتِ رخصت کی طرح امام (علیہ السلام) کا گریہ بھی سطحی نظر رکھنے والوں کے لیے باعثِ حیرت ہے کہ وہ جو ''النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ'' کی عملی تفسیر اور سب سے بڑے صابروں میں سے ایک ہیں مدینہ سے نکلتے ہُوئے، مکہ سے کوچ کرتے ہُوئے، اثنائے سفر میں اور کربلا کے میدان میں ہر موقع پر گریہ فرما رہے ہیں، آخر کیوں؟ یہ بات باعثِ حیرت نہ رہے گی اگر ہم چشمِ تصور سے عہدِ نبوی کو دیکھیں اور ملاحظہ کریں کہ جناب سرورِ انبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی اُمّت کے ہاتھوں مظالم اُٹھا رہے ہیں اور ''اَللّٰهُمَّ أُمَّتِي أُمَّتِي'' پکار پکار کر رو رہے ہیں۔ جس طرح نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا گریہ اپنے لیے نہیں بلکہ اُمّت کے لیے تھا اسی طرح نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بیٹے، حضرت امام حسین (علیہ السلام) کا رونا بھی اپنے لیے نہیں بلکہ اُمّت کے لیے تھا کہ آلِ رسول (علیہم السلام) پر مظالم ڈھانے والے بدبخت مسلمان دِین کو پامال کر کے ایسی راہ پر چل پڑے ہیں جس کی منزل جہنم ہے۔

---

[1] ابنِ خلدون، (متوفی: ۱۴۰۶ء، قاہرہ، مصر)، دار احیاء التراث العربی، ج ۱ ص ۲۱۷

[2] ابنِ خلدون، (متوفی: ۱۴۰۶ء، قاہرہ، مصر)، دار احیاء التراث العربی، ج ۱ ص ۲۱۶

[3] علامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی، (متوفی: ۱۲۵۷ء، بغداد، عراق)، روح المعانی، ج ۱۳ ص ۲۲۸

[4] طٰہٰ حسین، علی وبنوہ، دار المعارف، ص ۲۳۹

[5] آقائی صدر الدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۲۹۳

[6] آقائی صدر الدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۴۹۲

چتکبرا کتا

شبِ عاشورہ اپنے دامن میں رنج وغم، کرب وبلا، آزمائش اور امتحان، صبر ورضا اور التفات ودرگزر جیسے ہشت پہلو واقعات لیے گزرتی جارہی تھی۔ امام عالی مقام (علیہ السّلام) اور اُن کے اقربا ورفقا نے تمام شب عباداتِ الٰہی میں بسر کی تھی۔ نمودِ سحر کے وقت امام (علیہ السّلام) پر غنودگی طاری ہوگئی اور خواب میں دیکھا کہ آپ (علیہ السّلام) پر کچھ کتوں نے حملہ کر دیا ہے۔ ایک چتکبرا کتا اُن میں سب سے زیادہ خونخوار اور وحشی تھا جو آپ (علیہ السّلام) پر جھپٹ رہا تھا۔ امام حسین (علیہ السّلام) نے بیداری کے بعد اپنا خواب اصحاب کو سنایا اور فرمایا کہ میرا قاتل برص کے داغوں والا ہوگا۔ اور فرمایا کہ میں نے اُسی خواب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو چند صحابہ کے ساتھ دیکھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھ سے فرمایا، ''فرزند! تم شہیدِ آلِ محمد ہو اور عرش کے ملائکہ تمھاری آمد کی خبر سُن کر شاداں وفرحاں ہیں۔ تم آج شام میرے پاس آؤ گے۔ آنے میں جلدی کرنا اور تاخیر نہ کرنا۔ آسمان سے ایک فرشتہ زمین پر آیا ہے تاکہ تمھارا لہو ایک شیشی میں محفوظ کر لے۔'' اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ شہادت قریب ہے اور دُنیا کو چھوڑنے کا وقت آپہنچا ہے اور اب اس میں کوئی شک نہیں۔ [1]

بُریر (رضی اللہ عنہ) یا حبیب بن مظاہر (رضی اللہ عنہ) کی چھیڑ چھاڑ

روایت ہے کہ صبحِ عاشور حضرت بُریر بن خضیر ہمدانی (رضی اللہ عنہ) نے حضرت عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہ) سے ہنسی مذاق شروع کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہ) نے اُن سے کہا، ''بُریر! یہ کوئی ٹھٹھول کرنے کا وقت ہے؟'' بُریر (رضی اللہ عنہ) بولے، ''میری قوم جانتی ہے کہ میں نے عمر بھر کسی سے کوئی مذاق نہیں کیا۔ اس وقت میری خوشی کا سبب شہید ہونے کی سعادت ہے۔ واللہ! اُس وقت کے آنے میں اب زیادہ دیر نہیں ہے جب میں دشمنوں کے مقابل جاؤں گا، اُن سے جنگ کروں گا اور پھر حورانِ بہشت سے ملوں گا۔'' [2] علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) نے ایک روایت میں حضرت عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہ) کی جگہ حضرت حبیب ابن مظاہر (رضی اللہ عنہ) کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ حبیب ابن مظاہر اسدی (رضی اللہ عنہ) نے بُریر (رضی اللہ عنہ) ہمدانی سے مزاح کیا۔ بُریر (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ حبیب! یہ دِل لگی کا وقت نہیں ہے۔ حبیب (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ اس سے بہتر کون سا وقت ہوگا کیونکہ ہمارے اور حورانِ جنت کے درمیان بس اتنا فاصلہ رہ گیا ہے کہ دشمن اپنی تلواریں لے کر ہم پر ٹوٹ پڑیں۔ [3]

---

[1] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا، ص ۲۳۹
آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ا ص ۵۲۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصّہ اوّل، ص ۱۴۰؛ ۲۱۷؛ ۲۱۹

[2] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا، ص ۲۰
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصّہ اوّل، ص ۲۱۷

[3] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصّہ اوّل، ص ۱۴۳

امام حسین (علیہ السلام) کا لباسِ عاشورہ

صدرالدین قزوینی لکھتے ہیں کہ سحری کے وقت امام حسین (علیہ السلام) نے سرخ و سیاہ اور سفید لباس زیب تن کیا، خوشبو لگائی اور خیمے سے باہر تشریف لائے جہاں جوانانِ بنی ہاشم اور آپ (علیہ السلام) کے جانثار ساتھی آپ (علیہ السلام) کے لیے سراپا انتظار تھے۔ بروایتے، آپ (علیہ السلام) کو اس لباس میں دیکھ کر شمر نے طنزیہ انداز میں کہا، ''اے حسین (علیہ السلام)! کیا خوب رنگین لباس پہنا ہے۔'' آپ (علیہ السلام) نے فرمایا، ''سرخ رنگ اس لیے کہ محبوبِ حقیقی یعنی ذاتِ ربِّ ذوالجلال کا اتصال حاصل ہوگا، اور سیاہ رنگ اس لیے کہ عزائے علی اکبر (علیہ السلام)، قاسم (علیہ السلام)، اصغر (علیہ السلام) اور عباس (علیہ السلام) پیشِ نظر ہے، اور سفید رنگ اس لیے کہ میری شہادت کے بعد یہی لباس میرا کفن ہو۔'' [۱]

مؤرخین لکھتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) نے مقتل کی جانب روانہ ہونے سے پہلے پرانا لباس طلب کیا اور اُسے جگہ جگہ سے پھاڑ کر زیرِ پوشاک پہن لیا۔ آپ (علیہ السلام) جانتے تھے کہ کمینہ دشمن آپ کو شہید کرنے کے بعد آپ کا لباس لُوٹے گا، اس لیے اُوپری لباس کے نیچے بوسیدہ لباس پہن لیا تاکہ اُسے معمولی سمجھ کر چھوڑ دیں اور جسم اقدس برہنہ نہ ہو۔ لیکن بعض روایات کے مطابق ذلیل دشمنوں نے لباسِ کہنہ بھی لُوٹ لیا۔ بروایتے، جب آپ (علیہ السلام) نے پرانا لباس طلب فرمایا تو ایک اِزارِ کو چک یعنی مختصر پاجامہ/ جانگیہ بھی پیش کیا گیا جسے آپ نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ یہ لباسِ اہلِ مذلّت ہے۔ [۲]

روزِ عاشورہ اذان اور نمازِ فجر

روایت ہے کہ روزِ عاشورہ، سپیدیِ سحر نمودار ہونے کے بعد امام حسین (علیہ السلام) بار بار آسمان کی طرف نگاہ اُٹھاتے اور کلمۂ استرجاع، ''إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ'' اور کلمۂ حوقلہ، ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ'' ادا فرماتے۔ آپ (علیہ السلام) جانتے تھے کہ آج آپ (علیہ السلام) اور آپ کے بھائی، بھتیجے، بھانجے، بیٹے، اقربا، اور رفقا سب شہید کر دیے جائیں گے۔ پس، آپ (علیہ السلام) بارگاہِ ربُّ العزت میں مناجات کر رہے تھے۔ مروی ہے کہ عام طور پر حجاج بن مسدوق (رضی اللہ عنہ) اذان دیا کرتے تھے لیکن آج امام (علیہ السلام) نے اذانِ فجر کے لیے حضرت علی اکبر (علیہ السلام) کو بُلا کر فرمایا، ''بیٹا علی (علیہ السلام)! آج تم اذان دو۔'' پس علی اکبر (علیہ السلام) نے اذانِ فجر بلند کی تو مادرِ علی اکبر (علیہا السلام) اور حضرت زینب خاتون (علیہا السلام) کے ہاتھ بھی بارگاہِ الٰہی میں بلند ہوگئے۔ اذان کے بعد سب نے خاک پر تیمم کیا کیونکہ پانی مُیسّر نہیں تھا اور امام (علیہ السلام) کی اقتدا میں نماز کے

---

[۱] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۵۲۳

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۲۷۷
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۹؛ سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف ص ۷۸

لیے صف آرا ہُوئے۔ قزوینی، بحوالہ کامل الزیارۃ، امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے روایت کرتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) نے نماز کے بعد اپنے اصحاب (رضی اللہ عنہم) کی طرف رُخ کیا اور فرمایا، ''خداوند عالم نے تمھیں شہید ہونے کی اجازت عطا فرمائی ہے، اس لیے اُٹھو اور کمر بستہ ہو جاؤ۔ آج کے دن تم میں سے کوئی نہیں بچے گا سوائے میرے فرزند زین العابدین (علیہ السلام) کے کیونکہ وہ سخت بیمار ہے۔'' اُس وقت جبرائیل (علیہ السلام) نے آسمان سے ندا دی، ''یا خیل اللہ ارکبی، اے لشکرِ خداوندی اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ، اے انصارانِ حق! جہاد کرو۔''[۱]

اہلِ حرم کے درمیان

قزوینی لکھتے ہیں کہ فریضۂ سحر ادا کرنے کے بعد حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے اسلحہ طلب فرمایا تو اہلِ حرم کو یقین ہو گیا کہ اب آپ (علیہ السلام) شہید ہو جائیں گے۔ پس، تمام گھر والے آپ (علیہ السلام) کے گرد جمع ہو گئے اور گریہ کرنے لگے۔ حضرت زینب (علیہا السلام) شدتِ غم سے نڈھال ہو گئی تھیں۔ امام (علیہ السلام) نے اُنھیں سنبھالا اور صبر کی تلقین کی۔ قزوینی نے معین الدین سے روایت کرتے ہُوئے لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کی آواز حضرت امام حسین (علیہ السلام)، حضرت زینب (علیہا السلام) اور دیگر اہلِ حرم نے بھی سُنی اور حضرت زینب خاتون (علیہا السلام) نے امام (علیہ السلام) سے فرمایا کہ بھائی! یہ تو آپ کے قتل کی خبر ہے۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ بہن! اس ندا سے پہلے میں نے خواب میں نانا جان کو دیکھا اور اُنھوں نے بھی میرے شہید ہونے کی خبر دی ہے۔ حضرت زینب (علیہا السلام) یہ سُن کر برداشت نہ کر سکیں اور آہ و فغان کرنے لگیں۔[۲]

قزوینی نے بحوالہ ریاض الاحزان، امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے روایت کی ہے کہ روزِ عاشورہ فجر کی نماز کے بعد امام حسین (علیہ السلام) نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تمھیں جہاد کی اجازت ہے، پس، دِین کے دشمنوں سے جنگ کرو، اللہ سے ڈرو اور صبر سے کام لو۔ آپ (علیہ السلام) کے اقربا اور رفقا کے لیے یہ پیغام جنت کی بشارت تھا چنانچہ سب مسلح ہو کر آپ (علیہ السلام) کے گرد جمع ہُوئے اور آپ (علیہ السلام) کی پاسبانی کرتے ہُوئے جامِ شہادت پینے پر تیار ہو گئے۔ دوسری طرف ابنِ سعد کے لشکر میں بھی جنگ کا طبل بجنے لگا۔[۳] بروایتے، ابھی نمازِ فجر کی تعقیبات ختم نہیں ہوئی تھیں کہ لشکرِ یزید جنگ کے لیے آمادہ ہُوا، اور اُس کا ایک حصّہ ہتھیار لہراتا ہُوا آگے بڑھ کر للکارنے لگا کہ جنگ کرو یا ابنِ زیاد کی اطاعت کرو۔ امام حسین (علیہ السلام) باہر تشریف

---

[۱] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۵۲۴ تا ۵۲۷

[۲] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۵۲۲

[۳] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۵۳۶

لائے اور افواج کا جم غفیر ملاحظہ فرمایا۔ آپ (علیہ السلام) نے قرآن مجید منگوا کر اپنے سر پر پھیلایا[1] اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی، ''الٰہی! ہر مصیبت میں تُو ہی میرا بھروسہ ہے، ہر مشکل میں تُو ہی میری اُمید ہے اور ہر اُس پریشانی میں جو مجھ پر نازل ہوئی تُو ہی میرا اطمینان اور تُو ہی میرا سہارا ہے۔ ایسے کتنے دُکھ درد ہیں جن سے دِل بے چین ہوجاتا ہے، چارہ سازی ختم ہوجاتی ہے، دوست ساتھ چھوڑ جاتے ہیں اور دشمن سخت کلام ہوجاتا ہے، مگر میں ہمیشہ تیری بارگاہ میں حاضر ہُوا اور تجھ ہی سے گزارش کی کیونکہ تیرے سوا ہر ایک کو چھوڑ کر میں فقط تیرا ہی طلب گار ہوں، پس تُو نے میرے تمام دُکھ درد زائل کیے اور میری مشکلات حل کیں، اور تُو ہی ہر نعمت کا مالک، ہر نیکی کا محور اور ہر اُمید کا مُنتہا ہے۔'' اس دُعا کے بعد آپ (علیہ السلام) نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زِرہ اور سحاب نامی خود زیب تن فرمائے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تلوار حمائل کی۔[2]

حسینی سپاہ

باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) نے نمازِ صبح کے بعد اپنے لشکر کی صفوں کو ترتیب دیا۔ آپ کا سارا لشکر تیس (۳۰) سواروں اور چالیس (۴۰) پیادوں پر مشتمل تھا۔ محمد بن ابی طالب نے لکھا ہے کہ بیاسی (۸۲) پیادے تھے۔ سیّد ابنِ طاووس (رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام) سے روایت کی ہے پینتالیس (۴۵) سوار اور سو (۱۰۰) پیادے تھے، اور ابنِ نما نے بھی یہی تعداد بیان کی ہے۔[3] قزوینی، بحوالہ شیخ مفید (رحمۃ اللہ علیہ) تحریر کرتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) نے نمازِ فجر کے بعد اپنی قلیل سپاہ کو آراستہ کیا جس میں بتیس (۳۲) سوار اور چالیس (۴۰) پیادہ سپاہی تھے۔ زُہیر بن قین (رضی اللہ عنہ) کو میمنہ کا اور حبیب ابن مظاہر (رضی اللہ عنہ) کو میسرہ کا سالار مقرر کیا، دونوں سالاروں کے درمیان مسلح اصحاب و انصار نے صف بندی کی۔ جب سپاہ کی ترتیب مکمل ہوگئی تو امام (علیہ السلام) نے جھنڈا سپرد کرنے کے لیے فاتحِ خیبر و بدر و حنین کے فرزند حضرت عباس (علیہ السلام) کو بالکل اُس انداز میں طلب فرمایا جیسے خیبر کے موقع پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے علم سُپرد کرنے کے لیے اُن کے بابا علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) کو طلب فرمایا تھا۔ حضرت عباس (علیہ السلام) اپنے شانوں پر ڈھال سجائے نہایت شان و شوکت سے تشریف لائے اور امام حسین (علیہ السلام) نے وہی موروثی علم اپنے ہاتھوں سے عباس (علیہ السلام) کو عطا کیا۔ عباس

---

[1] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا، ص ۲۴۲
بحوالہ: ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴، ص ۳۲۱

[2] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا، ص ۲۴۳
بحوالہ: محمد تقی لسان الملک سپہر، ناسخ التواریخ (حسینی)، ج ۲، ص ۲۲۵

[3] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۲۰

(علیہ السلام) نے پرچم اُٹھایا اور فخر ومباہات سے سرشار ہو کر فرمایا، ''الٰہی! سلطانِ دِین و دُنیا حسین ابنِ علی (علیہ السلام) کو فیروزمندی عطا فرما، کامیابی و کامرانی حسین ابنِ علی (علیہ السلام) کے زیرِ قدم ہو، شجرِ امامت قائم و دائم رہے، سپاہِ حسینی کے جوان دُشمن کی نظرِ بد سے محفوظ رہیں۔'' اُس وقت آپ کے چھ (۶) بھائی اور بنی ہاشم کے جوان آپ کے گِرد حلقہ بنائے ہُوئے تھے۔ اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

عبداللہؑ، جعفرؑ، عثمانؑ، ابوبکرؑ اور محمدؑ (اولادِ امام علی علیہ السلام)؛ قاسمؑ، احمدؑ، ابوبکرؑ، عبداللہؑ اور حسنؑ (اولادِ امام حسن علیہ السلام)؛ عبداللہؑ اور عبید اللہؑ (اولادِ مسلم بن عقیل علیہ السلام)؛ جعفرؑ، عبدالرحمٰنؑ، عبداللہؑ، محمدؑ بن ابی سعد بن عقیلؑ، موسیٰؑ، عونؑ اور محمدؑ (اولادِ حضرت عقیل علیہ السلام)؛ عون بن عبداللہ بن جعفرؑ اور محمد بن عبداللہ بن جعفرؑ (اولادِ جعفر بن ابی طالب علیہ السلام)؛ اور دیگر اقرباء جن کی مجموعی تعداد تیس (۳۰) تھی اور اُن میں اٹھارہ (۱۸) جوان بنی ہاشم کے تھے۔ [۱]

ابنِ اثیر نے لکھا ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) نے اپنے مختصر سے لشکر کی ترتیب و تنظیم اس طرح کی کہ میمنہ پر زُہیر بن قین (رضی اللہ عنہ) اور میسرہ پر حبیب بن مظاہر (رضی اللہ عنہ) کو تعینات کیا اور لشکر کا علم اپنے بھائی ابوالفضل العباس (علیہ السلام) کے سُپرد کیا۔ [۲]

امام (علیہ السلام) کے مجموعی ساتھیوں کی تعداد سے متعلق مؤرخین میں اختلاف ہے۔

مسعودی کا بیان ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھیوں کی تعداد اکسٹھ (۶۱) تھی۔ [۳]

ابنِ ابار لکھتے ہیں کہ سواروں اور پیادوں کی تعداد سترّ (۷۰) سے زیادہ تھی۔ [۴]

قاضی نعمان مغربی بھی لکھتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ ستر (۷۰) لوگ تھے۔ [۵]

یعقوبی کا بھی بیان ہے کہ اصحاب اور خاندانِ امام حسین (علیہ السلام) سے مجموعی طور پر باسٹھ (۶۲) یا بہتّر (۷۲) افراد امام حسین

---

[۱] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج۱ ص ۵۳۹ تا ۵۴۰

[۲] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا ص ۲۴۳ بحوالہ:
ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، تاریخ کامل، ج ۴ ص ۲۴

[۳] علی بن حسین مسعودی، اثبات الوصیہ، ص ۱۲۶

[۴] ابن ابار، محمد بن عبداللہ بن ابی بکر، (متوفی: ۶۵۸ ہجری)، دُرَرَ السمط فی خبر السبط، ص ۱۰۴

[۵] قاضی نعمان مغربی، شرح الاخبار، ج ۳ ص ۱۵۴
ابوزید احمد بن سہل بلخی، البدء والتاریخ، ج ۲ ص ۲۴۱

(علیہ السلام) کے ساتھ کربلا آئے تھے۔ [۱]

ابنِ حجر ہیثمی نے لکھا ہے کہ روزِ عاشورہ اسّی (۸۰) افراد امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ تھے۔ [۲]

ابنِ شہر آشوب نے امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھیوں کی تعداد (عاشورہ سے قبل) بیاسی (۸۲) بیان کی ہے۔ [۳]

بعض مؤرخین نے امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ کربلا میں وارد ہونے والے افراد کی تعداد نواسی (۸۹) بیان کی ہے جن میں پچاس (۵۰) افراد امام (علیہ السلام) کے اصحاب تھے، بیس (۲۰) افراد ابنِ سعد کو چھوڑ کر آپ (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوگئے، جب کہ اُنیس (۱۹) افراد کا تعلق آپ (علیہ السلام) کے اپنے خاندان سے تھا۔ ذہبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ سواروں کی تعداد بتیس (۳۲) تھی۔ [۴]

حَصین بن عبدالرحمٰن نے سعد بن عبیدہ کے حوالے سے کہا ہے کہ یومِ عاشورہ امام (علیہ السلام) کی سپاہ سو (۱۰۰) کے قریب تھی۔ [۵]

خوارزمی لکھتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) کے اصحاب کی تعداد ایک سو چودہ (۱۱۴) تھی۔ [۶]

سبط بن جوزی کا بیان ہے کہ روزِ عاشورہ امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھیوں کی تعداد ایک سو پینتالیس (۱۴۵) تھی جن میں سے پینتالیس (۴۵) سوار اور سو (۱۰۰) پیادے تھے۔ [۷]

عمار دہنی نے امام باقر (علیہ السلام) کے حوالے سے لکھا ہے کہ کربلا میں داخلے کے وقت امام حسین (علیہ السلام) کے ہمراہ ایک سو پینتالیس (۱۴۵) لوگ تھے۔ (۱۰۰ پیادے اور ۴۵ سوار) [۸]

---

[۱] احمد ابنِ ابو یعقوب ابنِ جعفر یعقوبی، (متوفی: ۸۹۷ء، بغداد، عراق)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۲۴۳

[۲] ابن حجر ہیثمی (متوفی: ۹۷۴ ہجری)، صواعق محرقہ، ص ۹۷

[۳] محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ھ، حلب)، مناقب آل ابی طالب، ج ۴ ص ۱۰۷

[۴] حافظ ابنِ عساکر، (متوفی: ۵۷۱ھ، دمشق، شام)، ترجمۃ الامام الحسین (علیہ السلام)، ص ۳۲۹
حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۳ ص ۲۹۸

[۵] طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۴ ص ۲۹۵؛ البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۴۲۴
حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، تاریخ الاسلام، ج ۵ ص ۱۵

[۶] محمد بن ابی طالب حسینی موسوی، تسلیۃ المجالس وزینۃ المجالس، ج ۲ ص ۲۷۵

[۷] سبط ابنِ جوزی، (متوفای ۶۵۴ق)، تذکرۃ الخواص، ج ۲ ص ۱۶۰

[۸] یحیی بن حسین بن اسماعیل جرجانی شجری، الامالی الخمیسیہ، ج ۱ ص ۱۹۱؛ سیّد ابن طاووسؒ، اللھوف فی قتلی الطفوف، ص ۶۰
ابوالفداء اسماعیل بن عمر ابنِ کثیر، (متوفی: ۷۷۴ھ، دمشق، شام) البدایۃ والنہایہ، ج ۸ ص ۲۱۴؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۴ ص ۲۹۲
ابنِ حجر عسقلانی، (متوفی: ۱۴۴۹ء، قاہرہ، مصر)، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج ۲ ص ۱۷؛ تہذیب التہذیب، ج ۲ ص ۳۰۴

ابنِ نما حلی کا کہنا ہے کہ امام باقر (علیہ السلام) سے عمار دہنی کی منقولہ روایت کا تعلق روزِ عاشورہ سے ہے۔ [1]

ذہبی کہتے ہیں کہ عاشورہ کے دن امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھیوں کی تعداد تین سو (۳۰۰) تھی۔ [2]

مسعودی ہی وہ واحد مؤرخ ہیں جنہوں نے مندرجہ بالا بیان کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ حُر کے لشکر کے ساتھ کربلا روانہ ہوتے وقت پانچ سو (۵۰۰) سوار اور سو (۱۰۰) پیدل افراد امام حسین (علیہ السلام) کے ہمراہ تھے۔ ابنِ جوزی اور علامہ مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) نے یہ روایت مسعودی سے نقل کی ہے، لیکن امام (علیہ السلام) کے ساتھیوں کی تعداد پانچ سو (۵۰۰) سواروں کے بجائے ایک ہزار (۱۰۰۰) سوار بیان کی ہے۔ [3]

سب سے زیادہ مشہور اور منقول قول کے مطابق امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھیوں کی تعداد بہتر (۷۲) تھی۔ [4]

چنانچہ، مندرجہ بالا روایات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بعض مؤرخین نے امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھیوں کی وہ تعداد بیان کی ہے جو مکہ سے ورودِ کربلا تک تھی اور بعض نے وہ تعداد بیان کی ہے جو چند لوگوں کے راہ سے الگ ہو جانے یا بقولے شبِ عاشور چلے جانے کے بعد تھی اور کچھ نے وہ تعداد بیان کی جو امام (علیہ السلام) کے ساتھ میدان میں اُترے اور

---

[1] ابنِ نما حلی، (متوفی: ۶۴۵ھ، کربلا، عراق)، مثیر الاحزان، ص ۳۹

[2] حافظ ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی، (متوفی: ۱۳۴۸ء، دمشق)، سیر اعلام النبلاء، ج ۵ ص ۴۸۹

[3] سبط ابنِ جوزی، (متوفای ۶۵۴ق)، تذکرۃ الخواص، ج ۲ ص ۱۶۱

علی بن حسین بن علی مسعودی، (متوفی: ۹۵۶ء، قاہرہ، مصر)، مروج الذہب، ج ۳ ص ۷۱

[4] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ الامم والملوک، ج ۴ ص ۳۲۰

شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۹۵

احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البلاذری، (متوفی: ۸۹۲ء، بغداد)، انساب الاشراف، ج ۳ ص ۳۹۵

ابن قتیبہ دینوری، (متوفی: ۸۸۹ء، بغداد)، الاخبار الطوال، ص ۲۵۶

احمد بن ابومحمد بن علی اعثم کوفی، (متوفی: ۹۲۶ء)، کتاب الفتوح، ج ۵ ص ۱۰۱

قاضی نعمان مغربی، شرح الاخبار، ج ۳ ص ۱۵۵

ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، دلائل الامامہ، ص ۱۷۸

محمد بن فتال نیشاپوری، (متوفی: ۵۰۸ھ، نیشاپور)، روضۃ الواعظین ص ۱۸۴

فضل بن حسن بن فضل طبرسی، (متوفی: ۵۴۸ھ، مشہد، ایران)، اعلام الوری باعلام الہدی، ج ۱ ص ۴۵۷

موفق بن احمد خوارزمی، (متوفی: ۵۶۸ھ)، مقتل الحسین (علیہ السلام)، ج ۲ ص ۶

سبط ابنِ جوزی، (متوفای ۶۵۴ق)، المنتظم، ج ۵ ص ۳۳۹

عمادالدین طبری، کامل بہائی (الکامل البہائی فی السقیفہ)، ج ۲ ص ۲۸۱

ابوالفداء اسماعیل بن عمر ابنِ کثیر، (متوفی: ۷۷۴ھ، دمشق، شام)، البدایۃ والنہایہ، ج ۸ ص ۱۹۲

جامِ شہادت نوش کیا۔ یہ تو بہرحال ایک قوی امکان ہے کہ سب مؤرخین نے الگ الگ مواقع کے پیشِ نظر تعداد بیان کی ہوگی، لیکن ان سب روایات کا بنظرِ غائر جائزہ لینے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام عالی مقام (علیہ السلام) کے ساتھیوں کی تعداد ستّر (۷۰) سے نوّے (۹۰) تک تھی اور مسعودی کی پانچ سو (۵۰۰) سے ایک ہزار (۱۰۰۰) تک کی روایت درست نہیں ہے۔

یزیدی لشکر

امام حسین (علیہ السلام) کی سپاہ کی تعداد کی طرح یزیدی لشکر کی تعداد میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مختلف منابع نے ان کی تعداد چھ ہزار (۶۰۰۰) سے چھپن ہزار (۵۶۰۰۰) تک بیان کی ہے۔ جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

سبط ابنِ جوزی نے ابنِ سعد کے لشکر کی تعداد چھ ہزار (۶۰۰۰) بیان کی ہے۔[۱]

طبری نے لکھا ہے کہ عمر بن سعد بن ابی وقاص کے لشکر کی تعداد چودہ ہزار (۱۴۰۰۰) تھی۔[۲]

ابنِ صباغ مالکی لکھتے ہیں کہ چھ محرم الحرام تک دشمن کی سپاہ کی تعداد بیس ہزار (۲۰۰۰۰) تک پہنچ چکی تھی۔[۳]

اعثم کوفی، خوارزمی، باقر مجلسی، ابنِ عماد حنبلی وغیرہ نے دشمنانِ امام حسین (علیہ السلام) کے سپہ سالاروں اور اُن کے ماتحت افراد کی کل تعداد بائیس ہزار (۲۲۰۰۰) بیان کی ہے۔[۴]

علی بن حسین مسعودی نے یہ تعداد اٹھائیس ہزار (۲۸۰۰۰) نقل کی ہے۔[۵]

امام سجاد اور امام صادق (علیہما السلام) سے منقول ہے کہ یزیدی لشکر کی تعداد تیس ہزار (۳۰۰۰۰) تھی ہے۔[۶]

---

[۱] سبط ابنِ جوزی، (متوفای ۶۵۴ق)، تذکرۃ الخواص، ج ۲ ص ۱۶۱

[۲] ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، دلائل الامامہ، ص ۱۷۸

[۳] ابنِ صباغ مالکی، (متوفی: ۸۵۵، یروشلم)، الفصول المہمہ، ص ۱۹۱

[۴] احمد بن ابو محمد بن علی اعثم کوفی، (متوفی: ۹۲۶ء)، کتاب الفتوح، ج ۵ ص ۸۴، ۹۰، ۱۰۱
موفق بن احمد خوارزمی، (متوفی: ۵۶۸ھ)، مقتل الحسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۴۱، ۳۴۵، ۳۴۵
ابن عماد حنبلی، شذرات الذہب، ج ۱ ص ۶۷
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۲۲۰

[۵] علی بن حسین مسعودی، اثبات الوصیہ، ص ۱۶۶

[۶] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۳۰

ابنِ عنبہ کے مطابق لشکرِ یزید کی تعداد اکتیس ہزار (۳۱۰۰۰) تھی۔ [۱]

ابنِ شہر آشوب نے لکھا ہے کہ یزیدی لشکر کی تعداد پینتیس ہزار (۳۵۰۰۰) تھی لیکن وہ لشکر کے ہر حصّے کے سالاروں اور اُن کے ماتحت افراد کی تعداد الگ الگ بیان کرتے ہُوئے پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) کر دیتے ہیں۔ [۲]

حسین بن حمدان خصیبی نے یزیدیوں کی تعداد سوار اور پیادہ ملا کر چھپن ہزار (۵۶۰۰۰) بیان کی ہے۔ [۳]

قزوینی نے لکھا ہے کہ عمر بن سعد کے لشکر میں مندرجہ ذیل علاقوں اور قبیلوں سے فوج اکھٹی کی گئی تھی:

شام، حلب، گروہِ خوارج، تکریت، ساباط، موصل، بصرہ، مدائن، عراق، حمیر، قبیلہ کندہ، آلِ مطعون، حیٔ جشم، طائف سکون، اہل عبادہ، مضر، قبائل ربیعہ، مذحج، خزاعہ، یربوع، محلب، نبط، شاکریہ، خزیمہ، مسجد بنی زہر، روسائے کوفہ، امرائے شام، اور سامان اور جانوروں کے متفرق نگران۔

روایت ہے کہ عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو قبیلوں کے حساب سے تقسیم کرتے ہُوئے مدینہ سے تعلق رکھنے والے سپاہیوں پر عبداللہ بن زُہیر ازدی کو مامور کیا، ربیعہ اور کندہ کے سپاہیوں پر قیس بن اشعث بن قیس کو، مذحج اور بنی اسد کے سپاہیوں پر عبداللہ بن ابی سبرہ جعفی کو اور تیم و ہمدان کے سپاہیوں پر حر بن یزید ریاحی کو مُعَیَّن کیا۔ اس کے علاوہ عمرو بن حجاج زبیدی کو میمنہ پر، شمر بن ذی الجوشن کو میسرہ پر، عروہ بن قیس احمسی کو سواروں پر، اور شبث بن ربعی کو پیادوں پر مامور کیا اور لشکر کی علمبرداری اپنے غلام درید کے سپُرد کی۔ [۴] اس تقرُّر و تعیُّن کے بعد عمر بن سعد اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی کرتا ہُوا آگے بڑھا اور امام حسین (علیہ السّلام) کی طرف رُخ کر کے کہا کہ صبح نمودار ہو چکی ہے۔ اُس کا مطلب یہ تھا کہ ایک شب کی مہلت ختم ہوگئی ہے اس لیے جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ قزوینی کا بیان ہے کہ اُس کا لشکر پورے میدانِ کربلا میں پھیلا ہُوا تھا۔ اُونٹوں کی بلبلاہٹ، گھوڑوں کی ہنہناہٹ، تلواروں کی جھنکار، نیزوں کی کھڑکھڑاہٹ، کمانوں کی چرچراہٹ اور فوج کے شور و غُل کی وجہ سے خیامِ حسینی میں بچے دہل رہے تھے اور عورتیں سہم گئی تھیں۔ طبل و ناقوس کی آوازیں بلند ہوئیں، ابنِ سعد نے لشکر کو حرکت

---

[۱] احمد بن علی بن حسین حسینی ابنِ عنبہ، (متوفی: ۸۲۸ ق)، عمدۃ الطالب، ص ۱۹۲

[۲] محمد بن علی ابنِ شہر آشوب، (متوفی: ۵۸۸ ھ، حلب)، مناقب آل ابی طالب، ج ۴ ص ۱۰۶

[۳] حسین بن حمدان خصیبی، الہدایۃ الکبری، ص ۲۰۲

[۴] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیث کربلا، ص ۲۴۳ بحوالہ: ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ ھ، موصل، عراق)، تاریخ کامل، ج ۴ ص ۲۴

دی تو گرد و غبار اُٹھا، فوجِ ناہنجار کی ہاؤ ہُو کی صدائیں گونجنے لگیں تو دینِ اسلام گویا کفِ افسوس ملنے لگا کہ اعدائے دِین سفینۂ اسلام کو غرق کرنے اور فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو قتل کرنے کو تیار تھے۔ [1]

خندق میں آگ روشن کر دو

امام حسین (علیہ السّلام) نے ساتھیوں کو حکم دیا تھا کہ خیام کی حفاظت کے لیے جو خندق کھود کر لکڑیوں سے بھر دی گئی تھی اُس میں آگ روشن کر دو تاکہ دشمن خیموں کے عقب سے حملہ نہ کر سکے۔ یزیدی فوج نے خیامِ حسینی کا محاصرہ کیا تو اُنھیں خندق کی آگ نظر آئی۔ شمر نے آگ کو دیکھ کر با آوازِ بلند امام حسین (علیہ السّلام) کو مخاطب کیا اور کہا ''اے حسین (علیہ السّلام)! تم نے آتشِ دُنیا کو قبل از آتشِ آخرت اختیار کر لیا۔'' امام (علیہ السّلام) نے اصحاب سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ کیا یہ شمر بن ذی الجوشن ہے؟ اُنھوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ (علیہ السّلام) نے شمر سے کہا ''اے بکریاں چرانے والی کے بچے! تُو، یہ کہہ رہا ہے؟ تُو ہی تو آتشِ جہنم کا سزاوار ہے۔'' حضرت مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) نے چاہا کہ شمر کو تیر مار کر اُسی وقت جہنم واصل کر دیں مگر امام حسین (علیہ السّلام) نے اُنھیں یہ کہہ کر روک دیا کہ جنگ میں پہل کرنا مجھے پسند نہیں۔ [2]

جبیرہ کلبی

صدر الدین قزوینی نے مقتل ابی مخنف کے حوالے سے خندق کی آگ کو دیکھ کر طنز کرنے والے کا نام جبیرہ کلبی لکھا ہے اور روایت اس طرح بیان کی ہے کہ ایک شقی لشکرِ ابنِ سعد سے نکلا اور اُس نے امام حسین (علیہ السّلام) کی طرف رُخ کر کے کہا کہ تم نے (معاذ اللہ) جہنم میں جانے سے پہلے ہی آتش کا مزہ چکھ لیا۔ آپ (علیہ السّلام) نے اپنے اصحاب سے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ جبیرہ کلبی ہے۔ آپ (علیہ السّلام) نے بارگاہِ ربِ جلیل میں عرض کی کہ پروردگار اس کو آگ کا مزہ چکھا۔ ناگاہ اُس کا گھوڑا بِدک گیا جس کی وجہ سے وہ آگ میں گِر کر ہلاک ہو گیا۔ اُس وقت اصحابِ حسین نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور کہا کہ شکستہ دِل کی دُعا جلد قبول ہوتی ہے۔ اسی اثنا میں ایک آسمانی آواز آئی کہ اے حسین (علیہ السّلام)! اے پسرِ فاطمہ (علیہا السّلام)! بشارت ہو کہ تمھاری دُعا مستجاب ہے اور اللہ سے جو مانگو گے فوراً عطا کیا جائے گا۔ [3]

---

[1] آقائی صدر الدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۵۴۸

[2] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا، ص ۲۰؛ طبری، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۰۸
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السّلام) حصّہ اوّل ص ۲۲۱

[3] آقائی صدر الدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۵۶۶؛ ینابیع المودۃ: ۴۱۰

عبداللہ بن جوزہ تمیمی

طبری اور ابومخنف نے خندق کی آگ دیکھ کر طنز کرنے والے کا نام، عبداللہ بن جوزہ لکھا ہے۔ علامہ طالب جوہری لکھتے ہیں کہ حسین ابوجعفر نے ابومخنف کے حوالے سے روایت کی ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) کے سامنے بنوتمیم کا ایک شخص عبداللہ بن جوزہ آ کر کھڑا ہوگیا اور آپ (علیہ السلام) کو آوازیں دینے لگا۔ امام حسین (علیہ السلام) نے ارشاد فرمایا، ''تُو کیا چاہتا ہے؟'' اُس نے کہا، ''آپ کو آگ کی بشارت ہو۔'' امام (علیہ السلام) نے فرمایا، ''ہرگز نہیں، (تُو جھوٹا ہے) میں تو ایسے رَب کی بارگاہ میں جا رہا ہوں جو مہربان، شفیع اور لائقِ اِطاعت ہے۔ پھر آپ (علیہ السلام) نے اصحاب سے پوچھا، ''یہ کون ہے؟'' اُنھوں نے کہا، ''یہ ابنِ جوزہ ہے۔'' آپ (علیہ السلام) نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی، ''پروردگار! اسے آتشِ جہنم میں جھونک۔'' ناگاہ اُس کا گھوڑا بھڑک اُٹھا، اُس کا پاؤں رکاب میں پھنس گیا اور وہ سر کے بل زمین پر آیا۔ مشتعل گھوڑا اُسی عالم میں بھاگتا رہا اور اُس کا سر پتھروں اور درختوں سے ٹکراتا رہا یہاں تک کہ وہ ہلاک ہوگیا۔ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ جب امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا کہ خداوندا اس شقی کو آتشِ دوزخ کی طرف کھینچ، تو فوراً اُس کے گھوڑے نے زقند لگائی اور نہر میں جا گرا۔ اُس کا ایک پاؤں رکاب میں اُلجھ گیا اور دُوسرا فضا میں بلند ہوگیا۔ اُس وقت مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) نے تلوار سے اُس کا پاؤں کاٹ ڈالا۔ گھوڑا نہر سے نکل کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگا اور اُس کا نجس سر پتھروں اور درختوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا یہاں تک کہ آتشِ جہنم نے اُسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ ایسی ہی ایک روایت میں عبداللہ بن جوزہ کی جگہ ابنِ ابی جویریہ مزنی کا نام بھی آیا ہے۔[1] اور ایک روایت میں مالک بن جوزہ کا ذکر ہے۔[2]

مسروق بن وائل

نقل کیا گیا ہے کی عمر سعد کے لشکر میں مسروق بن وائل نامی شخص جو ہراول دستے میں آگے آگے تھا تا کہ حسین (علیہ السلام) کو شہید کر کے آپ (علیہ السلام) کا سرِ اقدس حاصل کرے اور ابنِ زیاد کی نگاہ میں اپنی منزلت بنائے، ابنِ جوزہ کا انجام دیکھ کر ایسا خوفزدہ ہُوا کہ اپنا دستہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور جب اُس سے فرار کی وجہ پوچھی گئی تو اُس نے کہا، ''میں نے ان اہلِ بیت (علیہم السلام) میں ایسی چیز دیکھی ہے کہ اُن سے ہرگز جنگ نہیں کروں گا۔[3]

---

[1] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا، ص ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۶
طبری، (متوفی: ۹۲۳ء)، تاریخ طبری، ج ۴، حصّہ اوّل ص ۲۱۴؛ مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ حصّہ اوّل ص ۲۶

[2] فتوح، ۵:۱۰۸ (www.alhaasnain.org/m/urdu/?com=book&id=97&page=3)

[3] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا ص ۲۴۵ بحوالہ: طبری، تاریخ طبری، ج ۴، حصّہ اوّل ص ۲۱۴

امام حسین (علیہ السلام) کا استغاثہ اور جنات، ملائکہ اور ارواحِ انبیا (علیہم السلام) کی آمد

قزوینی نے کتاب الریاض کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عاشورہ کے دن جنگ شروع ہونے والی تھی کہ امام حسین (علیہ السلام) نے ایک آہِ جگرسوز کھینچی اور بروایتِ ابی مخنف، فرمایا،

”أَمَا مِنْ مُغِيثٍ يُغِيثُنَا لِوَجْهِ اللهِ؟ أَمَا مِنْ ذَابٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُولِ اللهِ؟“

(ہے کوئی فریادرس جو اللہ کے لیے ہماری مدد کرے؟ ہے کوئی ناصر جو دشمنوں کے شر کو حرمِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دفع کرے؟)

یہ آوازِ استغاثہ بروایتے دربندی، فلک و ملک اور تمام گروہ ملائکہ اور اجنہ اور انبیا و مُرسلین نے سنی۔ سب نے لبیک کہا اور جنات مدد و یاوری کے لیے خدمتِ امام حسین (علیہ السلام) میں حاضر ہُوئے۔ اور، شیخ اپنی کتاب المنتخب میں فرماتے ہیں کہ کربلا میں جب امام حسین (علیہ السلام) نے استغاثہ بلند کیا تو جنات کی فوج نے لبیک کہا اور وہ کربلا میں پہنچے اور امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں عرض کی، ”اے سبطِ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم آپ کی نصرت و یاوری کے لیے آئے ہیں، ہمیں حکم دیجیے کہ ان ملاعین کو قتل و غارت کر دیں۔“ حضرت (علیہ السلام) نے اُن کو دُعا دی اور فرمایا، ”میرا استغاثہ تو ان لوگوں سے اتمامِ حُجت کے لیے ہے۔“ یعنی میں اپنے جد رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فرمانِ واجبُ الاذعان (واجبُ الاطاعت) کی مخالفت نہیں کروں گا۔ مجھے میرے نانا نے بہت جلد اپنے پاس بلایا ہے... الخ۔“ [1] قزوینی، ابوطاہر محمد بن الحسین کی کتاب معالم الدین سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اُنھوں نے اپنے پدر بزرگوار امام محمد باقر (علیہ السلام) سے سُنا کہ صبحِ روزِ عاشورہ جب لشکرِ عمر بن سعد، امام حسین (علیہ السلام) کی سپاہ سے جنگ پر آمادہ ہو گیا اور مُفاہمت کے دروازے بند ہو گئے تو اُس وقت ملائکہ کی فوج نازل ہوئی اور امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں عرض کی کہ خدائے ذوالجلال والاکرام نے آپ کو اختیار دیا کہ آپ حکم دیں تو ہم دشمن کی فوج کو تہ تیغ کر دیں اور آپ منصور و مظفر ہوں یا آپ جامِ شہادت نوش فرمائیں اور عالمِ جاودانی کی طرف تشریف لے جائیں۔ پس آپ کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیں اور آپ جو بھی منتخب کریں گے اُس سے آپ کے مدارج میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ یہ سُن کر امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں اللہ کی راہ میں قربان ہونے کو پسند کرتا ہوں۔ پس آپ (علیہ السلام) نے ملائکہ کو اذنِ جہاد نہیں دیا۔ جن و ملک کے بعد انبیا و مرسلین (علیہم السلام) کی ارواح اور تمام عالم کی ہر ایک شے نے بھی نصرت کی پیش کش کی لیکن امام حسین (علیہ السلام) نے کسی کی مدد قبول نہ کی۔ [2]

---

[1] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۵۶۸

[2] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۵۶۹

علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۲۹

بُریر (رضی اللہ عنہ)! تم جا کر حُجّتِ خدا تمام کرو

باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ جب عمر سعد کا لشکر صف آرا ہُوا تو امام حسین (علیہ السلام) اپنے گھوڑے پر سوار ہُوئے اور جوانوں کو ساتھ لے کر مخالف لشکر کی طرف روانہ ہُوئے۔ حضرت بُریر بن خُضیر (رضی اللہ عنہ) آگے آگے تھے۔ آپ (علیہ السلام) نے اُن سے فرمایا کہ بُریر! تم جا کر ان پر حُجتِ خدا تمام کرو۔ بُریر (رضی اللہ عنہ) سیاہ رُوسیاہ کے سامنے پہنچے اور فرمایا، ''اے گروہِ بے حیا! خدا سے ڈرو، اہلِ بیتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تمہارے شہر میں تشریف لائے اور تمہارے مہمان بنے، تم ان سے متعلق کیا ارادے رکھتے ہو؟'' اشقیا نے کہا، ''ہم چاہتے ہیں کہ ان کا ہاتھ دستِ ابنِ زیاد میں دیں تا کہ وہ جو چاہے ان سے متعلق فیصلہ کرے۔'' بُریر (رضی اللہ عنہ) نے کہا، ''کیا تم اس پر راضی نہیں کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) اپنے وطن واپس چلے جائیں؟ وائے ہو تم پر اے اہلِ کوفہ! تم نے اپنے عہد و پیمان اور بَیعَت کو توڑ ڈالا اور اپنے خطوط سے منحرف ہو گئے۔ اور اب چاہتے ہو کہ ابنِ زیاد کو ان پر مسلط کر دو اور آبِ فرات ان پر بند کر دو۔ اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی ذُرّیّت کے ساتھ تم کیسا بُرا سلوک کر رہے ہو۔ روزِ قیامت خدا تمھیں سیراب نہ کرے، تم بدترین لوگ ہو۔'' لشکرِ ابنِ سعد میں سے ایک شخص نے کہا، ''اے بُریر! میں نہیں جانتا تم کیا کہہ رہے ہو؟'' بُریر (رضی اللہ عنہ) نے کہا، ''الحمدللہ! میری بصیرت تو تمہارے کفر و ضلالت کی وجہ سے بڑھ گئی ہے۔ الٰہی! میں پناہ مانگتا ہوں تیری ان کے افعالِ بد سے۔ یہ منافق آپس میں لڑ مریں اور تیرے غضب سے ان کا قلع قمع ہو۔'' حضرت بُریر (رضی اللہ عنہ) کی تقریر کا جواب یزیدی فوج نے تیروں سے دیا۔ وہ، امام عالی مقام (علیہ السلام) کی خدمت میں واپس پہنچے تو آپ (علیہ السلام) اتمامِ حُجّت کے لیے خود آگے بڑھے اور فرقۂ گمراہ کے مقابل کھڑے ہو کر یزیدی لشکر پر نگاہ دوڑائی جو تا حدِ نگاہ پھیلا ہُوا تھا۔ آپ (علیہ السلام) نے عمر بن سعد کی طرف دیکھا جو رُوسائے کوفہ کے درمیان کھڑا تھا۔ [1]

امام حسین (علیہ السلام) کا یزیدی فوج سے خطاب

امام حسین (علیہ السلام) نے یزیدی فوج کو مخاطب کرتے ہُوئے فرمایا، ''میں حمد کرتا ہوں اُس خدا کی جس نے دُنیا کو خلق کیا اور نیستی و فنا کا گھر قرار دیا اور اہلِ دُنیا کا گونا گوں حالات میں امتحان لیا۔ فریب خوردہ ہے وہ شخص جو اس دُنیا کے دھوکے میں آ گیا۔ پس، اس دُنیا سے فریب نہ کھانا کیونکہ اس نے ہر اُمیدوار کی اُمیدوں کو قطع کیا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایک ایسے کام پر جمع ہو چکے ہو جس کے سبب خدا تم پر غضبناک ہو گیا ہے اور اُس نے تم سے مُنھ پھیر لیا ہے اور تم غضبِ الٰہی کے مستحق ہو کر اُس کی رَحمت سے دُور ہو گئے ہو۔ عظیم ہے ہمارا خدا اور تم بُرے لوگ ہو کہ پہلے اقرارِ عبودیت کیا اور بظاہر پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۲۱
سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۵۹ تا ۶۰

پر ایمان لائے اور اب اُن کی عترت پر ہجوم کر کے اُن کے قتل کے درپے ہو۔ بہ تحقیق، کہ شیطان تم پر غالب ہو چکا ہے اور یادِ خدا تمہارے دلوں سے محو ہو چکی ہے۔ بُرا ہو تمہارا اور ہلاکت ہو تمہارے لیے اور جن چیزوں کا تم نے ارادہ کیا ہے۔'' پھر فرمایا، ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ یہی ہے وہ قوم جو ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئی اور ظالموں کے لیے تو درگاہِ خدا سے دُوری ہی ہے۔'' عمر سعد نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وائے ہو تم پر، ان کی بات کا جواب دو۔ جانتے نہیں ہو کہ یہ علی (علیہ السلام) کے بیٹے ہیں، اگر اسی طرح کلام کرتے رہے تو اس کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ اُس وقت شمر بن ذی الجوشن نے کہا، ''اے حسین (علیہ السلام)! اپنا مطلب مجھ سے بیان کریں۔'' فرمایا، ''خدا سے ڈرو اور میرے قتل سے باز آؤ۔ اس لیے کہ میرا قتل کرنا اور میری حُرمت کی توہین کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ میں تمہارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بیٹا ہوں اور میری دادی خدیجۃُ الکبریٰ دخترِ خویلد ہیں۔ تم نے میرے اور میرے بھائی حسن (علیہ السلام) سے متعلق یہ فرمانِ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سنا ہوگا کہ حسن و حسین (علیہما السلام) جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔'' آپ (علیہ السلام) کی تقریر سُن کر شمر ذی الجوشن نے کہا، ''میں اللہ کی عبادت ایک حرف پر کرتا ہوں اور نہیں جانتا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' حبیب ابنِ مظاہر (رضی اللہ عنہ) نے اُسے کہا کہ تُو ایمان سے بے بہرہ ہے اور سچ ہے کہ تُو ہماری بات کو سُن سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے۔ اب کوئی نصیحت تجھ پر اثر نہیں کرے گی کیونکہ تیرے دِل پر خدا نے مُہر لگا رکھی ہے۔ [1]

بروایتے، آپ (علیہ السلام) نے فرمایا، ''اے عراق والو! میری بات سنو، جلد بازی نہ کرو، جو باتیں تم سے کہنا ضروری ہیں مجھے کہہ لینے دو، اور تمہارے ہاں میرے آنے کا جواز مجھے بیان کرنے دو۔ اگر تم نے میرا عذر مان لیا، میری بات کو جان لیا اور میرے ساتھ انصاف کیا تو تم نے نیکی حاصل کر لی، پس تم مجھے موردِ الزام نہ ٹھہرا سکو گے۔ اور اگر تم نے میرا استدلال تسلیم نہ کیا اور میرے ساتھ انصاف نہ کیا تو پھر جو چاہو کرو، اپنے ساتھیوں کو پکارو اور اچھی طرح جان لو کہ اب تمھیں کوئی تردّد نہیں اس لیے میرے ساتھ جو چاہو سلوک کرو اور مجھے ذرا مُہلت نہ دو۔ اللہ ہی میرا سہارا ہے جس نے کتاب کو نازل کیا ہے اور وہی تو ہے جو نیک بندوں کو دوست رکھتا ہے۔'' جب سب لوگوں آپ (علیہ السلام) کی طرف متوجہ ہو کر آپ کا کلام سننے لگے تو آپ نے باقاعدہ خطبہ شروع کیا۔ آپ (علیہ السلام) نے حمد و ثنائے الٰہی اور محمد و آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر دُرود و سلام سے اپنے خطبے کا آغاز کیا اور ایسی حمد و نعت بیان فرمائی جسے دامنِ قرطاس میں سمویا نہیں جا سکتا، اور پھر ایسا فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ طبری نے لکھا ہے کہ آپ (علیہ السلام) فرمایا، ''میرے خاندان کا خیال کرو (اور غور کرو) کہ میں کون ہوں؟ پھر اپنے دل سے پوچھو کہ کیا مجھے قتل کرنا، میری ہتکِ حُرمت کرنا تم پر حلال ہے؟ کیا میں تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نواسہ نہیں ہوں؟ کیا میں تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وصی اور ابنِ عم (علی ابن ابی طالب علیہ السلام) کا فرزند نہیں ہوں؟ وہ (علی ابن ابی طالب علیہ السلام) جو اللہ پر سب

---

[1] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۳ھ، کاظمین، عراق)، الارشاد، ج ۲ ص ۳۰

سے پہلے ایمان لائے اور اُن احکام کی تصدیق کی جو اللہ کی طرف سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہُوئے۔ کیا سیّد الشہدا حمزہ (رضی اللہ عنہ) میرے والد کے چچا نہیں ہیں؟ کیا جنت میں دو پروں سے پرواز کرنے والے شہید جعفر طیار (رضی اللہ عنہ) میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم میں سے کسی نے نہیں سُنا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرے اور میرے بھائی (امام حسن علیہ السلام) سے متعلق یہ فرمایا کہ یہ دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ اگر تم میری تصدیق کرو تو ٹھیک ہے ورنہ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ حق بات ہے۔ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جھوٹ بولنے والے سے خدا بیزار ہے اور جھوٹے کو اُس کے جھوٹ سے ضرر پہنچتا ہے۔ ہاں! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں غلط بیانی کر رہا ہوں تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو میری بات کی تصدیق کریں گے پس تم اُن سے پوچھو، جابر بن عبداللہ انصاری، ابوسعید خدری، سہل بن سعد، زید بن ارقم اور انس بن مالک بھی اُنھیں میں سے ہیں، تم ان سے پوچھو۔ یہ لوگ تم سے بیان کریں گے کہ انھوں نے میرے اور میرے بھائی کی نسبت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہی فرماتے ہُوئے سُنا ہے۔ کیا یہ اَمر بھی میرا خون بہانے سے تمھیں نہیں روکتا؟'' آپ (علیہ السلام) کی گفتگو جاری تھی کہ شمر بن ذی الجوشن آپ کا انکار کرتے ہُوئے بولا ''میں نہیں جانتا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' حبیب بن مظاہر (رضی اللہ عنہ) نے اُسے جواب دیا، ''واللہ! تُو سچ کہتا ہے کہ تیری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت (علیہ السلام) کیا فرما رہے ہیں کیونکہ تیرے دِل پر خدا نے مُہر لگا دی ہے۔'' امام حسین (علیہ السلام) نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہُوئے فرمایا، ''کیا تمھیں اس میں بھی شک ہے کہ میں تمھارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نواسہ ہوں؟ واللہ! اس وقت مشرق سے مغرب تک میرے علاوہ کوئی شخص خواہ وہ تم میں سے ہو یا ہم میں سے ہو، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نواسہ نہیں ہے۔ جان لو کہ اس وقت میں ہی تمھارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا واحد نواسہ ہوں، اور مجھے بتاؤ کہ کیا تم اس لیے میرے درپے ہو کہ میں نے تم میں کسی کو قتل کیا ہے؟ یا زخمی کیا ہے؟ یا تمھارا مال لُوٹا ہے؟ جس کا قصاص مجھ سے چاہتے ہو۔'' کسی نے امام (علیہ السلام) کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تو آپ نے پکار کر کہا، ''اے شبث بن ربعی!، اے حجار بن الجبر!، اے قیس بن اشعث!، اے یزید بن حارث! کیا تم لوگوں نے مجھے یہ نہیں لکھا تھا کہ میوے پک گئے ہیں، باغ سرسبز ہو چکے ہیں، تالاب چھلک رہے ہیں، اور آپ کی نصرت کے لیے یہاں لشکر آراستہ ہیں اس لیے تشریف لائیے؟'' وہ لوگ صاف مُکر گئے اور کہا، ''ہم نے نہیں لکھا تھا۔'' آپ (علیہ السلام) نے فرمایا، ''واللہ! تم نے لکھا تھا۔ لیکن میرا آنا اگر تمھیں ناگوار گزر رہا ہے تو مجھے دُنیا کے کسی گوشۂ امن میں جانے دو۔'' قیس بن اشعث بولا ''آپ اپنے قرابت داروں کے حکم پر سر کیوں نہیں جھکا دیتے؟ یہ سب آپ سے اُسی طرح پیش آئیں گے جیسا آپ چاہیں گے اور ان کی طرف سے کوئی امر آپ کے ناگوارِ خاطر ہرگز نہیں ہوگا۔'' امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا، ''آخر تُو محمد بن اشعث ہی کا بھائی ہے ناں (جس نے کوفہ میں مسلم بن عقیل علیہ السلام کو دھوکے سے گرفتار کر کے شہید کروایا تھا۔) اور اب تُو یہ چاہتا ہے کہ مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کے خون

سے بڑھ کر بنی ہاشم کو تجھ سے مطالبہ ہو (یعنی تُو یہ چاہتا ہے کہ ہم بنی ہاشم، مسلم بن عقیل علیہ السلام کے خون کا سودا کرلیں۔) نہیں، خدا کی قسم نہیں، میں اُن ذلیل لوگوں کی طرح نہیں ہوں جنہوں نے اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے دیا اور نہ ہی میں غلاموں کی طرح ہوں کہ تمہاری اطاعت کروں یا بھاگ جاؤں۔ [۱]

خطبہ دینے کے بعد امام (علیہ السلام) نے اپنے ناقے کو بٹھا دیا اور عقبہ بن سمعان نے آپ (علیہ السلام) کے حکم پر اُس کا گھٹنا باندھ دیا۔ اسی اثنا میں یزیدی سپاہی آپ (علیہ السلام) پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے تو حُر بن یزید ریاحی نے عمر بن سعد کی طرف دیکھا اور کہا، ''اے عمر! کیا تم ان (حسین علیہ السلام) سے جنگ کرو گے؟'' عمر بن سعد نے جواب دیا، ''ہاں! خدا کی قسم! بڑی سخت جنگ کروں گا، جس میں سر گریں گے اور بازو کٹیں گے۔'' حُر نے کہا، ''تم ان (امام حسین علیہ السلام) کی پیشکش قبول کیوں نہیں کرتے؟'' عمر بولا، ''اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ایسا کرتا لیکن تیرا امیر (ابنِ زیاد) نہیں مانتا۔'' [۲]

حُر (رضی اللہ عنہ) میں تغیّر

حُر بن یزید ریاحی (رضی اللہ عنہ) جو امام حسین (علیہ السلام) کو گھیر گھار کر کربلا تک لائے تھے پہلے ہی دل و دماغ میں اُٹھنے والے گرداب میں کبھی ڈوب رہے تھے کبھی اُبھر رہے تھے، عمر سعد کی بات سُن کر باطل کے بھنور سے نکل آئے اور اپنے ساتھی قرۃ بن قیس کے قریب ہو کر پوچھا، ''اے قرہ! کیا تم نے آج اپنے گھوڑے کو پانی پلایا ہے؟'' قرہ نے کہا، ''نہیں۔'' حُر بولے، ''تو کیا اُسے سیراب نہیں کرو گے؟'' قرہ بن قیس کا بیان ہے کہ میں سمجھا کہ حُر جنگ سے گریز پا ہے اور نہیں چاہتا کہ میں اُسے ایسا کرتے ہُوئے دیکھوں۔ پس، میں نے اُسے کہا کہ میں گھوڑے کو پانی پلانے جا رہا ہوں۔ حُر اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور آہستہ آہستہ حسین (علیہ السلام) کی طرف بڑھنے لگا۔ خدا کی قسم! اگر وہ مجھے اپنے ارادے سے آگاہ کرتا تو میں بھی اُس کے ساتھ حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ حُر، جب امام حسین (علیہ السلام) کی طرف بڑھ رہا تھا تو مہاجر بن اوس نے اُس سے کہا کہ اے حُر! کیا کرنا چاہتے ہو؟ کیا تمہارا ارادہ حملہ کرنے کا ہے؟ حُر نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس پر کپکپی طاری ہو گئی، اُس نے کانپتے ہُوئے قدم بڑھایا اور لوگوں سے ہٹ کر ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ اُس کے ساتھ اُس کی قوم کا ایک شخص تھا جسے اُس پر شک گزرا تو کہنے لگا، ''خدا کی قسم! میں نے کسی میدانِ جنگ میں تمہاری ایسی حالت نہیں دیکھی۔ کوئی مجھ سے پوچھتا کہ کوفہ کا

---

[۱] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴، حصّہ اوّل، ص ۲۰۹ تا ۲۱۰
شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الارشاد) ص ۳۰۹ تا ۳۱۰
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۲۲ تا ۲۲۳
سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۵۲ تا ۵۴

[۲] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الارشاد) ص ۳۱۰
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۲۷

سب سے بڑا بہادر کون ہے تو میں تمہارے علاوہ کسی کا نام نہ لیتا، لیکن اس وقت میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں؟'' حُر نے کہا، ''واللہ! میں اپنے نفس کو جنّت اور جہنّم کے درمیان مُعلّق محسوس کر رہا ہوں لیکن میں جنّت پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دوں گا چاہے میرے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مجھے جلا دیا جائے۔'' یہ کہہ کر حُر نے اپنے گھوڑے کو چابُک رسید کیا اور امام عالی مقام (علیہ السلام) سے جا ملے۔ [1]

صدرالدین قزوینی ابی مخنف کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) کی صدائے استغاثہ (ہے کوئی جو مجھ جیسے غریب کی مدد کرے اور میرے دشمنوں کو مجھ سے دُور کرے) حُر بن یزید ریاحی کی سماعت سے ٹکرائی تو اُس پر گہرا اثر ہُوا۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا اور سوچنے لگا کہ میں نے یہ کیا کر دیا جو حسین (علیہ السلام) کو گھیر کر یہاں لے آیا اور وہ یوں بے کس و مجبور ہو گئے۔ پس! امام حسین (علیہ السلام) کی محبت نے جوش مارا اور اُس نے اُن کی مدد کرنے کا عزم کر لیا۔ توفیقِ الٰہی شاملِ حال ہوئی تو شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہتے ہُوئے تازیانہ لے کر گھوڑے پر سوار ہُوا اور عمر بن سعد کے پاس پہنچ کر کہا، ''اے عمر! کیا واقعی تم اس غریب و بے کس سے کشت و خون کرو گے یا یہ لشکر کشی محض بَیعت لینے کے لیے ہے؟'' ابنِ سعد بولا ''مفاہمت کی بات چیت تو ختم ہو چکی ہے، اب تو صرف قتلِ حسین باقی ہے۔ ہمارے امیر ابنِ زیاد نے ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ حسین سے بَیعت لو یا اُن کا بُریدہ سر دربار میں پیش کرو۔'' یہ سُن کر حُر کا رنگ فق ہو گیا۔ ابنِ سعد سے کہا، ''تو فاطمہ (علیہا السلام) کے فرزند کو قتل کرے گا تو روزِ حشر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کیا مُنہ دکھائے گا؟ کیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ نہیں فرمایا کہ حسن (علیہ السلام) اور حسین (علیہ السلام) دونوں امام ہیں اور تم امام منصوص منَ الرّسول کی اطاعت سے انحراف کرتے ہو اور یزید بدبخت کو امیر مانتے ہو؟ حسین (علیہ السلام) نے تمھیں چند شرائط پیش کی تھیں، جن میں ایک یہ بھی تھی کہ مجھے کسی دوسری طرف جانے دو جہاں میں اپنی باقی ماندہ زندگی گزار لوں گا، لیکن تم نے اُن کی کوئی بھی بات نہیں مانی۔'' عمر سعد نے کہا، ''میں مجبور ہوں۔'' یہ سُن کر حُر نے اپنے پیچھے دیکھا۔ عقب میں اُس کا بیٹا تیر کمان لیے موجود تھا، دوسری طرف اُس کا چچازاد بھائی قرۃ بن قیس ریاحی کھڑا تھا۔ حُر نے قرۃ بن قیس سے کہا، ''کیا تم نے اپنے گھوڑے کو پانی پلایا ہے؟ جاؤ اسے سیراب کرو۔'' قرۃ سمجھ گیا کہ حُر اُسے وہاں سے ہٹانا چاہتا ہے۔ اتنے میں امام حسین (علیہ السلام) کی صدائے استغاثہ پھر بلند ہوئی تو حُر کا جگر پاش پاش ہو گیا۔ اُس نے قرۃ سے کہا، ''کیا تم حسین (علیہ السلام) کا استغاثہ سُن رہے ہو؟ بہتر ہو گا کہ ہم اس لشکرِ ضلالت شعار سے نکل کر لشکرِ حق سے ملحق ہو جائیں، جگر گوشۂ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نصرت کریں اور لشکرِ بے دیں کو پارہ پارہ کر دیں.... الخ'' قرۃ نے کہا، ''مجھے اس سے کوئی سروکار

---

[1] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۲ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الارشاد)، ص ۳۱۰ تا ۳۱۱
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۲۸
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصّہ اوّل، ص ۲۱۳

نہیں۔'' اُس سے مایوس ہونے کے بعد حُر نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اور کہا، ''میرے بیٹے! تمہاری کیا رائے ہے؟ مجھے تو جہنم کی آگ منظور نہیں، نہ ہی مجھ میں اتنی سکت ہے کہ روحِ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے دشمنی کروں اور خدائے قہار کا عذاب برداشت کر سکوں۔ پس چلو، حسین (علیہ السلام) کی طرف تاکہ اس بے کسی میں ہم اُن کی یاوری کریں۔'' حُر کے بیٹے نے کہا، ''بابا! حسین (علیہ السلام) پر اپنی جان قربان کرنے کو میں تیار ہوں، آپ مجھے اپنا مطیع پائیں گے۔'' چنانچہ دونوں باپ بیٹا فوجِ اشقیا سے نکل کر امامِ عالی مقام (علیہ السلام) کی طرف بڑھے۔ اُس وقت اُن کے ایک ساتھی اوس مہاجر نے حُر سے دریافت کیا، ''سردار! کہاں جا رہے ہو؟'' حُر نے کوئی جواب نہ دیا تو اُس نے اپنا سوال دُہرایا۔ اُس وقت حُر کا بدن کانپ رہا تھا اور وہ سخت مضطرب تھے۔ اُنھوں نے کہا، ''اے اوس! قسم ہے خدائے ذوالجلال کی، میں خود کو دوزخ اور جنّت کے درمیان مُعلّق محسوس کر رہا ہوں۔ اور میں نے جنّت کی راہ مُنتخب کر لی ہے۔'' یہ کہہ کر اُنھوں نے گھوڑے کو چابُک رسید کیا اور وہ ہوا سے باتیں کرتا ہُوا لشکرِ باطل سے لشکرِ حق میں جا پہنچا۔ [1]

حُر (رضی اللہ عنہ) بن یزید ریاحی

حضرت حُر (رضی اللہ عنہ) بن یزید بن ناجیہ بن قعنب بن عتاب بن حارث بن عمرو بن ہمام بن بنو ریاح بن یربوع بن حنظلہ، کا نسب قبیلہ تمیم کی ایک شاخ سے ملتا ہے۔ اسی وجہ سے اُنھیں ریاحی، یربوعی، حنظلی اور تمیمی بھی کہا جاتا ہے۔ جنابِ حُر کا خاندان زمانۂ جاہلیت اور مابعد یعنی اسلام کے دَور میں بزرگ خاندان کے طور پر جانا جاتا تھا۔ آپ کوفہ کے مشہور ترین جنگی دلاوروں میں شمار ہوتے تھے۔ بعض منابع نے اشتباہ کی وجہ سے ان کو عبید اللہ بن زیاد کا سپاہی بیان کیا ہے، لیکن وہ ایک فوجی منصب کے حامل تھے اور اُنھیں عبید اللہ ابنِ زیاد کی طرف سے تمیم و ہمدان کے جوانوں پر مشتمل فوج کی سپہ سالاری کے فرائض کے ساتھ امام حسین (علیہ السلام) کا راستہ روکنے پر مامور کیا گیا تھا۔ [2] چنانچہ ابنِ زیاد کو جب امام حسین (علیہ السلام) کی کوفہ کی طرف روانگی کا علم ہُوا تو اُس نے کوفہ کے بزرگوں اور رؤسا میں سے جنابِ حُر کو طلب کیا اور ایک ہزار (۱۰۰۰) افراد کی سپہ سالاری کے ساتھ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کو روکنے کے لیے روانہ کیا۔ دیگر روایات کی بنا پر ابنِ زیاد نے حَصین بن نُمیر تمیمی کو چار

---

[1] یو آر ڈاٹ ویکی شیعہ ڈاٹ نیٹ بحوالہ: ابن کلبی، ج ۱ ص ۲۱۳، ۲۱۶؛ دوا داری، ج ۴ ص ۸۷، ۸۹؛ یافعی، ج ۱ ص ۱۰۸؛ ابنِ عماد، ج ۱ ص ۶۷؛ بلاذری، ج ۲ ص ۲۷۴، ۳۷۴، ۶۷۴، ۴۸۹؛ دینوری، ص ۲۴۹، ۲۵۲؛ سماوی، ص ۲۰۳؛ ابنِ اثیر، ج ۸ ص ۱۹۵؛ ابنِ جوزی، ج ۵ ص ۳۳۵؛ ابنِ وردی، ج ۱ ص ۲۳۱؛ طبری، تاریخ طبری، ج ۵ ص ۴۰۲، ۳۹۲، ۴۲۲، ۴۲۷

[2] یو آر ڈاٹ ویکی شیعہ ڈاٹ نیٹ بحوالہ: ابن کلبی، ج ۱ ص ۲۱۳، ۲۱۶؛ دوا داری، ج ۴ ص ۸۷، ۸۹؛ یافعی، ج ۱ ص ۱۰۸؛ ابنِ عماد، ج ۱ ص ۶۷؛ بلاذری، ج ۲ ص ۲۷۴، ۳۷۴، ۶۷۴، ۴۸۹؛ دینوری، ص ۲۴۹، ۲۵۲؛ سماوی، ص ۲۰۳؛ ابنِ اثیر، ج ۸ ص ۱۹۵؛ ابنِ جوزی، ج ۵ ص ۳۳۵؛ ابنِ وردی، ج ۱ ص ۲۳۱؛ طبری، تاریخ طبری، ج ۵ ص ۴۰۲، ۳۹۲، ۴۲۲، ۴۲۷

ہزار (۴۰۰۰) کی نفری کے ساتھ قادسیہ روانہ کیا تھا تا کہ وہ قادسیہ سے خفان تک اور قطقطانہ سے لعلع تک کے علاقے پر نظر رکھے اور جناب حُر اور اُن کے ایک ہزار (۱۰۰۰) سپاہی اُسی چار ہزار (۴۰۰۰) افراد کے لشکر کا حصّہ تھے۔

حضرت حُر (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ جب میں ابنِ زیاد کے محل سے باہر نکلا تا کہ حسین (علیہ السلام) کو روکنے کے لیے آغازِ سفر کروں تو میں نے تین بار اپنے پیچھے سے ایک غیبی ندا سنی جو مجھ سے کہہ رہی تھی کہ اے حُر! تمھیں جنّت کی بشارت ہو۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کوئی نظر آیا چنانچہ اپنے آپ سے کہا کہ مجھے جنّت کی بشارت کیسے ہو سکتی ہے جب کہ میں تو امام حسین (علیہ السلام) سے جنگ کرنے جا رہا ہوں۔ پس! حُر (رضی اللہ عنہ) نے اس بات کو ذہن نشین کر لیا یہاں تک کہ اسے حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے سامنے بیان کیا تو امام (علیہ السلام) نے فرمایا،''تُو نے حقیقت میں نیکی اور خیر کی راہ کو پا لیا ہے۔''[1]

حُر (رضی اللہ عنہ) کی حاضری

صدرالدین قزوینی، بحوالہ کتاب لہوف لکھتے ہیں کہ حُر (رضی اللہ عنہ) اپنے سر پر ہاتھ رکھے ہُوئے صمیمِ قلب اور عاجزی سے پروردگارِ عالم سے دُعا کرتے ہُوئے نکلے کہ پالنے والے میرا گناہ بخش دے کہ میں نے بنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اولاد کو مضطرب کیا۔ میرا گناہ معاف کر دے کہ میں اس پر شرمسار ہوں۔ پس، وہ روتے ہُوئے امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں پہنچے اور گھوڑے سے اُتر کر اپنی پلکوں سے آنجناب (علیہ السلام) کے قدموں کا بوسہ لیتے ہُوئے عرض کی،'' آپ کو آپ کے جدّ نامدار کی قسم میری خطا بخش دیجیے۔'' امام حسین (علیہ السلام) نے اُن کا سر اپنے قدموں سے ہٹا کر فرمایا،''اے حُر! خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے سامنے تم سُرخرو ہُوئے۔'' حُر (رضی اللہ عنہ) پر گریہ طاری ہو گیا، اُنھوں نے اذنِ جہاد چاہا تو امام (علیہ السلام) نے اُن کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور کچھ دیر تک اجازت نہ دی تا کہ وہ کچھ پُرسکون ہو جائیں۔ سیّد طاوس (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ حُر کا مقصد یہ تھا کہ میں اُس وقت کا پہلا شہید قرار پاؤں، جب کہ اس سے پہلے اصحاب کی ایک جماعت شہید ہو چکی تھی۔ روایات میں ملتا ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) نے اُنھیں کچھ دیر بعد اجازت دی۔ حُر (رضی اللہ عنہ) میدانِ جنگ میں اُترے اور ایسے دلیرانہ حملے کیے کہ بڑے بڑے بہادروں کو تہِ تیغ کر ڈالا اور یونہی شجاعت کے جوہر دکھاتے ہُوئے بالآخر جامِ شہادت نوش کیا۔[2]

---

[1] یو آر ڈاٹ وکی شیعہ ڈاٹ نیٹ بحوالہ: ابن کلبی، ج۱ ص ۲۱۳، ۲۱۶؛ دوداری، ج۴ ص ۸۷، ۸۹؛ یافعی، ج۱ ص ۱۰۸؛
ابنِ عماد، ج۱ ص ۶۷؛ بلاذری، ج۲ ص ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۶، ۴۸۹؛ دینوری ص ۲۴۹، ۲۵۲؛ سماوی ص ۲۰۳؛
ابنِ اثیر، ج۸ ص ۱۹۵؛ ابنِ جوزی، ج۵ ص ۳۳۵؛ ابنِ وردی، ج۱ ص ۲۳۱
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج۵ ص ۴۰۲، ۳۹۲، ۴۰۳، ۴۲۲، ۴۲۷

[2] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج۱ ص ۵۷۰
سیّد ابنِ طاوؤس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، مقتل لہوف (اردو)، ص ۶۴ تا ۶۵

یوں بھی منقول ہے کہ حضرت حُر (رضی اللہ عنہ)، عمر بن سعد کے لشکر سے نکل کر امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور عرض کی، ''اے فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں وہی ہوں جس نے آپ کا راستہ روکا، آپ کو حصار میں لے کر چلتا رہا اور اس سخت مقام پر اُترنے پر مجبور کیا۔ مجھے یہ گمان تک نہیں تھا کہ یہ قوم آپ کی پیشکش کو ٹھکرا کر آپ کے خلاف اس حد تک چلی جائے گی۔ واللہ! اگر مجھے علم ہوتا کہ یہ لوگ یوں کریں گے تو میں کبھی ان کا ساتھ نہ دیتا۔ میں اللہ کی بارگاہ میں اپنے اس عمل سے توبہ کرتا اور معافی مانگتا ہوں۔ کیا میری توبہ قبول ہوجائے گی؟'' امام عالی مقام (علیہ السلام) نے فرمایا، ''ہاں! بے شک اللہ توبہ قبول فرمانے والا ہے، تم گھوڑے سے اُتر آؤ۔'' حُر (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی، ''میرا گھوڑے پر سوار رہنا پیادہ ہونے سے بہتر ہے کیونکہ اس پر سوار رہ کر میں جنگ کروں گا اور آخری وقت (شہید ہوکر) اُتروں گا۔'' اور بروایتے حُر (رضی اللہ عنہ) نے کہا، ''یابنَ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ کی نصرت میں میرا گھوڑے پر سوار ہونا پیادہ ہونے سے بہتر ہے۔ پہلے سوار ہوکر ان کافروں سے لڑوں گا اور جب اشقیا میرے گھوڑے کو پے کر دیں گے تو اُس وقت پیادہ ہوکر لڑوں گا یہاں تک کہ مارا جاؤں۔'' امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا، ''اللہ تم پر رحم کرے، جو تمہارا دِل چاہے کرو۔'' پس، حُر (رضی اللہ عنہ) میدان کی طرف بڑھ گئے اور ابنِ سعد کے لشکر کے سامنے پہنچ کر کہا، ''اے اہلِ کوفہ! تمہاری مائیں تمہارے غم میں روئیں۔ تم نے اللہ کے نیک بندے (امام حسین علیہ السلام) کو (اپنے ہاں آنے کی) دعوت دی اور جب وہ تمہارے پاس آئے تو اُن کا ساتھ چھوڑ کر تم نے اُنھیں دشمن کے حوالے کردیا۔ تم نے پہلے یہ ظاہر کیا کہ اُن پر اپنی جانیں قربان کروگے پھر اُن کے خلاف متحد ہوگئے تاکہ اُن کی جان لو۔ گویا تم نے اُن کا گلا دبا رکھا ہے اور ہر طرف سے گھیر کر اُن کی راہیں مسدود کر رکھی ہیں تاکہ اللہ کی اس وسیع و عریض زمین پر وہ کہیں نہ جا سکیں جیسے کہ وہ تمھارے قیدی ہیں جو نہ تو اپنے آپ کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی خود کو کسی نقصان سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ تم نے اُنھیں، اُن کی مستورات، بچوں اور خاندان کو فرات کے پانی سے دُور کر رکھا ہے، وہ پانی جسے یہود و نصاریٰ اور مجوسی پیتے ہیں اور جس میں جنگل کے سؤر اور کتے بھی لوٹتے پوٹتے ہیں۔ ذرا دیکھو تو سہی! پیاس نے اُنھیں کس قدر نڈھال کر دیا ہے۔ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذرّیت اور اولاد کے حق میں کیا بُرا عمل کیا ہے۔ خدا تمھیں روزِ حشر پیاسا رکھے۔ حُر (رضی اللہ عنہ) کی تقریر کا اُن سنگدلوں پر کوئی اثر نہ ہُوا بلکہ جواب میں اُنھوں نے تیروں کی بوچھاڑ کردی۔ [1]

---

[1] آقائی صدر الدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ا ص ۵۷۰
سیّد ابنِ طاوؤس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، مقتل لہوف (اردو)، ص ۶۴ تا ۶۵

عمر بن سعد کا پہلا تیر اور آغازِ جنگ

یزیدیوں کی تیراندازی شروع ہوتے ہی حُر (رضی اللہ عنہ)، حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ عمر سعد نے اپنے علم بردار دُرید کو پاس بلایا اور ایک تیر لشکر امام حسین (علیہ السلام) کی طرف پھینک کر کہا کہ تم سب گواہ رہنا کہ جس شخص نے اُن (حسین علیہ السلام) کی طرف پہلا تیر چلایا، وہ میں ہوں۔ [1] علامہ طالب جوہری، حدیثِ کربلا میں بحوالہ روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) کے لشکر میں سے کسی نے ابنِ سعد کو جواب دیا کہ تم ہی اپنے لشکر میں سب سے پہلے جہنم میں جاؤ گے۔ [2] ابنِ سعد کے تیر چلاتے ہی اُس کے تیراندازوں نے امام حسین (علیہ السلام) اور اُن کے ساتھیوں پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی جن سے ہر ایک کو نقصان پہنچا۔ محمد بن ابی طالب سے روایت ہے کہ تیر چلانے والوں کی تعداد آٹھ ہزار (۸۰۰۰) تھی۔ امام حسین (علیہ السلام) نے ساتھیوں سے فرمایا ''اللہ تم پر رحمت نازل فرمائے، شہادت کے لیے تیار ہو جاؤ کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، یہ تیر تمہارے لیے پیامِ اَجل لائے ہیں۔ یزیدی فوج کے اس حملے میں جسے حملۂ اَولیٰ بھی کہا جاتا ہے، امام حسین (علیہ السلام) کے پچاس (۵۰) ساتھی شہید ہُوئے۔ [3]

فتح یا لقائے الٰہی؟

امام جعفر صادق (علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی جناب محمد باقر (علیہ السلام) سے سُنا کہ جب امام حسین (علیہ السلام)، لشکرِ عمر سعد کے مقابلے پر آئے اور آتشِ حرب بھڑک اُٹھی تو فتح و نصرت نے آپ (علیہ السلام) پر سایہ فگن ہو کر عرض کی کہ خداوند متعال نے آپ کو دشمنوں پر فتح یا لقائے الٰہی میں کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا ہے اس لیے آپ ان میں سے جسے چاہیں اختیار فرمائیں۔ امام عالی مقام (علیہ السلام) نے لقائے الٰہی یعنی شہادت کو منتخب فرمایا۔ [4]

---

[1] شیخ مفید، (متوفی: ۴۱۳ھ، کاظمین، عراق)، تذکرۃ الاطہار (اردو ترجمہ: الرشاد)، ص ۳۱۲
علامہ محمد باقر مجلسی، بحارالانوار، ج ۱۰ حصہ اوّل ص ۲۲۹؛ ابوجعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، ج ۴ حصہ اوّل ص ۲۱۳
سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف ص ۶۲

[2] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا ص ۲۶۷
بحوالہ: محمد بن خاوندشاہ، (متوفی: ۹۰۳ ہجری)، روضۃ الصفا، ج ۳ ص ۵۸۳

[3] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا ص ۲۶۷ بحوالہ: ابصارالعین ص ۳۵
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۲۲۹

[4] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا ص ۲۶۷ بحوالہ: ابصارالعین ص ۳۵
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۲۲۹

عبداللہ بن عمیر کلبی (رضی اللہ عنہ)

مندرجہ بالا روایت کو نقل کرنے کے بعد، علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے لقائے الٰہی یعنی شہادت کو منتخب فرمایا تو با آوازِ بلند پکارا:

''أَمَا مِنْ مُغِيثٍ يُغِيثُنَا لِوَجْهِ اللهِ؟ أَمَا مِنْ ذَابٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُولِ اللهِ؟''

(ہے کوئی فریاد رس جو اللہ کے لیے ہماری مدد کرے؟ ہے کوئی ناصر جو دشمنوں کے شر کو حرمِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دفع کرے؟)

امام حسین (علیہ السلام) کا استغاثہ سُن کر عبداللہ بن عمیر کلبی (رضی اللہ عنہ) آگے بڑھے۔ عبداللہ بن عمیر (رضی اللہ عنہ) کا تعلق قبیلہ بنی عُلَیم سے تھا۔ [1] بعض منابع میں ان کا نام وہب بن عبداللہ اور بعض میں وہب بن خباب بھی مذکور ہے۔ [2] لشکرِ عمر بن سعد سے زیاد بن سفیان کا غلام یسار جنگ کے لیے نکلا۔ اُس نے عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا، ''تم کون ہو؟'' اُنھوں نے اپنا حسب نسب بیان کیا تو اُس نے کہا، ''میں تمھیں نہیں پہچانتا اس لیے تم سے نہیں لڑوں گا۔ میرے مقابلے پر زُہیر بن قین یا حبیب بن مظاہر آئیں۔'' ابنِ عمیر (رضی اللہ عنہ) نے کہا، ''اے زانیہ کے بیٹے! تیری بھی یہ حیثیت ہے کہ کسی سے لڑنے میں عار کرے؟'' یہ کہہ کر اُس پر حملہ آور ہُوئے اور تلوار کے ایک ہی وار سے اُسے واصلِ جہنم کر دیا۔ [3]

منقول ہے کہ عبداللہ بن عمیر کلبی (رضی اللہ عنہ) کو جب معلوم ہُوا کہ امام حسین (علیہ السلام) کے خلاف شامی افواج جمع ہو رہی ہیں تو وہ فوراً امام (علیہ السلام) کی نصرت کے لیے تیار ہو گئے۔ اُنھوں نے اپنی زوجہ اُمّ وہب کو بتایا تو وہ بھی ساتھ چلنے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئیں چنانچہ دونوں امام عالی مقام (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ جب ابنِ سعد کے تیر چلانے کے بعد باقاعدہ جنگ شروع ہوئی تو یزیدی لشکر سے زیاد بن ابی سفیان کا غلام یسار اور عبیداللہ بن زیاد کا غلام سالم میدان میں آئے اور مُبارزت طلب کی۔ حبیب بن مظاہر (رضی اللہ عنہ) اور بُریر بن خُضیر (رضی اللہ عنہ) اُن کے مقابلے کے لیے اُٹھے لیکن عبداللہ بن عمیر کلبی (رضی اللہ عنہ) نے اُنھیں روک کر امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں عرض کی کہ یا اباعبداللہ (علیہ السلام)! مجھے ان سے لڑنے کی اجازت دیجیے۔ امام (علیہ السلام) نے اُن کی طرف نگاہ اُٹھائی اور دیکھا کہ گندمی رنگت کا دراز قد اور قوی ہیکل شخص سامنے کھڑا ہے۔ فرمایا، ''اچھا! تم لڑنا چاہتے ہو تو لڑو۔'' پس عبداللہ (رضی اللہ عنہ) اُن دونوں سے جنگ کرنے نکلے۔ اُس وقت سالم پیچھے تھا

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۵ ص ۴۲۹

[2] مقتل جامع، ج ۱ ص ۶۵۷

[3] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۲۲۹
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصہ اوّل ص ۲۱۴

اور یسار آگے کھڑا تھا۔ حسبِ دستور اُس نے پوچھا، ''تم کون ہو۔'' عبداللہ (رضی اللہ عنہ) نے اپنا نسب بیان کیا تو وہ کہنے لگا ہم تمھیں نہیں جانتے۔ ہمارے مقابلے پر زُہیر بن قین، یا حبیب بن مظاہر، یا بُریر بن خُضیر کو بھیجو۔ حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) نے جواب میں کہا، ''او فاحشہ کے بیٹے! کسی سے لڑنے میں تجھے بھی عار ہے؟ میرے سامنے بھی وہی شخص آئے جو تجھ سے بہتر ہو۔'' اتنا کہہ کر عبداللہ (رضی اللہ عنہ) نے یسار پر حملہ کر کے اُسے واصل جہنم کر دیا۔ لیکن جس وقت وہ یسار سے نَبَرد آزما تھے سالم نے اُن پر تلوار چلادی۔ اُنھوں نے اُس کے وار کو بائیں ہاتھ پر روکنا چاہا لیکن مکمل کامیابی نہ ہوئی اور اُن کی انگلیاں کٹ گئیں۔ وہ زخمی شیر کی طرح پلٹ کر جھپٹے اور پل بھر میں اُسے بھی فی النار کر دیا۔ دونوں کو خاک و خون میں لوٹانے کے بعد اُنھوں نے رَجز پڑھا:

تم لوگ مجھے نہیں جانتے تو سنو!

میں خاندانِ بنی کلب سے ہوں

اور یہ فخر میرے لیے کافی ہے کہ میرا گھر قبیلہ علیم میں ہے

میں صاحبِ قوّت و نصرت ہوں

مصیبت پڑے تو بد دِل تو نہیں ہوتا

اے اُمّ وہب!

میں ذمہ لیتا ہوں کہ بڑھ بڑھ کر تلوار چلاؤں گا

اور ان پر برچھیوں سے حملہ کروں گا

کہ یہی تو خدا پرست جوانوں کا شیوہ ہے۔

حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کا رَجز سُن کر اُن کی زوجہ اُمّ وہب سے نہ رہا گیا اور وہ ہاتھ میں کوئی چوب لے کر اُن کی طرف بڑھیں اور کہا، ''اے عبداللہ! میرے ماں باپ تم پر قربان، ذریتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خاطر لڑتے جاؤ۔'' عبداللہ (رضی اللہ عنہ) اُن کی آواز سُن کر پلٹے تاکہ اُنھیں خواتین میں لے جا کر بٹھائیں۔ اُمّ وہب اُن کے دامن سے لپٹ گئیں اور کہا، ''میں بھی تمہارے شانہ بشانہ لڑوں گی اور جب تک مر نہ جاؤں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔'' اُس وقت امام عالی مقام (علیہ السّلام) نے اُسے پکارا، ''اے اُمّ وہب! اہل بیت (علیہم السّلام) کی طرف سے تم دونوں کو جزائے خیر ملے۔ عورتوں کا قتال ٹھیک نہیں، تم واپس آجاؤ اور خواتین

میں بیٹھو۔" امام (علیہ السّلام) کا حکم پاتے ہی وہ مستورات کی طرف پلٹ گئیں۔[1] عبداللہ (رضی اللہ عنہ) بڑی دلیری کے ساتھ لڑ رہے تھے کہ دو یزیدیوں نے اُنھیں شہید کر دیا۔ بروایتے، امام (علیہ السّلام) کے اصحاب میں سے حضرت مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) کے بعد وہ دوسرے شہید تھے۔[2]

وہب بن عبداللہ بن خباب کلبی (رضی اللہ عنہ)

بروایتے، وہب بن عبداللہ بن خباب کلبی (رضی اللہ عنہ) کی والدہ نے اُن سے کہا کہ اُٹھو اور رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فرزند کی نصرت و یاوری کرو۔ وہب (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ میں ہرگز کوتاہی نہیں کروں گا اور دِل و جان سے آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ پھر وہ اپنی والدہ کے ہمراہ حضرت امام حسین (علیہ السّلام) کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور جہاد کی اجازت چاہی۔ اذنِ جہاد ملتے ہی رَجز پڑھتے ہُوئے وہ فوجِ اشقیا کی طرف بڑھے۔ بروایتے، کئی یزیدیوں کو تہِ تیغ کرنے کے بعد اپنی زوجہ اور والدہ کے پاس آئے اور کہا، "اے مادرِ گرامی! کیا آپ مجھ سے راضی ہیں؟" اُن کی والدہ نے کہا، "بیٹا! میں اُس وقت راضی ہوں گی جب تم نصرتِ امام حسین (علیہ السّلام) میں اپنی جان فدا کرو گے۔ وہب (رضی اللہ عنہ) کی زوجہ نے کہا، "اے وہب! مجھے داغِ مفارقت مت دینا۔" وہب کی والدہ بولیں، "بیٹا! اس کی باتوں میں ہرگز نہ آنا، جاؤ اور اپنی جان، امام حسین (علیہ السّلام) پر نثار کر دو تاکہ بروزِ قیامت وہ خدائے عَزَّ وَجَل کے رُوبرو تمہاری شفاعت کریں۔" پس، وہب (رضی اللہ عنہ) رَجز خوانی کرتے ہُوئے دوبارہ میدانِ جنگ میں گئے اور اس شجاعت سے لڑے کہ اُنیس سواروں اور بارہ پیادوں کو فی النار کر دیا۔ آخر میں ایک یزیدی نے وار کر کے اُن کے ہاتھ قلم کر دیے۔ وہب (رضی اللہ عنہ) کی والدہ لبِ میدان بیٹھیں اپنے بیٹے کو دادِ شجاعت دے رہی تھیں۔ یہ حال دیکھا تو خیمے کی چوب لے کر میدانِ جنگ کی طرف یہ کہتے ہُوئے بڑھیں، "اے وہب! میرے ماں باپ تم پر فدا، ان اشقیا سے جنگ کرو اور اہلِ بیت اطہار (علیہم السّلام) کی نصرت میں آخری دَم تک کوشش کرو۔" وہب (رضی اللہ عنہ) نے کہا، "اے مادرِ گرامی! آپ خیمے میں تشریف لے جائیں۔" اُمّ وہب نے خیمے میں جانا قبول نہ کیا اور بیٹے کا دامن تھام کر بولیں، "میں خیمے میں نہیں جاؤں گی بلکہ تمہارے ساتھ مروں گی۔" امام حسین (علیہ السّلام) نے یہ حال دیکھا تو فرمایا، "خدا تم دونوں کو جزائے خیر دے کہ تم نے نصرتِ اہلِ بیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اے زنِ صالحہ! خدا تم پر رحمت نازل

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصّہ اوّل، ص ۲۱۴
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصّہ اوّل، ص ۲۳۰

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصّہ اوّل، ص ۲۱۴
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصّہ اوّل، ص ۲۳۰

فرمائے، واپس چلی جاؤ۔'' امام حسین (علیہ السلام) کا حکم پا کر اُمّ وہب واپس چلی گئیں۔ وہب (رضی اللہ عنہ) نے جب جامِ شہادت نوش کیا تو اُن کی زوجہ بیتابانہ دوڑتی ہوئی اُن کے پاس پہنچی اور اُن کی پیشانی سے خاک وخون صاف کرنے لگی۔ شمر بن ذی الجوشن کی نگاہ پڑی تو اپنے غلام کو اشارہ کیا جس نے اُس مومنہ پر ایک کاری وار کر کے اُسے شہید کر دیا۔ بقولے زوجۂ وہب وہ پہلی خاتون تھیں جو میدانِ کربلا میں نصرتِ امام حسین (علیہ السلام) میں شہید ہوئیں۔ بروایتے، وہب (رضی اللہ عنہ) دادِ شجاعت دیتے ہُوئے شدید زخمی ہُوئے تو اُنھیں گرفتار کر کے ابنِ سعد کے سامنے پیش کیا گیا۔ پھر اُس کے حکم پر اُن کا سر قلم کر کے امام حسین (علیہ السلام) کے لشکر کی طرف پھینکا گیا۔ اُمّ وہب نے بیٹے کا سر اُٹھا کر گود میں لیا اور چُوم کر واپس لشکرِ یزید کی طرف پھینک دیا جس کی ضرب سے ایک یزیدی ہلاک ہوگیا۔ اس کے بعد خیمے کی چوب لے کر خود میدان میں گئیں اور دو کافروں کو قتل کر دیا۔ امام حسین (علیہ السلام) نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ اے اُمّ وہب واپس خیمے میں آجاؤ کہ عورتوں کے لیے جہاد کا حکم نہیں۔ تُو اور تیرا فرزند، دونوں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت میں ہوگے۔ چنانچہ اُمّ وہب واپس آگئیں۔ [1]

حضرت وہب (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد ابن عبداللہ، عمرو بن خالد ازدی اور اُن کا فرزند، سعد بن حنظلہ تمیمی اور عمیر ابن عبداللہ مذحجی (رضی اللہ عنہم) بھی یکے بعد دیگرے شہید ہوگئے۔ علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ عمیر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کے بعد مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) اور نافع بن ہلال (رضی اللہ عنہ) نے جامِ شہادت نوش کیا۔ [2]

وہب بن وہب، اُن کی والدہ اور زوجہ (رضی اللہ عنہم)

ناسخ التواریخ میں منقول ہے کہ وہب (رضی اللہ عنہ) نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ کیا آپ مجھ سے راضی ہیں؟ اُنھوں نے کہا کہ میں اُس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک تم امام حسین (علیہ السلام) پر قربان نہیں ہوجاتے۔ وہب (رضی اللہ عنہ) کی زوجہ نے کہا کہ اے وہب! اپنی ماں کی بات مت سنو، اور مجھے بیوہ نہ کرو۔ ماں نے کہا کہ وہب! حسین (علیہ السلام) کی نصرت سے ہاتھ مت اُٹھانا کیونکہ اُن کی اور میری رضا کے بغیر تمھیں شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔ یہ بھی مذکور ہے کہ وہب (رضی اللہ عنہ) نئے شادی شدہ تھے اور عاشورہ کے دن جب جنگ کے لیے جانے لگے تو اُن کی زوجہ نے کہا کہ یہ تو واضح ہے کہ تم شہید ہو جاؤ گے چنانچہ حور وقصور ملنے پر مجھے بھول جاؤ گے۔ پس، امام حسین (علیہ السلام) کے رُوبرو مجھ سے عہد کرو کہ تم مجھے ہمراہ لیے بغیر جنّت میں نہیں جاؤ گے۔ وہ دونوں امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہُوئے، اور وہب کی زوجہ نے عرض کی کہ یا ابا عبداللہ

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۳۴ تا ۲۳۶
سیّد ابن طاووس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۶۵ تا ۶۶؛ طالب جوہری، حدیثِ کربلا، ص ۳۸۰؛ نفس المہموم، ص ۱۵۲

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۳۷ تا ۲۳۸

(علیہ السلام)! میں دوخواہشات لے کر آپ (علیہ السلام) کی خدمت میں آئی ہوں، اُنھیں پورا فرما دیجئے۔ پہلی یہ کہ آپ (علیہ السلام) مجھے اپنے اہلِ حرم کے ساتھ کر دیں، اور دوسری یہ کہ وہب مجھ سے وعدہ کرے کہ مجھے ساتھ لے کر جنّت میں جائے گا۔ امام (علیہ السلام) نے یہ سُن کر اُسے دونوں باتوں کا یقین دلایا۔ پس، وہب میدان میں گئے۔ دورانِ جنگ اُن کے ہاتھ کٹ گئے تو اُن کی زوجہ عمودِ خیمہ لے کر میدان میں آئی اور وہب (رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ تم جتنی بھی جنگ کر سکتے ہو کرو اور دشمن کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حرم سے دُور رکھو۔ وہب (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ ابھی کچھ دیر پہلے تو تم مجھے جنگ سے روک رہی تھیں، اب کیا ہُوا جو میرا شوقِ جہاد بڑھانے خود میدان میں چلی آئیں؟ خاتون نے کہا کہ میں درِ خیمہ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ امام حسین (علیہ السلام) کی ندا سُنی۔ آپ (علیہ السلام) کہہ رہے تھے، ’’ہائے غریبی، ہائے مددگاروں کی کمی، ہائے تنہائی، ہے کوئی حفاظت کرنے والا، جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حرم کی حفاظت کرے؟ ہے کوئی پناہ دینے والا، جو ہمیں اپنی پناہ میں لے لے؟‘‘ جب میں نے یہ صدا سُنی تو زندگی سے بیزار ہوگئی اور سوچا کہ اولادِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد زندہ رہنا کس کام کا؟ پس، اب میدان میں اس لیے آئی ہوں کہ ان دشمنوں سے جنگ کر کے اپنی زندگی ختم کرلوں۔ وہب (رضی اللہ عنہ) نے اُسے سمجھایا کہ عورتوں پر جہاد ساقط ہے۔ اُس نے کہا کہ میں واپس نہیں جاؤں گی اور تمھارے ساتھ ہی جان دے دوں گی۔ وہب (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ کٹ چکے تھے اس لیے دانتوں سے اُس کا لباس پکڑ کر اُسے آگے جانے سے روکا۔ اُس نے خود کو چھڑانا چاہا تو وہب (رضی اللہ عنہ) نے فریاد کی، ’’یا ابا عبداللہ! میری مدد کیجئے، میری زوجہ دشمنوں کے درمیان ہے، اسے واپس جانے کا حکم دیجیے۔‘‘ امام حسین (علیہ السلام) تشریف لائے اور خاتون سے کہا کہ عورت پر جہاد ساقط ہے اس لیے تم واپس چلی جاؤ۔ اُس نے التجا کرتے ہُوئے کہا کہ آپ (علیہ السلام) مجھے جنگ کی اجازت دے دیں کیونکہ ان لوگوں کے ہاتھوں گرفتار ہونے سے بہتر ہے کہ میں مرجاؤں۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ تم واپس جاؤ، تم میرے اہل بیت (علیہم السلام) کی مصیبتوں میں شریک ہوگی۔ یہ سُن کر وہ خاتون واپس چلی گئی۔ وہب (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ کٹ چکے تھے اور اُن پر اجتماعی حملے ہو رہے تھے پس اُن کے شدید زخمی ہوجانے کے بعد اُنھیں گرفتار کر کے ابنِ سعد کے رُوبرو پیش کیا گیا تو اُس نے کہا کہ تم نے خوب وفاداری نبھائی۔ پھر اُس کے حکم پر اُن کا سر کاٹ کر امام حسین (علیہ السلام) کے سپاہیوں کی طرف پھینک دیا گیا۔ وہب (رضی اللہ عنہ) کی والدہ نے بیٹے کا سر اُٹھا کر اُسے بوسہ دیا اور کہا کہ اللہ کا شُکر ہے کہ اُس نے امام (علیہ السلام) کے سامنے مجھے بیٹے کی شہادت سے سرخرو کیا۔ پھر لشکرِ یزید کی طرف رُخ کر کے کہا کہ یہودی اور عیسائی تم سے بہتر ہیں، اور بیٹے کے سر کو اُن کی طرف پھینک دیا۔ وہب (رضی اللہ عنہ) کا سر اس شدت سے قاتل کو لگا کہ وہ اُس کی ضرب سے ہلاک ہوگیا۔ بعدازاں اُمّ وہب نے خیمے کی چوب لے کر یزیدی فوجیوں پر حملہ کر دیا۔ دو (۲) یزیدی اُن کے حملے سے ہلاک ہوگئے۔ امام حسین (علیہ السلام) اُنھیں خیام کی طرف واپس لے گئے، صبر کی تلقین کی، اور فرمایا کہ تمھارا

اور تمھارے بیٹے کا قیام جنّت میں ہوگا، میرے جد کے پاس۔ [1]

معروف مُحدّث قمی، امالی صدوق اور روضۃ الواعظین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہب بن وہب (رضی اللہ عنہ) شروع میں نصرانی تھے پھر اپنی والدہ کے ساتھ امام حسین (علیہ السلام) کے دستِ مبارک پر مسلمان ہُوئے۔ یہ چوبِ خیمہ لے کر میدان میں نکلے، اور سات آٹھ افراد کو قتل کرنے کے بعد گرفتار ہو کر ابنِ سعد کے سامنے پیش کیے گئے، جس نے ان کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔ علامہ مجلسیؒ کے بقول انھوں نے چوبیس (۲۴) پیادہ اور بارہ (۱۲) سوار قتل کیے تھے، پھر انھیں گرفتار کر کے ابنِ سعد کے پاس لے جایا گیا جس کے حکم پر ان کا سر قلم کر کے امام حسین (علیہ السلام) کے خیموں کی طرف پھینک دیا گیا۔ وہب (رضی اللہ عنہ) کی والدہ نے سر کو اُٹھا کر بوسہ دیا اور واپس ابنِ سعد کے فوجیوں کی طرف پھینک دیا جس کی ضرب سے ایک فوجی ہلاک ہو گیا۔ پھر اُنھوں نے چوبِ خیمہ لے کر یزیدیوں پر حملہ کیا اور دو کو قتل کر دیا۔ اُس وقت امام حسین (علیہ السلام) نے اُن سے فرمایا کہ اے اُمّ وہب! واپس آجاؤ کیونکہ عورتوں پر جہاد ساقط ہے۔ تم اپنے بیٹے کے ساتھ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں پہنچو گی۔ اُمّ وہب یہ کہتے ہُوئے واپس چلی گئیں کہ بارالہا! میری اُمیدوں کو قطع نہ کرنا۔ امام عالی مقام (علیہ السلام) نے فرمایا، اے اُمّ وہب! اللہ تمھاری اُمیدوں کو قطع نہیں کرے گا۔ [2]

وہب بن عبداللہ حباب کلبی (رضی اللہ عنہ) اور وہب بن وہب (رضی اللہ عنہ) کے واقعات میں ایسی حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے کہ لگتا ہے یہ واقعات ایک ہی شخصیت سے متعلق ہیں اور ان کے ناموں میں کتابت کی غلطی ہے۔ علامہ طالب جوہری صاحب، ''حدیثِ کربلا'' میں لکھتے ہیں کہ وہب نامی دو اشخاص کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچنا آسان ہے کہ ان کے واقعات میں اتنی مماثلت ہے کہ یہ ایک ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اگر ان کے ساتھ عبداللہ بن عمیر کلبی (رضی اللہ عنہ) کے واقعہ کو بھی پڑھ لیا جائے تو یہ تینوں شخصیات ایک ہی محسوس ہوتی ہیں۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے یہ جان لینا ضروری ہے کہ عبداللہ بن عمیر کلبی (رضی اللہ عنہ) کی کُنّیت ابو وہب تھی اور اسی نسبت سے اُن کی زوجہ اُمّ وہب کہلائیں۔ کتابت کی غلطیوں نے ابو وہب کلبی (رضی اللہ عنہ) کو صرف وہب کلبی بنا دیا۔ ہمیں وہب بن عبداللہ کلبی (رضی اللہ عنہ) کا شہدا کی فہرست میں کوئی حتمی اور یقینی سراغ نہیں ملا لہٰذا ہمارا گمانِ غالب یہ ہے کہ کسی تحریر میں ابو وہب عبداللہ کلبی (رضی اللہ عنہ) تھا جسے وہب بن عبداللہ کلبی (رضی اللہ عنہ) پڑھ لیا گیا اور اُمّ وہب کو زوجہ کی جگہ ماں قرار دے دیا گیا۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ وہب نصرانی اپنی ماں اور زوجہ کے ساتھ کربلا میں موجود ہیں اور اُن کی والدہ بجا طور پر اُمّ وہب ہیں۔ ان دو ایک چھوٹی باتوں کو سامنے رکھ کر تینوں ناموں کا مطالعہ کیا جائے تو

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۴۸ تا ۲۵۵

[2] علامہ طالب جوہری، حدیث کربلا، ص ۳۸۲؛ نفس المہموم، ص ۱۵۲

یہ دو شخصیات بنیں گی، ابو وہب عبداللہ بن عمیر کلبی (رضی اللہ عنہ) اور وہب نصرانی (رضی اللہ عنہ)۔ پس، انھیں نگاہ میں رکھنے کے بعد واقعات کا خلط و امتزاج واضح ہو جائے گا۔ [1]

ایک نوجوان کی شہادت

کتبِ تاریخ میں ایک اور نوجوان کی شہادت کی ذکر بھی ملتا ہے جو اپنی والدہ کی ترغیب پر اُن کے ہمراہ جہاد کے ارادے سے نکلا تھا۔ اُس نوجوان اور اُس کے والدہ کے حالات حضرت وہب اور اُمّ وہب سے بہت مماثلت رکھتے ہیں اس لیے غالب گمان ہے کہ یہ وہی ہوں گے جب کے علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے وہ مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) کے فرزند تھے۔ جب اُس نوجوان نے امام حسین (علیہ السلام) سے اذنِ جہاد چاہا تو آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ تم تو ابھی نوجوان ہو، تمہاری ماں تمہارے خروج پر شاید آمادہ نہ ہو۔ نوجوان نے عرض کی کہ یا بنَ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میری ماں نے ہی مجھے جہاد کا حکم دے کر بھیجا ہے۔ پس اجازت ملتے ہی وہ نوجوان میدانِ کربلا میں نکلا اور مقامِ شہادت پر فائز ہُوا۔ حضرت وہب (رضی اللہ عنہ) کی طرح اُس نوجوان کا سر کاٹ کر خیامِ حسینی کی طرف پھینکا گیا تو اُس کی والدہ نے بیٹے کا سر واپس یزیدیوں کی طرف پھینک دیا جس کی ضرب سے ایک ملعون ہلاک ہوگیا۔ پھر وہ مومنہ عمودِ خیمہ لیے میدان میں نکلی اور دو یزیدی سپاہیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ ان کے بعد حضرت جنادہ بن حرب انصاری، عبدالرحمٰن بن عُروہ، عابس بن شبیب شاکری، عبداللہ، عبدالرحمٰن غفاری، امام (علیہ السلام) کا ترکی غلام، یزید ابنِ شعثہ، ابوعمر نہشلی یا ابوعمرو خثعمی، یزید ابن مہاجر کندی، سیف ابنِ ابی حریث بن سریع جابری اور مالک بن عبداللہ بن سریع جابری (رضی اللہ عنہم) میدان میں گئے اور شرفِ شہادت حاصل کیا۔ [2]

اذنِ جہاد کے بعد

صدرالدین قزوینی لکھتے ہیں کہ جب امام (علیہ السلام) کے اصحاب نے اذنِ جہاد پایا تو دشمن کی طرف بڑھے۔ سامنے سے تیروں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ محمد بن ابی طالب سے مروی ہے کہ دشمن کی فوج میں آٹھ ہزار (۸۰۰۰) جب کہ امام حسین (علیہ السلام) کے لشکرِ قلیل میں صرف پچاس (۵۰) تیرانداز تھے۔ تیراندازی کے اُس ہنگامے میں کئی اصحابِ حسین زخمی ہُوئے۔ حضرت عباس علمدار (علیہ السلام) برق کی مانند لشکر کے قلب سے نکلے اور طوفان کی طرح دشمن کی ٹڈی دَل فوج پر حملہ آور ہُوئے۔ اُن کے حملے کے ساتھ ہی زُہیر بن قین (رضی اللہ عنہ) نے میمنہ سے اور حبیب بن مظاہر (رضی اللہ عنہ) نے میسرہ سے حملہ

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۴۸ تا ۲۵۵

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۴۸ تا ۲۵۵

کردیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی اور سپاہِ حق نے ابنِ سعد کی سپاہِ ضلالت شعار کو اس طرح تہس نہس کردیا کہ اُن کی پہلی صف دوسری صف پر، اور دوسری تیسری پر جاگری اور اسی طرح تمام صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے فضا گونج رہی تھی اور میدانِ کربلا میں گردوغبار اُڑ کر آسمان تک جا پہنچا تھا۔ عمر بن سعد کے سپاہی کثیر تعداد میں قتل ہو کر لاشوں کی صورت میں اِدھر اُدھر بکھرے پڑے تھے۔ حضرت عباس علمدار (علیہ السلام)، حضرت قاسم بن حسن (علیہ السلام) اور حضرت علی اکبر (علیہ السلام) نے اصحاب کو دادِ شجاعت دی اور غازیوں کی ہمت بڑھائی۔ جنگ کے دوران امیر المومنین علی (علیہ السلام) کے آزاد کردہ دس (۱۰) غلام جو لشکرِ امام حسین (علیہ السلام) میں شامل تھے، حضرت علی اکبر (علیہ السلام) کے گرد گھیرا ڈالے اُن کی حفاظت کرتے رہے چنانچہ وہ زخمی ہونے سے محفوظ رہے۔ بروایتے اس حملے میں ترپن (۵۳) اصحابِ حسین (رضی اللہ عنہم) شہید اور کئی مجروح ہوئے۔[۱]

پسرِ حُر (رضی اللہ عنہ) کی شہادت

منقول ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) کے باون (۵۲) ساتھیوں کی شہادت کے بعد جنگ میں وقفہ آگیا۔ دوبارہ جنگ شروع ہونے لگی تو امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حُر بن یزید ریاحی (رضی اللہ عنہ) حاضر ہوئے اور اذنِ جہاد چاہا۔ ابی مخنف لکھتے ہیں کہ کیا کہنا حُر کا، جیسے ہی اجازت ملی، خود سے پہلے اپنے نورِ نظر کو امام (علیہ السلام) پر نثار ہونے کو بھیجا۔ حُر کے فرزند کا نام علی تھا۔ وہ نیزہ لہراتا ہوا دشمن کے لشکر کی طرف بڑھا اور عقاب کی طرح جھپٹا۔ حُر بیٹے کا حوصلہ بڑھاتے رہے یہاں تک کہ اُس نے عمر بن سعد کے ستر (۷۰) آدمی قتل کر دیے۔ اتنے شامیوں کو فی النار کرنے کے بعد وہ امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، ''آقائے نامدار! کیا آپ مجھ سے راضی ہیں؟'' امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا، ''میں راضی ہوں، میرے نانا رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) راضی ہیں، میری والدہ فاطمہ زہرا (علیہا السلام) راضی ہیں، میرے بابا علی (علیہ السلام) راضی ہیں اور خدا تم سے راضی ہے۔'' امام (علیہ السلام) نے اُسے دُعا دی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی، ''خدایا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ علی بن حُر اور اس کے باپ حُر سے راضی و خوشنود ہو کیونکہ میں ان دونوں سے راضی ہوں۔'' حُر بھی اپنے بیٹے کے ساتھ جنگ میں شامل ہو گئے اور دونوں نے مل کر دو سو پچاس (۲۵۰) دشمنوں کو فی النار کیا۔ اتنی سخت جنگ کے بعد نوجوان علی بن حُر کی طاقت جواب دینے لگی تو ایک ملعون نے موقع پاتے ہی اُن پر نیزے کا وار کیا جس سے وہ گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور گرتے گرتے اپنے والد کو مدد کے لیے پکارا۔ حُر، شامیوں کی ایک جماعت کے ساتھ کچھ دُور برسرِ پیکار تھے، بیٹے کی صدا سُنی تو تین ساتھیوں کے ساتھ اُس کی مدد کو لپکے لیکن میدانِ جنگ میں اُٹھنے والے گردوغبار کی وجہ سے بیٹے کو دیکھ نہ سکے جسے ابنِ سعد کے سپاہیوں نے گھیر رکھا تھا۔ پس، جب وہ علی تک پہنچے تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ شامیوں نے اُنھیں شہید کر کے اُن کے لاشے کو نیزے پر

[۱] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱ ص ۵۷۶

چڑھا دیا تھا۔ حُر نے بیٹے کا لاشہ دیکھا تو کہا، ''خدایا! تیرا شکر ہے کہ میرا فرزند تیرے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے فرزند کی نصرت میں قربان ہُوا۔ [1]

حضرت حُر (رضی اللہ عنہ) کی شہادت

صدرالدین قزوینی لکھتے ہیں کہ اپنے فرزند کی شہادت کے بعد حُر (رضی اللہ عنہ)، امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور قدم بوسی بجالانے کے بعد اذنِ جہاد طلب کیا۔ [2] علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ)، محمد ابن ابی طالب موسوی، صاحبِ مناقب ابنِ شہر آشوب اور ابنِ اثیر کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ جب امام حسین (علیہ السلام) کے اکثر اصحاب پہلے حملے میں شہادت پا گئے تو حُر (رضی اللہ عنہ) نے امام (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یابنَ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! چونکہ میں ہی سب سے پہلے آپ کی راہ میں مزاحم ہُوا تھا اس لیے مجھے اجازت دیجئے کہ میدانِ جہاد میں آپ کے سامنے مارا جاؤں، اور میں ہی وہ پہلا شخص قرار پاؤں جو بروزِ قیامت سب سے پہلے آپ کے جدّ بزرگوار سے مصافحہ کرے۔ (حضرت حُر کے مکالمے سے یوں لگتا ہے کہ اُن کا اجازت طلب کرنا حملۂ اَولیٰ سے پہلے تھا لیکن اس روایت کا محل اس کی نفی کرتا ہے۔ واللہ اعلم) چنانچہ اجازت ملنے پر وہ میدانِ جنگ کی طرف بڑھے اور جا کر رجز خوانی کرتے ہُوئے کہا، ''اے اہلِ کوفہ وشام! آگاہ ہو جاؤ کہ میں حُر بن یزید ریاحی ہوں، میں مہمانوں (امام علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کا جو کوفہ کے مہمان بننے آئے تھے) کا ملجا و ماویٰ ہوں۔ میں فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی نصرت کروں گا اور اپنی تلوار سے تمہارے سر قلم کروں گا۔'' حُر (رضی اللہ عنہ) کے مقابل سب سے پہلے یزید بن ابوسفیان تمیمی آیا اور آتے ہی واصلِ جہنم ہو گیا۔ اُس کے بعد چالیس سوار اور پیادے قتل ہُوئے یہاں تک کہ یزیدیوں نے اُن کے گھوڑے کو پے کر دیا۔ [3] ایوب بن مشرح کہتا تھا کہ واللہ! حُر کے گھوڑے کو میں نے پے کیا۔ اُس کے حلق میں تیر اُتارا، پس وہ ڈگمگایا اور گرا۔ حُر، تلوار کھینچ کر اُس کی پشت سے اس طرح کودا جیسے کوئی شیر میدان میں آ گیا ہو۔ اُس نے کہا میرے گھوڑے کو بیکار کر دیا تو کیا ہُوا۔ میں ببر شیر سے بڑھ کر بہادر اور شریف ہوں۔ ابنِ مشرح کا کہنا ہے کہ حُر کی طرح تیغ زنی کرتے ہُوئے میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ [4] حُر (رضی اللہ عنہ) لڑتے لڑتے شدید زخمی ہو کر بالآخر گر پڑے۔ ساتھی اُنھیں اُٹھا کر امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں لائے تو امام (علیہ السلام) نے اپنا دستِ مبارک اُن کے چہرے پر پھیرا اور گرد و غبار صاف کرتے ہُوئے فرمایا، ''جس طرح تیری والدہ نے تیرا نام حُر (آزاد) رکھا ہے ویسے ہی تو دُنیا و عقبیٰ میں بھی

[1] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ا ص ۵۷۶
[2] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ا ص ۵۹۰
[3] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۳۰
[4] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ حصّہ اوّل، ص ۲۱۸

حُر (آزاد) ہی ہے۔ چنانچہ حُر (رضی اللہ عنہ) ظالموں کے ظلم سے آزاد ہو کر عقبیٰ کی آزاد فضاؤں کی طرف پرواز کر گئے۔ [۱]

آقائی صدرالدین قزوینی نے کتبِ اربابِ مقاتل کے حوالے سے لکھا ہے کہ روزِ عاشورۂ محرم حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے اصحاب میں جناب حُر (رضی اللہ عنہ) سے زیادہ باوفا اور شجاع کوئی اور نہ تھا۔ حضرت حُر (رضی اللہ عنہ) نے میدانِ کارزار میں شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے جو رہتی دُنیا تک تابندہ رہیں گے۔ ہر چند کہ اُنھوں نے دشمنوں کو قتل اور زخمی کیا اور کسی کو اپنے قریب نہیں آنے دیا لیکن جب وہ پیادہ ہُوئے تو سواروں کا مقابلہ کرنا مشکل ہو گیا۔ امام حسین (علیہ السلام) کو اُن کے پیادہ ہونے کی خبر ملی تو فرمایا کہ گھوڑے پر زین کسو اور حُر تک پہنچاؤ۔ جب امام (علیہ السلام) کا بھیجا ہُوا آراستہ گھوڑا حُر (رضی اللہ عنہ) تک پہنچا تو اُنھوں نے اُس کی رکاب کو چُوما اور امام (علیہ السلام) کی اس بندہ پروری پر رونے لگے۔ پس، اُنھوں نے دوبارہ جنگ شروع کی اور عمر سعد کے لشکر کی صفوں کو درہم برہم کر دیا اور اسّی (۸۰) یا نوّے (۹۰) سپاہیوں کو تہِ تیغ کیا۔ بقولے، عمر سعد کا لشکر جمع تھا لیکن حُر (رضی اللہ عنہ) کے حملوں کی تاب نہ لا کر پراگندہ و منتشر ہو گیا۔ اُس وقت ہاتفِ غیبی نے ندا دی کہ اے حُر! دیکھو تم کدھر جا رہے ہو؟ اب وقتِ شہادت آ پہنچا ہے، حُور و قصور تمہارے انتظار میں ہیں۔ جب حُر (رضی اللہ عنہ) نے یہ آواز سُنی تو شوقِ شہادت میں جھومنے لگے اور اپنے سر سے خود اور بدن سے زِرہ اُتار کر جنگ کرنے لگے۔ شیخ مفید (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ دو اشخاص (ایوب بن مُرح اور قسورۃ بن کنانہ) نے مل کر اُن پر حملہ کیا۔ قسورۃ نے سامنے سے زہر آلود سنان اُن کے سینے میں اُتاری اور عقب سے ایوب بن مُرح نے زہریلی تلوار سے سر پر ضرب لگائی۔ حُر (رضی اللہ عنہ) گھوڑے سے گرے اور اُن کی رُوح جنّتِ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ بروایتے، امام حسین (علیہ السلام) اُن کے پاس آئے اور اُن کے چہرے سے خون صاف کر کے فرمایا، ''اے حُر! خدا تم سے خوش ہے، رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم سے خوش ہیں، میرے بابا علی (علیہ السلام) تم سے خوش ہیں، میری والدہ فاطمہ (علیہا السلام) تم سے خوش ہیں اور میں بھی تم سے خوش ہوں۔ [۲]

بُریر بن خُضیر ہمدانی (رضی اللہ عنہ) کی شہادت

امام حسین (علیہ السلام) کے اصحابِ باوفا یکے بعد دیگرے آپ (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوتے، سلام عرض کرتے اور اذنِ جہاد حاصل کر کے مقتل کی طرف چلے جاتے۔ آپ (علیہ السلام) ہر جانے والے سے فرماتے، ''وعلیکم السّلام، جاؤ، ہم بھی عنقریب تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔'' پھر آپ (علیہ السلام) سورت احزاب کی آیت کا مندرجہ ذیل حصّہ تلاوت فرماتے:

فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا ﴿۲۳﴾

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۳۰

[۲] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ا ص ۵۹۲ تا ۵۹۳

(ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنا وقت پُورا کر چکے ہیں اور کچھ اُس کا انتظار کر رہے ہیں اور اُنہوں نے (اپنی رَوِش میں) ذرا بھی تبدیلی نہیں کی۔ سورۃ الاحزاب: آیت: ۲۳)

روایت ہے کہ حضرت حُر (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد حضرت بُریر بن خُضیر ہمدانی (رضی اللہ عنہ) رَجز پڑھتے ہُوئے جہاد کے لیے نکلے۔ اُن کے مقابل یزید بن معقل آیا اور اُنھیں خلیفہ سوم اور سابق حاکمِ شام کے حوالے سے اُکسانے کے بعد کہنے لگا، ''تم کہتے ہو کہ امامِ ہدیٰ و برحق علی ابن ابی طالب (علیہ السّلام) ہیں۔'' بُریر (رضی اللہ عنہ) نے کہا ''ہاں! میرا عقیدہ یہی ہے۔'' یزید بن معقل بولا ''بے شک تم گمراہ ہو۔'' بُریر (رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا ''یہ بات ہے تو آؤ ہم دونوں لڑائی سے پہلے مباہلہ کر لیں اور دُعا کریں کہ خدا جھوٹے کو قتل کرے۔'' اس کے بعد دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ کیا۔ یزید کا وار اوچھا پڑا جس سے بُریر (رضی اللہ عنہ) کو کوئی ضرر نہ پہنچا مگر اُن کی تلوار یزید کا مغز کاٹتی چلی گئی اور وہ جہنم واصل ہو گیا۔ بُریر (رضی اللہ عنہ) اپنی تلوار اُس کے جسم سے نکال ہی رہے تھے کہ ایک یزیدی رضی بن منقذ عبدی اُن سے لپٹ گیا۔ بُریر (رضی اللہ عنہ) نے کسی پہلوان کی طرح اُسے زمین پر پٹخا اور اُس کی چھاتی پر سوار ہو گئے۔ رضی نے مدد کے لیے ساتھیوں کو پکارا تو کعب ازدی نامی شخص اُس کی مدد کو پہنچا۔ ایک شخص نے اُسے بُریر (رضی اللہ عنہ) پر حملہ کرنے سے منع کرتے ہُوئے جتایا کہ یہ وہی قاری ہیں جو مسجد میں ہمیں قرآن پڑھایا کرتے تھے۔ کعب پر اس تعارف کو کوئی اثر نہ ہُوا اور اُس نے عقب سے حملہ کر کے اپنا نیزہ اُن کی پشت میں اُتار دیا۔ بُریر (رضی اللہ عنہ) برچھا کھا کر گھٹنوں کے بل گرے مگر گرتے ہُوئے بھی عبدی کی ناک چبا ڈالی۔ اُس کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ کعب ازدی نے نیزہ نکال کر پھر وار کیا اور سنان کا پھل دوبارہ حضرت بُریر (رضی اللہ عنہ) کی پشت میں اُتر گیا اور وہ شہید ہو گئے۔ [1]

مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) کی شہادت

یزیدی لشکر کے ایک سردار عمرو بن حجاج نے میمنہ کے ساتھ فرات کی طرف سے حملہ کیا اور کچھ دیر تک جنگ ہوتی رہی۔ مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) اس حملہ میں موجود تھے اور بڑی جوانمردی سے لڑ رہے تھے۔ دو یزیدی سپاہیوں، مسلم بن عبداللہ اور عبدالرحمٰن بن ابی خشکارہ، نے مل کر اُن پر حملہ کیا۔ طبری نے لکھا ہے کہ اس حملے میں مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) شدید زخمی ہو گئے۔ امام حسین (علیہ السّلام)، حبیب ابنِ مظاہر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ اُن پر پہنچے تو وہ ابھی زندہ تھے۔ امام (علیہ السّلام) نے فرمایا ''اے مسلم بن عوسجہ! تمھارا رَب تم پر رحمتیں نازل فرمائے۔'' پھر آپ (علیہ السّلام) نے سورۂ احزاب کی آیت کا ایک حصّہ تلاوت فرمایا: فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ (ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنا وقت پورا کر چکے

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصّہ اوّل، ص ۲۳۳
سیّد ابنِ طاوُس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۶۵؛ آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ا ص ۶۰۱

ہیں اور کچھ اس (وقت) کا انتظار کر رہے ہیں اور انھوں نے (اپنی روش) ذرا بھی نہیں بدلی۔ سورۃ الاحزاب: آیت: ۲۳)
حبیب ابنِ مظاہر (رضی اللہ عنہ) نے کہا، ''مسلم! تمھاری جدائی بہت تکلیف دِہ ہے، تمھیں جنت کی بشارت ہو۔'' مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) نے نحیف آواز میں جواب دیا، ''میں بھی تمہیں خیر کی بشارت دیتا ہوں۔'' حبیب (رضی اللہ عنہ) نے کہا، ''اگر تمہاری رخصت کا وقت قریب نہ ہوتا تو میں چاہتا کہ تم مجھے وصیّت کرتے تا کہ میں دینداری اور رشتہ داری کا حق ادا کرتا۔'' مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) نے امام حسین (علیہ السلام) کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے حبیب (رضی اللہ عنہ) سے کہا، ''میں تمہیں ان کے بارے میں وصیّت کرتا ہوں کہ جب تک تمہارے بدن میں جان باقی ہے ان کا دفاع کرنا اور اپنے قتل ہونے تک ان کی مدد اور حمایت سے ہاتھ نہ کھینچنا۔'' حبیب (رضی اللہ عنہ) نے جواب میں کہا، ''میں تمہاری وصیّت پر عمل کروں گا اور تمہاری آنکھوں کو روشن کروں گا۔'' پھر حضرت مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ [۱]

حضرت مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) بن سعد بن ثعلبہ بن دودان بن اسد بن خزیمہ کا قبیلہ بنو اسد اور کُنّیت ابوحجل تھی۔ [۲]
شیعہ وسنی کے تمام معتبر منابع جیسے الاستعیاب، الاصابہ، طبقات بن سعد، تنقیح، تاریخ طبری وغیرہ میں موجود ہے کہ آپ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، امیر المومنین امام علی (علیہ السلام) اور امام حسین (علیہ السلام) کے معروف صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں سے تھے۔ آپ ابتدائے اسلام کی بہت سی جنگوں میں شریک رہے۔ غزوۂ آذربائیجان اور جنگِ جمل و صفین و نہروان میں بھی شرکت کی اور حضرت علی (علیہ السلام) کے باوفا ساتھی اور مددگار رہے۔ [۳] آپ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کئی روایات بھی نقل کی ہیں۔ [۴] اس کے علاوہ آپ کئی صفات کے مالک تھے اور شجاع و بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ قاریِ قرآن، عالمِ علوم، متقی و پرہیزگار، باوفا اور شریف انسان تھے۔ [۵] چنانچہ آپ کا شمار عابدوں، اہلِ مُرَوّت اور سخی افراد میں ہوتا تھا۔ [۶] حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام) پہلے پہل کوفہ میں آپ کے ہاں ٹھہرے تھے۔ اُن کے قیام کے بعد آپ کچھ عرصہ مخفی رہے پھر اپنے اہل و عیال کے ہمراہ کربلا پہنچ کر حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ مل گئے۔ چنانچہ آپ آخر تک اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ کربلا میں موجود رہے۔ آپ کی طرح آپ کے بیٹے نے بھی کربلا میں ہی جامِ شہادت نوش کیا۔ منقول ہے کہ خلف بن مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) آپ کا بیٹا

---

[۱] ابی مخنف، وقعۃ الطف، ص ۲۲۵؛ سید بن طاووس، لہوف، ص ۱۳۳
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۱۷
[۲] سماوی، ابصار العین فی انصار الحسین، ص ۱۳۵
[۳] فرسان الہیجاء، ج ۲ ص ۱۱۶؛ زرکلی، خیر الدین، اعلام، ج ۷ ص ۲۲۲
[۴] اُبو مخنف، مقتل الحسین (علیہ السلام)، ص ۱۳۶، ۱۳۸
[۵] تنقیح المقال، ج ۳ ص ۲۱۴
[۶] شیخ طوسی، رجال، ص ۸۰

تھا جو آپ کے ہمراہ کربلا میں شہید ہُوا۔ یوں بھی مذکور ہے کہ ایک جوان، حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی حمایت میں خیمہ سے باہر آیا تو اُس کی والدہ بھی اُس کے پیچھے آئی۔ وہ نوجوان مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) کا بیٹا تھا۔ [1]

عمرو بن قرطہ انصاری (رضی اللہ عنہ) کی شہادت

سیّد ابن طاوس (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) کے بعد عمرو بن قرطہ انصاری (رضی اللہ عنہ) امام حسین (علیہ السلام) سے اذنِ جہاد لے کر میدان میں گئے اور بہت سے فوجیوں کو فی النار کیا۔ وہ امام حسین (علیہ السلام) کی طرف آنے والے تیروں اور تلواروں کو اپنے ہاتھوں اور سینے پر روکتے۔ جب تک اُن کے دَم میں دَم رہا نواسۂ رسول (علیہ السلام) کے سامنے ڈھال بنے رہے۔ جب اُن کا جسم زخموں سے چُور چُور ہو گیا تو امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں عرض کی، ''مولا! کیا میں نے اپنا وعدہ وفا کیا؟'' امام (علیہ السلام) نے فرمایا، ''ہاں! تم مجھ سے پہلے بہشت میں جاؤ گے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں میرا اسلام پیش کرنا اور کہنا کہ حسین بھی میرے بعد آ رہے ہیں۔'' عمرو بن قرطہ انصاری نے دوبارہ جنگ شروع کی اور دلیرانہ لڑتے ہُوئے نصرتِ فرزندِ رسول (علیہ السلام) میں اپنی جاں نثار کر دی۔ [2]

نافع بن ہلال (رضی اللہ عنہ) کی شہادت

کتب تاریخ میں حضرت نافع بن ہلال (رضی اللہ عنہ) کے تین القاب مشہور ہیں، بَجلی، جملی اور مرادی۔ علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) نے شیخ مفید (رحمۃ اللہ علیہ) اور ابنِ شہر آشوب کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت نافع بن ہلال (رضی اللہ عنہ) رَجز پڑھتے ہُوئے میدان میں آئے اور کئی اشقیا کو تہِ تیغ کر ڈالا۔ آخر میں قبیلہ بنی قطیعہ کا مزاحم بن حرث اُن کے مقابلے پر نکلا اور آتے ہی مارا گیا۔ اب تک کے حملوں میں بہت سے یزیدی مارے جا چکے تھے چنانچہ میمنہ کے سردار عمرو بن حجاج نے اپنے لشکر والوں سے کہا کہ احمقو! کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارا مقابلہ کن لوگوں سے ہے؟ یہ شجاعانِ عرب اور صاحبانِ معرفت و بصیرت ہیں اور قتل ہونے سے نہیں ڈرتے۔ تم ان سے ایک ایک کر کے لڑو گے تو سب مارے جاؤ گے، اس لیے مل کر حملہ کرو۔ عمر سعد کو اُس کی رائے بہت پسند آئی اس لیے اُس نے حکم دیا کہ اجتماعی حملہ کرو۔ [3]

طبری نے نقل کیا ہے کہ نافع بن ہلال نے اپنے تیروں پر اپنا نام لکھ رکھا تھا جو زہر میں بجھے ہُوئے تھے۔ وہ تیر چلاتے

---

[1] سماوی، ابصار العین فی انصار الحسین، ص ۱۳۵

[2] سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۶۷

[3] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۳۸
ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۱۶

اور کہتے کہ میں جملی ہوں اور دینِ علی (علیہ السلام) پر ہوں۔ اُنھوں نے ابنِ سعد کے بارہ (۱۲) ساتھی قتل اور کئی زخمی کیے۔ جوش و خروش سے لڑتے لڑتے اُن کے دونوں بازو ٹوٹ گئے اور اُنھیں گرفتار کر کے ابنِ سعد کے سامنے پیش کیا گیا تو اُنھوں نے کہا، ''میرے بازو نہ ٹوٹتے تو تم مجھے گرفتار نہ کر سکتے، تاہم مجھے ذرا بھی پشیمانی نہیں کہ میں نے تمھارے بارہ ساتھیوں کو قتل اور کئی کو زخمی کیا ہے۔'' یہ سُن کر شمر نے ابنِ سعد کو مشورہ دیا کہ نافع کو قتل کر دیا جائے۔ ابنِ سعد نے انکار نہیں کیا۔ پس، شمر نے تلوار اُٹھائی تو نافع (رضی اللہ عنہ) بولے، ''اگر تُو مسلمان ہوتا تو اپنی گردن پر ہمارا خون لے کر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوتے ہُوئے نادِم ہوتا، لیکن خدا کا شُکر ہے کہ تم جیسے بدترین خلائق کے ہاتھوں ہماری شہادت لکھی گئی۔'' یہ سنتے ہی شمر نے اُنھیں شہید کر دیا۔ [1]

علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ نافع بن ہلال (رضی اللہ عنہ)، حبیب بن مظاہر (رضی اللہ عنہ) کے بعد میدانِ کارزار میں تشریف لائے۔ وہ بلا کے تیر انداز تھے اور اپنی تیر اندازی سے متعلق رَجز خوانی کرتے ہُوئے تیر چلاتے رہے اور جب تیر ختم ہو گئے تو شمشیر کو بے نیام کر لیا۔ بروایتے، اُنھوں نے تیرہ (۱۳) یزیدیوں کو ہلاک کیا۔ لڑائی کے دوران اُن کے دونوں بازو ٹوٹ گئے تو اُنھیں گرفتار کر کے ابنِ سعد کے رُوبرو پیش کیا گیا جہاں شمر نے اُنھیں شہید کر دیا۔ [2]

اجتماعی حملہ

کتبِ تاریخ میں حملۂ اَولیٰ، حملۂ میسرہ اور عمرو بن حجاج کے حملۂ میمنہ کے علاوہ مبارَزَت کی دوبدو جنگ کا ذکر تو موجود ہے لیکن مبارَزَت طلبی کا وقت واضح نہیں، کچھ منابع میں اس کا ذکر حملۂ اَولیٰ سے پہلے اور کچھ میں بعد میں آیا ہے، چنانچہ جنگ کے واقعات کا تسلسل برقرار رکھنے میں مؤلفین نے اپنی اپنی تحقیق کے مطابق ترتیب پیش کی ہے۔ پس مؤلف نے بھی اسے اپنی استطاعتِ علمی کے مطابق ترتیب دیا ہے اس لیے قارئین کرام سے گزارش ہے کہ واقعات کی ترتیب کی بجائے واقعاتی نوعیت کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

علامہ طالب جوہری لکھتے ہیں کہ مبارزطلبی کی جنگ میں حسین (علیہ السلام) کے قلیل لشکر کا پلہ بھاری تھا اس لیے یزیدی فوج کے ایک سردار عمرو بن حجاج نے اس صورتِ حال کو دیکھ کر اپنے لشکر والوں سے کہا کہ تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ تم کن لوگوں سے جنگ کر رہے ہو؟ تم کوفہ کے شہسواروں سے لڑ رہے ہو جو خود مرنے پر آمادہ ہیں۔ تم میں سے جو بھی اُن کے مقابلے پر جائے گا مارا جائے گا، پس مل کر حملہ کرو۔ عمر بن سعد نے اُس کی رائے کو پسند کرتے ہُوئے کہا کہ اب مبارزت نہ کی جائے۔

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۲

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۴۸

اس کے بعد عام حملے کا حکم دیا گیا کہ سب مل کر فوجِ حسین پر حملہ کرو۔ ابنِ کثیر نے بھی لکھا ہے کہ اُس روز بکثرت مبارزت ہوئی اور شجاعت و دلیری کی بنا پر اصحابِ حسین کا پلہ بھاری رہا اس لیے بعض افراد نے عمر بن سعد کو انفرادی جنگ ختم کرنے (اور اجتماعی جنگ کرنے کا) مشورہ دیا۔ پس، اُس نے فرات کی جانب سے اپنے میمنہ کے ساتھ حسین (علیہ السلام) پر حملہ کر دیا اور حسینی فوج کے سپاہیوں نے زانوں پر بیٹھ کر اپنے نیزے حملہ آور لشکر کی طرف کر دیے جس کی وجہ سے دشمن کے گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے اور اُنھیں پسپا ہونا پڑا۔ جب دشمن کی فوج واپس جا رہی تھی تو حسین (علیہ السلام) کے فوجیوں نے اُس پر تیر اندازی کی، کئی فوجی قتل ہُوئے اور بہت سے زخمی حالت میں واپس ہوئے۔ [1]

علامہ باقر مجلسیؒ، بحار الانوار میں حضرت مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ شمر نے میسرہ سے امام حسین (علیہ السلام) کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ اُس وقت امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھیوں میں سے صرف بتیس (۳۲) اصحاب باقی رہ گئے تھے، لیکن اُنھوں نے ثابت قدمی سے مقابلہ کیا جس کی وجہ سے حملہ آور بھاگ کھڑے ہُوئے۔ عمر سعد نے حَصین بن نُمیر کو پانچ سو (۵۰۰) تیر اندازوں کے ساتھ شمر کی کمک کو بھیجا۔ جنگ کی آگ بھڑک اُٹھی یہاں تک کہ یزیدی سپاہی امام حسین (علیہ السلام) کے قریب پہنچ گئے اور تیروں کی بارش کر دی۔ حسینی مجاہدوں نے دشمن کے گھوڑوں کو پے کرنا شروع کر دیا۔ [2]

بروایتے، شمر بن ذی الجوشن اپنے لشکر کے ساتھ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی جانب بڑھا لیکن امام (علیہ السلام) کے گھڑسوار دستے نے پوری قوّت سے اُس کے حملے کا دفاع کیا اور دلیرانہ وار لڑتے ہُوئے یزیدیوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ شمر نے عمر بن سعد سے تیر اندازوں کی کمک طلب کی اور تقریباً پانچ سو (۵۰۰) تیر انداز اُس کی مدد کو پہنچ گئے جنھوں نے آتے ہی اصحابِ حسین پر تیروں کی بارش کر دی۔ اصحابِ حسین کے تمام گھوڑے اُس تیر اندازی میں زخمی ہو گئے جس کی وجہ سے سواروں کو پیدل ہو کر لڑنا پڑا۔ [3] اور یہ وہ وقت تھا جب امام (علیہ السلام) کے ساتھیوں کی بہت بڑی تعداد نے جامِ شہادت نوش کیا۔

---

[1] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا ص ۲۸۵ بحوالہ:
ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۱۶
ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، تاریخ کامل، ج ۴ ص ۲۸

[2] ابی مخنف، وقعۃ الطف، ص ۲۲۵؛
ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۱۷

[3] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا ص ۲۸۸ بحوالہ: پور بتول (ترجمہ البدایہ والنہایہ) ص ۱۱۸
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۲۳۹ تا ۲۴۰

پہلے حملے کے شہدائے کرام

تاریخ میں ان شہدا کی ترتیبِ شہادت، تعداد اور اسمائے گرامی میں تضاد ہے، جس کا سبب ملتے جلتے نام، اُن ناموں میں عرصۂ دراز سے ہوتی چلی آرہی کتابت کی غلطیاں، شہدا کی ولدیت، کنیات اور القابات کی مماثلت یا واقعات کی یکساں نوعیت ہے۔ چنانچہ ہم نے کتبِ تاریخ میں ملنے والے متواتر ناموں کو یہاں حروفِ تہجی کی ترتیب سے درج کیا ہے۔[1]

۱) ادھم بن اُمیّہ عبدی بصری (رضی اللہ عنہ)

۲) اُمیّہ بن سعد طائی (رضی اللہ عنہ)

۳) بشر بن عمرو حضرمی/محمد بن بشر حضرمی (رضی اللہ عنہ)

۴) جابر بن حجاج (رضی اللہ عنہ)

۵) حباب بن عامر تیمی (رضی اللہ عنہ)

۶) جبلہ بن علی شیبانی (رضی اللہ عنہ)

۷) جنادہ بن کعب بن حرث انصاری خزرجی (رضی اللہ عنہ)

۸) جندب بن حجیر کندی (رضی اللہ عنہ)

۹) جبین بن مالک (رضی اللہ عنہ)

۱۰) حارث بن امرئ القیس کندی (رضی اللہ عنہ)

۱۱) حارث بن نبہان (رضی اللہ عنہ)

۱۲) حجاج بن بدر (رضی اللہ عنہ)

۱۳) حلاس بن عمرو راسبی (رضی اللہ عنہ)

۱۴) زاہر بن عمرو کندی (رضی اللہ عنہ)

۱۵) زُہیر بن سلیم ازدی (رضی اللہ عنہ)

۱۶) سالم (رضی اللہ عنہ) عامر بن مسلم عبدی کے غلام

۱۷) سالم بن عمرو (رضی اللہ عنہ)

---

[1] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا ص ۲۶۹ تا ۲۸۲ بحوالہ: ذخیرۃ الدارین؛ ابصار العین؛ الحدائق الوردیہ؛ وسیلۃ الدارین؛ انصار الحسین؛ قاموس الرجال؛ فرسان الهیجاء؛ تنقیح المقال؛ حیات الامام الحسین (علیہ السلام)

۱۸) سوار بن ابی عمیر (رضی اللہ عنہ)

۱۹) شبیب بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ)

۲۰) شبیب بن عبداللہ نہشلی بصری (رضی اللہ عنہ)

۲۱) عائذ بن مجمع (رضی اللہ عنہ)

۲۲) عامر بن مسلم عبدی (رضی اللہ عنہ)

۲۳) عبداللہ بن بشر (رضی اللہ عنہ)

۲۴) عبداللہ بن یزید بن ثبیط عبدی (رضی اللہ عنہ)

۲۵) عبیداللہ بن یزید بن ثبیط عبدی (رضی اللہ عنہ)

۲۶) عبدالرحمٰن بن عبدرب انصاری خزرجی (رضی اللہ عنہ)

۲۷) عبدالرحمٰن بن مسعود (رضی اللہ عنہ)

۲۸) عمرو بن ضبیعہ تمیمی (رضی اللہ عنہ)

۲۹) عمار بن حسان طائی (رضی اللہ عنہ)

۳۰) عمار بن ابی سلامہ ہمدانی (رضی اللہ عنہ)

۳۱) قاسم بن حبیب بن ابی بشر ازدی (رضی اللہ عنہ)

۳۲) قاسط بن زُہیر تغلبی (رضی اللہ عنہ)

۳۳) کردوس بن زُہیر تغلبی (رضی اللہ عنہ)

۳۴) کنانہ بن عتیق (رضی اللہ عنہ)

۳۵) مسلم بن کثیر ازدی (رضی اللہ عنہ)

۳۶) مسعود بن حجاج (رضی اللہ عنہ)

۳۷) مقسط بن زہیر (رضی اللہ عنہ)

۳۸) نصر بن ابی نیزر (رضی اللہ عنہ)

۳۹) نعمان بن عمرو اسبی (رضی اللہ عنہ)

۴۰) نعیم بن عجلان انصاری (رضی اللہ عنہ)

مندرجہ بالا چالیس (۴۰) اسمائے گرامی علامہ طالب جوہری نے اپنی معروف تالیف حدیثِ کربلا میں ''حملۂ اولیٰ کے شہدا'' کے ذیل میں نقل کیے ہیں جب کہ دیگر کتب میں ان میں سے کچھ نام جنگ کے مختلف مواقع پر ملتے ہیں اور اسی طرح کچھ نام ایسے بھی ہیں جو اس فہرست میں شامل نہیں ہیں لیکن دوسری کتب میں ابتدائی حملے میں لکھے گئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے معروف عالمِ دین اور دانشور جناب طالب جوہری صاحب کی تحقیق کو ہی حتمی سمجھتے ہُوئے پیش کیا ہے۔ ابنِ اعثم کوفی سے منقول ہے کہ حملۂ اولیٰ میں دشمن کی تعداد بائیس ہزار (۲۲۰۰۰) تھی جب کہ اصحابِ حسین میں بتیس (۳۲) سوار اور چالیس (۴۰) پیادے تھے، جن میں سے پچاس (۵۰) سے زیادہ افراد شہید ہُوئے۔ [۱] بقولے فاضل قرشی، اس حملے میں یزیدی افواج کو کئی بار ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور اُن کی صفیں منتشر ہوئیں۔ [۲]

حضرت عباس علمدار (علیہ السلام) کا ایک اور حملہ

منقول ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) کے کچھ اصحاب، جن میں عمرو بن خالد صیداوی، اُن کا غلام سعد، جابر بن حارث سلمانی اور مجمع بن عبداللہ عائذی (رضی اللہ عنہم) شامل تھے، دادِ شجاعت دیتے ہُوئے لشکرِ یزید کے قلب تک پہنچ گئے۔ یزیدی فوج نے اُنھیں چاروں طرف سے گھیر لیا تو امام حسین (علیہ السلام) نے اُن کی مدد کے لیے حضرت عباس (علیہ السلام) کو روانہ کیا۔ حضرت عباس (علیہ السلام) تن تنہا پہنچے اور سخت مقابلے کے بعد اُنھیں نکال لائے۔ لیکن کافی دیر تک لشکرِ کثیر کے نرغے میں رہنے کی وجہ سے وہ اصحاب اتنے مجروح ہو چکے تھے کہ جانبر نہ ہو سکے اور شہادت کے مرتبے پر فائز ہو گئے۔ [۳] اُن کے بعد مُتعدّد مجاہدین امام (علیہ السلام) کی نصرت میں فدا ہو کر امر ہُوئے۔ حنظلہ بن اسعد شبامی، سیف بن حارث بن سریع اور مالک بن عبداللہ بن سریع (رضی اللہ عنہم) بھی انھیں جنت نشینوں میں شامل تھے۔ [۴] ان شہدائے کرام سے پہلے عبداللہ اور عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہما) کے نام بھی مرقوم ہیں۔ [۵]

---

[۱] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا، ص ۲۶۷
الفتوح، ج ۵ ص ۱۰۱، مقتل مقرم، ص ۲۳۷

[۲] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا، ص ۲۶۷
حیات الامام حسین (علیہ السلام)، ج ۳ ص ۲۰۳

[۳] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا، ص ۲۸۸ بحوالہ: مقتل مقرم، ص ۲۳۹
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۵

[۴] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا، ص ۲۸۸ بحوالہ:
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۳
ابنِ اثیر جزری، (متوفی: ۶۳۰ھ، موصل، عراق)، تاریخ کامل، ج ۴ ص ۳۰

[۵] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا، ص ۲۸۸ بحوالہ: مقتل مقرم، ص ۲۳۹

امام حسین (علیہ السلام) کا استغاثہ اور یزیدی فوجی

کچھ مقتل نگاروں نے لکھا ہے کہ جب امام حسین (علیہ السلام) نے اپنے ساتھیوں کے لاشے دیکھے تو ایک مختصر خطاب کے بعد پھر صدائے استغاثہ بلند فرمائی۔ یعنی کہا، ''کیا کوئی ہماری فریادرسی کرنے والا ہے؟ کیا کوئی دشمن کو حرمِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دفع کرنے والا ہے؟'' تو یزیدی فوج کے دو سپاہیوں نے جو آپس میں بھائی بھی تھے اور جن کے نام سعد بن حارث اور ابوالحتوف بن حارث منقول ہیں امام (علیہ السلام) کی آواز پر لبیک کہا اور نصرتِ امام میں فوجِ یزید سے لڑتے ہُوئے شہید ہوگئے۔[1] ہم گزشتہ صفحات پر بیان کر چکے ہیں کہ پہلے استغاثہ کے بعد امام (علیہ السلام) نے فرمایا تھا، ''میرا استغاثہ تو ان لوگوں سے اتمامِ حُجّت کے لیے ہے۔'' یعنی میں اپنے جد رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فرمانِ واجبُ الاِذعان (ایسا حکم جس کی تعمیل واجب ہو) کی مخالفت نہیں کروں گا۔ مجھے میرے نانا نے بہت جلد اپنے پاس بلایا ہے... الخ''[2] پس جن کے دلوں میں حق کی رمق باقی تھی انھوں نے لبیک کہا اور باطل کے اندھیروں سے نکل کر حق کے اُجالوں میں چلے آئے۔

خیموں کو آگ لگا دو

ظہر کے وقت عمر بن سعد نے حکم دیا کہ حسینی خیموں کو گرا دو۔ یزیدی افواج کا خیام کی طرف رُخ کرنا تھا کہ اصحابِ حسین (رضی اللہ عنہم) ٹولیوں کی صورت میں خیموں کے سامنے سِینہ سپَر ہوگئے اور جو بھی آگے بڑھتا اُس پر حملہ کر دیتے۔ اس طرح دشمن کے کئی سپاہی مارے گئے۔ عمر سعد نے یہ حال دیکھا تو کہا کہ خیموں کو آگ لگا دو۔ امام حسین (علیہ السلام) نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ انھیں آگ لگانے دو تا کہ آگ کی وجہ سے اس طرف سے ان کا راستہ مَسدود ہو جائے۔ طبری نے نقل کیا ہے کہ دو پہر تک شدید جنگ ہوتی رہی، اس کے بعد ابنِ سعد کے حکم پر خیامِ حسینی کو گرانے کے لیے اُس کا لشکر آگے بڑھا تو حسین (علیہ السلام) کے اصحاب نے اُنھیں تہِ تیغ کرنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر ابنِ سعد نے حکم دیا کہ خیموں کو آگ لگا دو۔ طبری اور ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جب ابنِ سعد نے خیمے جلانے کا حکم دیا تو شمر بن ذی الجوشن فوراً حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے خیمے کے پاس آیا اور اُس پر نیزہ مار کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آگ لے آؤ، میں اس خیمے کو جلا کر اسے اس کے مکینوں سمیت راکھ کر دوں گا۔ حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے اُس سے فرمایا کہ اللہ تجھے آگ میں جھونکے۔ منقول ہے کہ ایک شخص شبث بن ربعی نے شمر کو بُرا بھلا کہا اور شرم دلائی تو اُس نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔ بقولے، حمید بن مسلم نے اُسے غیرت دلائی تو وہ واپس ہو گیا۔ طبری نے لکھا ہے کہ شمر کے پلٹنے سے پہلے زُہیر بن قین (رضی اللہ عنہ) نے اپنے دس (۱۰) ساتھیوں کے ساتھ اُس پر

---

[1] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا، ص ۲۸۸ بحوالہ: مقتلِ مقرم، ص ۲۳۹

[2] آقائی صدرالدین واعظ القزوینی، ریاض القدس، ج ۱، ص ۵۶۷

حملہ کر دیا۔ اُن کا حملہ اتنا شدید تھا کہ شمر اور اُس کے ساتھی پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ [1]

نمازِ ظہر

امام حسین (علیہ السلام) کے لیے نماز خاص اہمیت کی حامل تھی۔ آپ (علیہ السلام) اس فریضے کو نہ صرف یہ کہ کبھی قضا نہ کرتے بلکہ ہمیشہ اوّل وقت میں مکمل اہتمام کے ساتھ ادا کیا کرتے تھے۔ آپ (علیہ السلام) کے اصحاب بھی آپ کی تقلید میں ہمیشہ سرگرم رہتے۔ میدانِ کربلا میں صبح سے شروع ہونے والے حق و باطل کے معرکے میں یزیدیوں کے کئی لاشے گر چکے تھے اور حسینی مجاہدوں کی کثیر تعداد شہید ہو چکی تھی۔ بھوک اور پیاس خیامِ حسینی میں برہنہ سر نوحہ کناں تھی، بچے سہمے ہُوئے اور خواتین آنے والے وقت کے خوف سے پریشان و بے حال تھیں۔ شدائد و مصائب بامِ عروج پر پہنچ چکے تھے لیکن نماز سبھی کو یاد تھی۔ امام حسین (علیہ السلام) کے ایک ساتھی ابو ثمامہ عمرو بن عبداللہ صائدی نے آسمان پر طرف نگاہ ڈالی اور زوالِ آفتاب کو دیکھ کر امام (علیہ السلام) کی خدمت میں عرض کی کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں، میں دیکھ رہا ہوں کہ دشمن آپ کے قریب پہنچ چکے ہیں لیکن خدا کی قسم آپ اس وقت تک قتل نہیں ہوں گے جب تک میں (آپ کی خاطر) قتل نہ ہو جاؤں۔ نماز کا وقت ہو گیا ہے، میری تمنا ہے کہ اسے پڑھ کر بارگاہِ الٰہی میں حاضری دوں۔ امام (علیہ السلام) نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا "ہاں! یہ نماز کا اوّل وقت ہے۔ تم نے نماز کو یاد کیا، اللہ تمہیں نماز گزاروں اور ذکر کرنے والوں میں قرار دے۔" پھر فرمایا "سپاہیوں سے کہو کہ جنگ کو روکیں تاکہ ہم نماز ادا کر لیں۔" جواب میں ایک یزیدی حُصین بن تمیم نے کہا کہ تمہاری نماز قبول نہیں ہے۔ حبیب بن مظاہر (رضی اللہ عنہ) نے اُسے ٹوکتے ہُوئے کہا "اے گدھے! تمہارا خیالِ ناقص یہ ہے کہ آلِ رسول (علیہم السلام) کی نماز قبول نہیں اور تمہاری ہے؟" حُصین بن تمیم نے طیش میں آ کر اُن پر حملہ کر دیا۔ بقولِ طبری، حبیب (رضی اللہ عنہ) شہید ہو گئے لیکن باقر مجلسیؒ نے اُن کی شہادت میدانِ جنگ میں لڑتے ہُوئے بیان کی ہے کس کا ذکر آگے آئے گا۔ [2] نمازِ ظہر کا وقت شروع ہو چکا تھا چنانچہ امام حسین (علیہ السلام) نے نماز شروع کرنے سے پہلے زہیر بن قین (رضی اللہ عنہ) اور سعید بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ اُن کے آگے کھڑے ہو جائیں پھر آپ (علیہ السلام) نے آدھے ساتھیوں کے ساتھ نماز شروع کی۔ دورانِ نماز یزیدیوں نے امام (علیہ السلام) پر تیر برسانا شروع کر دیے۔ سعید بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ)، امام عالی مقام (علیہ السلام) کے آگے ڈھال بن کر کھڑے ہُوئے

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۳۹ تا ۲۴۰
علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا، ص ۲۹۰، ۲۹۱ بحوالہ: تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۱۹، ۲۲۰

[2] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا، ص ۲۹۱ بحوالہ: تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۰
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۴۰۔ ۲۴۲ تا ۲۴۸

تھے اور اُن کی طرف آنے والے ہر تیر کو اپنے بدن پر روک رہے تھے یہاں تک کہ زخموں سے چُور ہو کر زمین پر گر گئے۔ اُس وقت اُن کے لبوں پر یہ کلمات جاری تھے، ''پروردگار! ان لوگوں پر عاد و ثمود کی طرح لعنت کر۔ یا الٰہی! اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو میرا سلام پہنچا اور اُنھیں میرے زخموں کی تکلیف سے آگاہ کر۔ میں نے تیرے ثواب کے لیے تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذُرِّیّت کی مدد کی ہے۔'' یہ کہہ کر اپنی جان، جانِ آفریں کے سُپرد کر دی۔ اُن کے جسم پر تلواروں اور نیزوں کے مُتعدّد زخم تھے اور ان کے علاوہ تیرہ (۱۳) تیر بھی جسم میں پیوست تھے۔ [1]

باقر مجلسیؒ لکھتے ہیں کہ سعید بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کے بعد عبدالرحمٰن بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) اور پھر یکے بعد دیگرے عمرو بن قرطہ انصاری (رضی اللہ عنہ) اور جَون حبشی (رضی اللہ عنہ) جو کہ حضرت ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہ) کے غلام تھے، شہید ہُوئے۔ [2]

نمازِ ظہر کے بعد امام (علیہ السلام) کا اپنے ساتھیوں سے خطاب

ناسخ التواریخ کے مطابق نماز کے بعد امام عالی مقام (علیہ السلام) نے اپنے اصحاب (رضی اللہ عنہم) سے فرمایا، ''اے میرے ساتھیو! یہ جنت کے دروازے (تمہارے لیے) کھلے ہیں، اس کی نہریں رواں ہیں، اس کے پھل پکے ہُوئے ہیں، اس کے محلات سجے ہُوئے ہیں اور اس کی حوریں اور غلمان (تمہارے) منتظر اور (تم سے) مانوس ہیں۔ اور یہ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کی معیّت میں شہید ہونے والے اور میرے والدین تمہاری آمد کے منتظر اور تم سے ملاقات کے مشتاق ہیں۔ پس تم دِینِ خدا کی حمایت اور حرمِ رسول کی حفاظت کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' امام (علیہ السلام) کا خطاب سُن کر اہلِ حرم میں ایک شور اُٹھا اور اُنھوں نے درِ خیمہ پر آ کر اصحابِ حسین سے فرمایا، ''اے گروہِ اسلام اور اہلِ ایمان! اللہ کے دِین کی حمایت کرو اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہلِ حرم اور اپنے امام اور نبی زادے کا دفاع کرو۔ اللہ نے ہماری نصرت کے ذریعے تمہارا امتحان لیا ہے۔ تم ہمارے جد کے جوار میں ہمارے ہمسائے ہو۔ تم ہماری نگاہ میں باعزت اور اہلِ مودّت ہو پس دشمنوں سے ہمارا دفاع کرو، اللہ تمہیں برکت نصیب کرے۔'' یہ سننا تھا کہ امام حسین (علیہ السلام) کے اصحاب میں صدائے گریہ بلند ہوئی اور اُنھوں نے کہا، ''اے اہلِ بیتِ رسول (علیہم السلام)! ہماری جانیں اور ہمارا خون آپ پر نثار اور ہماری روحیں آپ پر فدا ہیں۔ واللہ! جب تک ہم زندہ ہیں آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچنے دیں گے۔ ہم نے خود کو تلواروں کے حوالے کر دیا ہے اور جانیں قربان کرنے اور اپنے جسموں کو پرندوں کی خوراک بنا دینے پر آمادہ ہیں تا کہ آپ کی حفاظت کر سکیں۔ آج وہی کامیاب ہوگا جو آپ کی راہ میں جان

---

[1] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا ص ۲۹۲
سیّد ابنِ طاووس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف ص ۶۹ تا ۷۰
علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۲۴۰ تا ۲۴۱

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۲۴۱ تا ۲۴۲

نثار کردے اور خیر کمالے۔'' [1]

نماز کے بعد باقی ماندہ حسینی مجاہد پھر میدانِ جنگ میں کُود پڑے۔ لڑائی میں تیزی آ گئی تھی اور ایک بہت بڑے لشکر کے سامنے چند بھوکے پیاسے اور زخموں سے چُور مجاہد نصرتِ نواسۂ رسول (علیہ السلام) میں یکے بعد دیگرے کٹتے چلے گئے۔ علامہ طالب جوہری اربابِ مقاتل سے نقل کرتے ہیں کہ امام (علیہ السلام) کا کوئی ساتھی اذنِ جہاد طلب کرنے آتا تو آپ (علیہ السلام) کی خدمت میں عرض کرتا، ''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا بْنَ رَسُوْلِ اللهِ۔''

امام (علیہ السلام) سلام کا جواب دیتے اور فرماتے، ''فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا ﴿۲۳﴾ (تم پر بھی سلام ہو۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنا وقت پورا کر چکے ہیں (شہید ہو چکے ہیں) اور کچھ اُس (وقتِ شہادت) کا انتظار کر رہے ہیں اور اُنھوں نے (اپنے عزم میں) ذرا بھی تبدیلی نہیں کی۔ سورۃ الاحزاب: آیت: ۲۳)

جون حبشی (رضی اللہ عنہ) کی شہادت

علامہ باقر مجلسیؒ، بحوالہ سیّد ابنِ طاوسؒ لکھتے ہیں کہ عمرو بن قرطہ انصاری (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہ) کے غلام جَون حبشی (رضی اللہ عنہ)، حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور جہاد کی اجازت چاہی۔ امام (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے جَون! تم تو حصولِ عافیت کے لیے آئے تھے، میرے ساتھ خود کو مصیبت میں مبتلا نہ کرو اور واپس چلے جاؤ۔ جَون (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی کہ یا بنَ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں نے آپ کے ساتھ خوشحالی میں عیش و آرام کے دن گذارے ہیں، اب وقتِ ابتلا ہے تو کیسے جُدا ہو سکتا ہوں؟ میرا رنگ سیاہ اور جسم بدبودار ہے تو کیا آپ یہ پسند نہیں فرمائیں گے کہ میں سفید رُو اور خوشبودار ہو کر جنّت میں جاؤں؟ واللہ! میں آپ کی نُصرت میں شہید ہُوئے بغیر نہیں جاؤں گا۔ پس، امام عالی مقام (علیہ السلام) نے اُنھیں جہاد کی اجازت دی اور وہ رَجز خوانی کرتے ہُوئے رزم گاہ کی طرف بڑھے اور مردانہ وار لڑتے ہُوئے شہید ہو گئے۔ امام حسین (علیہ السلام) اُن پر پہنچے اور دُعا کی، ''اَللّٰهُمَّ بَیِّضْ وَجْهَهٗ وَطَیِّبْ رِیْحَهٗ وَاحْشُرْهُ مَعَ الْأَبْرَارِ وَعَرِّفْ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ'' (الٰہی! اس کا چہرہ نورانی اور بدن خوشبودار کر دے اور اسے اپنے نیک بندوں اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ محشور فرما۔) حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام) نے اپنے والد گرامی امام سجاد (علیہ السلام) سے روایت کی ہے کہ بنی اسد نے ملاحظہ کیا کہ امام حسین (علیہ السلام) کی دُعا سے جَون کے لاشے سے مُشک کی خوشبو آنے لگی۔ [2]

---

[1] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، کراچی، پاکستان)، حدیثِ کربلا، ص ۲۹۳ بحوالہ: محمد تقی لسان الملک سپہر، ناسخ التواریخ، ج ۲ ص ۲۸۶ تا ۲۸۹

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ حصہ اوّل، ص ۲۴۲؛ سیّد ابنِ طاوس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۶۸

علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ)، سیّد ابنِ طاووس (رحمۃ اللہ علیہ) سے نقل کرتے ہیں کہ جَون (رضی اللہ عنہ) کے بعد عمر بن خالد صیداوی، اور اُن کے بعد حنظلہ بن سعد شامی، سوید بن عمرو بن مطاع، یحییٰ بن سلیم مازنی، قرہ بن ابی قرہ غفاری، مالک بن انس مالکی (بقولے ابن بابویہ، ان کا نام انس بن حارث کاہلی تھا)، عمرو بن مطاع جعفی، حجاج بن مسروق (مُؤَذِّن)، اور زُہیر بن قین (رضی اللہ عنہم) مقامِ شہادت پر فائز ہُوئے۔ طبری نے لکھا ہے کہ سوید بن عمرو (رضی اللہ عنہ) معرکۂ کربلا کے آخری شہید تھے۔ وہ شدید زخمی حالت میں کُشتوں میں پڑے ہُوئے تھے۔ امام حسین (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد اُنھوں نے لوگوں کو کہتے سُنا کہ حسین (علیہ السلام) شہید ہوگئے ہیں تو وہ گھبرا کر اُٹھے، تلوار اُٹھانا چاہی مگر معلوم ہُوا کہ کوئی لے گیا ہے۔ ایک چُھری بھی پاس تھی، اُسی کو لے کر دوبارہ لڑنے لگے اور آخرکار عروہ بن بطار اور زید بن جنبی کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ [1]

زُہیر بن قین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت

زُہیر بن قین (رضی اللہ عنہ) قبیلہ بَجلیہ کے بزرگان میں سے تھے اور کوفہ میں رہتے تھے۔ [2] آپ کے والد رسولِ اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابی تھے۔ [3] اور آپ خود، امام حسین (علیہ السلام) کے باوفا اصحاب میں سے ایک تھے۔ [4] صبحِ عاشورہ امام حسین (علیہ السلام) نے اپنے لشکر کو مُرتّب کیا تو میمنہ کی قیادت آپ کو سونپی۔ [5] آپ کوفہ کے بہادر اور شریف افراد میں شمار ہوتے تھے اور مختلف جنگوں میں فتوحات حاصل کرنے کی وجہ سے خاص شہرت کے حامل تھا۔ [6] اس وجہ سے روزِ عاشورہ مبارَزت طلبی میں جب سالم اور یسار کی طرف سے للکارا گیا اور اُن کے ساتھ مقابلے کے لیے عبداللہ بن عمیر کلبی (رضی اللہ عنہ) نکلے تو اُنھوں نے کہا کہ ہم تمھیں نہیں پہچانتے جاؤ زُہیر بن قین یا حبیب بن مظاہر میں سے کسی کو بھیجو۔ [7] آپ فوراً آگے بڑھے تھے لیکن امام حسین (علیہ السلام) نے جنگ کی اجازت نہ دی اور عبداللہ بن عمیر کو ہی مقابلے کے لیے بھیجا۔ بعد ازاں زہیر (رضی اللہ عنہ) اور حُر

---

[1] طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۳۴۱؛ سیّد ابنِ طاوس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۵۸ تا ۶۹

[2] تنقیح المقال، ج ۱ ص ۴۵۲ – ۴۵۳

[3] السماوی، محمد، ابصار العین فی انصار الحسین (علیہ السلام)، ص ۱۶۱

[4] انساب الاشراف، ج ۳ ص ۱۸۷؛ طبری، تاریخ الطبری، ج ۴ ص ۳۲۰؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲ ص ۹۵ الاخبار الطوال، ص ۲۵۶؛ الکامل فی التاریخ، ج ۴ ص ۵۹

[5] طبری، تاریخ الطبری، ج ۴ ص ۳۲۰؛ انساب الاشراف ج ۳ ص ۱۸۷؛ شیخ مفید، الارشاد ج ۲ ص ۹۵ الاخبار الطوال، ص ۲۵۶؛ الکامل فی التاریخ، ج ۴ ص ۵۹؛ خوارزمی، مقتل الحسین علیہ السلام، خوارزمی ج ۲ ص ۶ – ۷

[6] السماوی، محمد، ابصار العین فی انصار الحسین (علیہ السلام)، ص ۱۶۱

[7] طبری، تاریخ الطبری، ج ۴، ص ۳۲۷؛ شیخ مفید، الارشاد، ج ۲ ص ۱۰۱

(رضی اللہ عنہ) مل کر جنگ کے لیے گئے۔ وہ دونوں جنگ میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہے یہاں تک کہ حُر (رضی اللہ عنہ) شہید ہو گئے اور زُہیر (رضی اللہ عنہ) خیمہ گاہ کی طرف لوٹ آئے۔ [۱]

امام حسین (علیہ السّلام) جب ظہر کی نماز کے لیے کھڑے ہُوئے تو زُہیر بن قین اور سعید بن عبداللہ حنفی (رضی اللہ عنہما) امام (علیہ السّلام) کی حفاظت کے لیے اُن کے آگے سینہ سپر ہو گئے۔ [۲] نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد زہیر (رضی اللہ عنہ) نے امام (علیہ السّلام) کی شان میں چند اشعار کہے جن کا مطلب یوں ہے، ''آگے بڑھتے جایئے اے ہدایت یافتہ! اور رہنما! آپ (علیہ السّلام) اپنے جد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)، علی مرتضیٰ (علیہ السّلام)، حسن مجتبیٰ (علیہ السّلام)، دلیر انسان جعفر طیار (علیہ السّلام) اور شیرِ خدا حمزہ شہید (علیہ السّلام) سے ملاقات کریں گے۔'' اس کے بعد وہ امام (علیہ السّلام) سے اذنِ جہاد لے کر یہ رَجز پڑھتے ہُوئے رَزم گاہ کی طرف بڑھے، ''میں قین کا بیٹا زُہیر ہوں اور اپنی تلوار سے امام حسین (علیہ السّلام) کی ناموس کا دفاع کروں گا۔ حسین (علیہ السّلام) رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے نواسوں میں ایک ہیں اور ایک ایسے اعلیٰ خاندان سے ان کا تعلق ہے جن کی زینت نیکی اور تقویٰ ہے۔ وہ اس وقت خدا کی حُجّت ہیں اور پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی نسل ہیں۔ پس، میں تمہیں قتل کرنے میں کوئی عیب نہیں سمجھتا۔'' اور کہا، ''کاش میں ایک کی بجائے دو ہوتا تو دوبار امام حسین (علیہ السّلام) کی نصرت کرتا۔'' زہیر (رضی اللہ عنہ) نے مردانہ وار لڑتے ہُوئے ایک سو بیس (۱۲۰) یزیدیوں کو ہلاک کیا اور آخر کار کثیر بن عبداللہ شعبی اور مہاجر بن اوس تمیمی کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کیا۔ [۳] بروایتے اُن کے بعد سعید بن عبداللہ حنفی (رضی اللہ عنہ) اور حبیب بن مظاہر اسدی (رضی اللہ عنہ) رَزم گاہ میں گئے۔ [۴]

امام حسین (علیہ السّلام) نے اُن کی شہادت کے بعد فرمایا، ''اے زُہیر! خدا تمہیں اپنی رحمت سے دُور نہ کرے، تمہارے قاتلوں پر خدا کی لعنت ہو اور خدا تمہارے قاتلوں کو بنی اسرائیل کے مسخ شُدہ افراد کی طرح ہمیشہ کے لیے لعنت میں گرفتار کرے۔'' [۵]

---

[۱] طبری، تاریخ الطبری، ج ۴ ص ۳۳۶؛ الکامل فی التاریخ ج ۴ ص ۷۱؛ انساب الاشراف ج ۳، ص ۱۹۵

[۲] خوارزمی، مقتل الحسین خوارزمی ج ۲ ص ۲۰؛ لہوف، ص ۱۶۵

[۳] مناقب آل ابی طالب ج ۳ ص ۲۲۵؛ تاریخ الطبری، ج ۴ ص ۳۳۶
انساب الاشراف ج ۳ ص ۱۹۶؛ الکامل فی التاریخ، ج ۴ ص ۷۱

[۴] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السّلام) حصّہ اوّل، ص ۲۴۶
مناقب آل ابی طالب ج ۳، ص ۲۲۵؛ انساب الاشراف ج ۳، ص ۱۹۶؛ الکامل فی التاریخ، ج ۴ ص ۷۱
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۱

[۵] خوارزمی، مقتل الحسین خوارزمی ج ۲، ص ۲۳

زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں دو مقام پر زُہیر (رضی اللہ عنہ) کا نام آیا ہے، ''سلام ہو زُہیر بن قین بَجلی پر، وہ مردِ مجاہد جسے امام حسین (علیہ السلام) نے واپس جانے کی اجازت دے دی مگر اُس نے کہا کہ نہیں! خدا کی قسم! میں ہرگز رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بیٹے کو جس پر خدا کا دُرود اور سلام ہو، تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ کیا میں، رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بیٹے کو دشمن کے نرغے میں اسیری کی حالت میں چھوڑ دوں اور اپنے آپ کو نجات دے دوں؟ خدا مجھے وہ دن نہ دکھائے۔'' [1]

حبیب ابنِ مظاہر (رضی اللہ عنہ) کی شہادت

منقول ہے کہ حبیب بن مظاہر (رضی اللہ عنہ)، سعید بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کے بعد شہید ہُوئے۔ وہ یہ رَجز پڑھتے ہُوئے میدانِ حرب میں آئے، ''اے قوم! میں حبیب بن مظاہر ہوں، مردِ میدانِ حَرب۔ تم تعداد میں زیادہ سہی مگر ہماری حُجّت اور بُرہان تم پر غالب اور ظاہر ہے۔ تم بے حد بے وفا ہو جب کہ ہم صابر، وفادار اور تم سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہم تعداد میں تمہارے برابر ہوتے تو تمہارا مُنھ موڑ دیتے۔'' اس کے بعد حبیب (رضی اللہ عنہ) بہت جوانمردی سے لڑے اور باسٹھ (٦٢) اشقیا کو قتل کیا۔ قبیلہ تمیم کے ایک سپاہی نے نیزے سے حملہ کیا۔ حبیبؓ نے اُس کا حملہ روکنا چاہا لیکن عین اُس وقت حَصین بن نُمیر نے اُن کے سر پر تلوار کا وار کیا اور وہ زمین پر گر پڑے۔ تمیمی نے اپنے گھوڑے سے اُتر کر اُن کا سَر تن سے جُدا کر دیا۔ اور بقولے، حَصین بن نُمیر نے ہی اُنھیں شہید کیا۔ بعض روایات کے مطابق بدیل بن صریم نے اُنھیں شہید کیا اور اُن کا سَر اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا۔ بدیل بن صریم اسی حالت میں مکہ معظّمہ پہنچا تو حبیب بن مظاہر کے نوعمر بیٹے نے اپنے والد کا سَر اُس سے چھین کر اُس کا سَر قلم کر ڈالا۔ حضرت امام حسین (علیہ السلام) حبیبؓ کی شہادت سے بہت غمگین ہُوئے اور فرمایا، ''میں اپنی جان اور اپنے اصحاب کی جانیں اللہ کے سُپرد کرتا ہوں اور اس کا اَجر اُسی سے طلب کرتا ہوں۔ [2] طبری لکھتے ہیں کہ جب حبیب بن مظاہر (رضی اللہ عنہ) شہید ہو گئے تو امام حسین (علیہ السلام) کا دِل ٹوٹ گیا۔ پھر حُر (رضی اللہ عنہ) رَجز پڑھتے ہُوئے زُہیر بن قین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مِل کر جنگ کرنے لگے۔ ان دونوں میں سے ایک شخص حملہ کرتا اور جب وہ دشمنوں میں گھر جاتا تو دوسرا حملہ کر کے اُسے چھڑا لیتا۔ دونوں کچھ دیر اسی طرح لڑتے رہے۔ زہیر (رضی اللہ عنہ) نے بہت شدید قتال کیا اسی دوران پیادوں کے جمِ غفیر نے ہجوم کر کے حُر (رضی اللہ عنہ) کو شہید کر دیا۔ [3]

---

[1] الاقبال، ج ٣، ص ٧٧-٧٨

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ١١١٠ھ)، بحارالانوار، ج ١٠ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ٢٤٢ تا ٢٤٨

[3] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ٩٢٣ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ٤ ص ٢٢١

انصارِ امام حسین (علیہ السلام) کے اسمائے گرامی

۱۔ ابوتمامہ عمر بن عبداللہ صائدی (رضی اللہ عنہ)

۲۔ ابنِ مسعود بن حجاج (رضی اللہ عنہ)

۳۔ اسلم بن کثیر ازدی الاعرج (رضی اللہ عنہ)

۴۔ انس بن کاہل اسدی (رضی اللہ عنہ)

۵۔ بشر بن عمیر حضرمی (رضی اللہ عنہ)

۶۔ جبلہ بن علی شیبانی (رضی اللہ عنہ)

۷۔ جندب بن حجر خولانی (رضی اللہ عنہ)

۸۔ جویر بن مالک ضبعی (رضی اللہ عنہ)

۹۔ حبیب بن مظاہر اسدی (رضی اللہ عنہ)

۱۰۔ حجاج بن یزید سعدی (رضی اللہ عنہ)

۱۱۔ حجاج بن مسروق جعفی (رضی اللہ عنہ)

۱۲۔ حُر بن یزید ریاحی (رضی اللہ عنہ)

۱۳۔ حنظلہ بن اسعد شیبانی (رضی اللہ عنہ)

۱۴۔ حیان بن حارث ازدی (رضی اللہ عنہ)

۱۵۔ زاہر غلام عمرو بن حمق خزاعی (رضی اللہ عنہ)

۱۶۔ زُہیر بن بشر خثعمی (رضی اللہ عنہ)

۱۷۔ زُہیر بن قین بجلّی (رضی اللہ عنہ)

۱۸۔ سالم (رضی اللہ عنہ) غلامِ عامر بن مُسلم (رضی اللہ عنہ)

۱۹۔ سالم کلبی (رضی اللہ عنہ)

۲۰۔ سعید (رضی اللہ عنہ) غلامِ عمر بن خالد صیداوی (رضی اللہ عنہ)

۲۱۔ سلیمان (رضی اللہ عنہ) (امام حسین علیہ السلام کے خادم)

۲۲۔ سوار بن ابو حمیر فہمی (رضی اللہ عنہ) (مجروح)

۲۳۔ سیف بن مالک (رضی اللہ عنہ)

۲۴۔ شبیب بن حارث بن سریع (رضی اللہ عنہ)

۲۵۔ شبیب بن عبداللہ نہشلی (رضی اللہ عنہ)

۲۶۔ شوذب غلام شاکری (رضی اللہ عنہ)

۲۷۔ ضرغامہ بن مالک (رضی اللہ عنہ)

۲۸۔ عابس بن ابو شبیب شاکری (رضی اللہ عنہ)

۲۹۔ عامر بن مُسلم (رضی اللہ عنہ)

۳۰۔ عبداللہ بن ثبیت قیسی (رضی اللہ عنہ)

۳۱۔ عبداللہ بن عروہ غفاری (رضی اللہ عنہ)

۳۲۔ عبداللہ حنفی (رضی اللہ عنہ)

۳۳۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ ارجی (رضی اللہ عنہ)

۳۴۔ عبدالرحمٰن بن عروہ غفاری (رضی اللہ عنہ)

۳۵۔ عبدالرحمٰن بن عمیر کلبی (رضی اللہ عنہ)

۳۶۔ عبیداللہ بن ثبیت قیسی (رضی اللہ عنہ)

۳۷۔ عمار بن ابوسلامہ (رضی اللہ عنہ)

۳۸۔ عمار بن حسان طائی (رضی اللہ عنہ)

۳۹۔ عمر بن خالد صیداوی (رضی اللہ عنہ)

۴۰۔ عمر بن قرطہ انصاری (رضی اللہ عنہ)

۴۱۔ عمرو بن جندب (رضی اللہ عنہ)

۴۲۔ عمرو بن عبداللہ جندعی (رضی اللہ عنہ)

۴۳۔ عمرو بن کعب انصاری (رضی اللہ عنہ)

۴۴۔ عمیر بن ضبیعہ (رضی اللہ عنہ)

۴۵۔ عون بن جوَن (رضی اللہ عنہ) غلام ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہ)

۴۶۔ قارب (رضی اللہ عنہ) امام حسین (علیہ السلام) کے خادِم

۴۷۔ قاسط بن ظہیر تغلبی (رضی اللہ عنہ)

۴۸۔ قاسم بن حبیب ازدی (رضی اللہ عنہ)

۴۹۔ قعنت بن عمرو نمری (رضی اللہ عنہ)

۵۰۔ قیس بن مسہر صیداوی (رضی اللہ عنہ)

۵۱۔ کرش بن ظہیر (رضی اللہ عنہ)

۵۲۔ کنانہ بن عتیق (رضی اللہ عنہ)

۵۳۔ مالک بن عبداللہ بن سریع (رضی اللہ عنہ)

۵۴۔ مجمع بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ)

۵۵۔ مسعود بن حجاج (رضی اللہ عنہ)

۵۶۔ منجح (رضی اللہ عنہ) امام حسین (علیہ السلام) کے خادِم

۵۷۔ نافع بن ہلال بَجلّی (رضی اللہ عنہ)

۵۸۔ نعیم بن عجلان انصاری (رضی اللہ عنہ)

۵۹۔ یزید بن حَصین ہمدانی (رضی اللہ عنہ)

۶۰۔ یزید بن ثُبیت قیسی (رضی اللہ عنہ)

(مندرجہ بالا فہرست زیارتِ ناحیہ سے اخذ کی گئی ہے، اس لیے صرف اُنھیں ناموں کو لکھا گیا ہے جو اس میں جو مذکور ہیں۔)

"مروج الذہب" کے مطابق کل ستاسی (۸۷) اشخاص اہل بیت (علیہم السلام) اور اصحابِ حسین (علیہ السلام) سے شہید ہُوئے جبکہ لشکرِ عمر

سعد سے آٹھ ہزار اسّی (۸۰۸۰) لوگ جہنم واصل ہُوئے۔ [۱]

علامہ طالب جوہری، اپنی شہرہ آفاق تالیف ''حدیثِ کربلا'' میں مُتعَدّد کتبِ تاریخ کے حوالے سے مندرجہ ذیل نام اس وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ شہدا کی یہ فہرست حتمی نہیں ہے ممکن ہے کچھ لوگ کم ہوں؛ اور بہت سے افراد ناموں میں سہوِ کتابت کے سبب ایک سے زیادہ مرتبہ شمار کیے گئے ہوں جنھیں حذف کرنے سے شماروں میں کمی آسکتی ہے، فقط مطالعہ اور تحقیق میں سہولت کی غرض سے اُنھیں حذف نہیں کیا گیا ہے۔ علامہ طالب جوہری، مزید فرماتے ہیں کہ اگر مقاتل کو نگاہ میں رکھ کر شہدا میں ترتیب قائم کرنے کی کوشش کی جائے تو بھی صحیح نتیجے تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں۔ فاضل جلیل سیّد مہدی قزوینی نے ابومخنف کی بیان کردہ ترتیب درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ابومخنف کی ترتیب کے برخلاف دیگر کی بیان کردہ ترتیبوں میں تقدیم وتاخیر کا فرق ہے۔ وہ آگے لکھتے ہیں کہ شیخ صدوق (رحمۃ اللہ علیہ) نے امالی میں یہ ترتیب بیان کی ہے کہ پہلی شہادت حُر (رضی اللہ عنہ) کی ہے، اُس کے بعد زُہیر بن قین، پھر عبداللہ بن عروہ غفاری، پھر بریر بن حضیر ہمدانی، پھر مالک بن انس کاہلی، پھر زیاد بن مظاہر کندہ، پھر وہب، پھر ہلال بن حجاج (رضی اللہ عنہم)، پھر عبداللہ بن مسلم بن عقیل، پھر علی بن الحسین، پھر قاسم بن حسن، پھر امام حسین (علیہم السلام) کی شہادت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان شہدا میں تقدیم وتاخیر کا علم اللہ (جل جلالہ) اور معصومین (علیہم السلام) کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے اور ہماری غرض بھی اسے معلوم کرنا نہیں ہے بلکہ ان شہدائے کرام کے واقعات اور مصائب کا علم حاصل کرنا ہے۔ ابومخنف نے ایک روایت میں حضرت ابوالفضل (علیہ السّلام) کی شہادت کو سارے شہیدوں سے پہلے ذکر کیا ہے اور طریحی نے اُن کی شہادت کو باستثنائے جناب علی اکبر (علیہ السّلام) شہدا کے بعد ذکر کیا ہے۔ شیخ عباس قمی اور ان کی کتاب کے مترجم مرزا ابوالحسن شعرانی نے بھی اس موضوع پر گفتگو کرتے ہُوئے بیان کیا ہے کہ مقاتل میں تقدیم وتاخیر کے اختلافات اس بات کی دلیل نہیں کہ واقعات میں وہی ترتیب ہے بلکہ درحقیقت یہ بیان واقعات کی تقدیم وتاخیر ہے۔ لہٰذا یہی بہتر ہے کہ تقدیم وتاخیر کی بحث کو چھیڑے بغیر اصحابِ حسین کی شخصیت وکردار کا مطالعہ کیا جائے۔ [۲]

اس فہرست میں وہ نام بھی موجود ہیں جو اُوپر دی گئی زیارتِ ناحیہ والی فہرست میں شامل ہیں۔ اس تکرار کی وجہ قارئین کے لیے تحقیق میں آسانی پیدا کرنا ہے۔ مزید برآں ان دونوں فہرستوں میں وہ انصار بھی شامل ہیں جن کا ذکر بالائی صفحات پر واقعاتی نوعیت کے حساب سے وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مؤلف)

۱۔ ابوثمامہ صائدی (رضی اللہ عنہ)

(ان کا پورا نام عمرو بن عبداللہ ابوثمامہ صائدی تھا یہ تابعی اور امیر المومنین (علیہ السّلام) کے صحابی تھے۔)

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السّلام) حصہ اوّل، ص ۲۸۹

[۲] علامہ طالب جوہری، (متوفی: ۲۰۲۰ء، پاکستان)، حدیث کربلا (طبع ۲۰۱۱ء، ناشر: مولانا مصطفیٰ جوہر اکیڈمی، کراچی)، ص ۲۹۵ تا ۳۹۰

۲۔ ادھم بن اُمیّہ عبدی (رضی اللہ عنہ) (یہ حملۂ اوّلیٰ میں شہید ہوئے۔)

۳۔ ابوالحتوف بن حرث بن سلمہ انصاری عجلانی (رضی اللہ عنہ)

(یہ یزیدی فوج میں تھے، میدانِ کربلا میں امام حسین (علیہ السلام) نے جب صدائے استغاثہ بلند کی تو ان کا دِل امام (علیہ السلام) کی طرف پلٹ گیا۔ انھوں نے اپنے بھائی سعد بن حرث (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ فوجِ یزید سے نکل کر امام (علیہ السلام) کی نصرت میں تلوار کھینچ لی، اور لڑتے ہُوئے شہید ہو گئے۔ بحوالہ: ذخیرۃ الدارین، ص ۲۵۶)

۴۔ ابوالشعثاء کندی (رضی اللہ عنہ)

(ان کا پورا نام ابوالشعثاء کندی یزید بن زیاد بن مہاصر، اور تعلق قبیلہ بنی کندہ سے تھا۔ بحوالہ: تاریخ طبری، ج ۴ ص ۳۰۸)

۵۔ اسلم بن عمرو ترکی (رضی اللہ عنہ)

(یہ قرآن کے قاری اور امام حسین (علیہ السلام) کے خادِم تھے، مقاتل میں انھیں غلام ترکی لکھا گیا ہے۔ وقتِ شہادت ان کا سر امام عالی مقام (علیہ السلام) کے زانو پر اور امام (علیہ السلام) کا رخسار ان کے رخسار پر تھا۔ بحوالہ: ذخیرۃ الدارین؛ کفایۃ الطلاب؛ حلیۃ الاولیاء؛ محمد تقی لسان الملک سپہر، ناسخ التواریخ، ج ۲ ص ۳۰۵؛ ابصار العین، ص ۹۶)

۶۔ اسلم بن کثیر ازدی (رضی اللہ عنہ)

(یہ حملۂ اوّلیٰ میں شہید ہُوئے۔ بحوالہ: تاریخ طبری؛ مناقب، ابنِ شہر آشوب)

۷۔ اُمیّہ بن سعد طائی (رضی اللہ عنہ)

(یہ اصحابِ امیرالمومنین (علیہ السلام) میں سے تھے، اور حملۂ اوّلیٰ میں شہید ہُوئے۔)

۸۔ انس بن حرث کاہلی (رضی اللہ عنہ)

(یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے بزرگ صحابی تھے، اور اصحابِ صفہ میں سے تھے۔ بحوالہ: ذخیرۃ الدارین، ص ۲۰۸)

۹۔ انیس بن معقل اصحبی (رضی اللہ عنہ)

(بعض محققین کے مطابق یہ یزید بن مغفل جعفی ہیں۔)

۱۰۔ بُریر بن خُضیر ہمدانی (رضی اللہ عنہ)

(یہ تابعی اور قاریِ قرآن تھے، ان کا تعلق کوفہ سے تھا۔)

۱۱۔ بدر بن رقیط (رضی اللہ عنہ)

(بروایتے ان کا نام یزید بن ثبیت ہے جن کا تذکرہ تاریخ طبری میں بھی ہے۔ کتابت کی غلطی کہ وجہ سے یہ نام بدر بن رقیط ہو گیا۔ بحوالہ: انصار الحسین، ص ۱۱۲)

۱۲۔ بشر بن عمرو حضرمی (رضی اللہ عنہ)

۱۳۔ بکر بن حیّ بن تیم اللہ ثعلبہ تیمی (رضی اللہ عنہ)

(یہ یزید کے لشکر میں تھے، ابنِ سعد نے جنگ کا فیصلہ کیا تو اُسے چھوڑ کر امام (علیہ السلام) کی طرف چلے گئے، اور حملۂ اوّلیٰ میں شہید ہوئے۔ بحوالہ: ابصار العین، ص ۱۹۴)

۱۴۔ بکیر بن حُر ریاحی (رضی اللہ عنہ)

(یہ حُر بن ریاحی کے فرزند تھے۔ صاحبِ ناسخ نے ان کا نام علی لکھا ہے۔)

۱۵۔ جابر بن حجاج بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ)

(ان کا تعلق بنی تیم سے تھا۔ یہ حملۂ اوّلیٰ میں شہید ہوئے۔)

۱۶۔ جابر بن عروہ غفاری (رضی اللہ عنہ)

(یہ بزرگ، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابی تھے، اور بدر کے علاوہ دیگر جنگوں میں بھی شریک رہے۔)

۱۷۔ جبلہ بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ)

(علامہ طالب جوہری ان کے نام کے حوالے سے کتابت میں سہو کا احتمال ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس نام سے مراد جبلہ بن علی شیبانی ہیں۔)

۱۸۔ جبلہ بن علی شیبانی (رضی اللہ عنہ)

(یہ حملۂ اوّلیٰ میں شہید ہوئے۔)

۱۹۔ جنادہ بن کعب انصاری (رضی اللہ عنہ)

(یہ حملۂ اوّلیٰ میں شہید ہوئے۔)

۲۰۔ جنادہ بن حارث انصاری (رضی اللہ عنہ)

۲۱۔ جندب بن حجیر بن زُہیر بن حارث بن کبیر بن خشم بن حجیر کندی خولانی کوفی (رضی اللہ عنہ)

(بقولے ان کو صحابیت کا شرف بھی حاصل تھا۔ یہ امیر المومنین (علیہ السلام) کے بھی صحابی تھے۔ حملۂ اوّلیٰ میں شہید ہوئے۔)

۲۲۔ جَون (رضی اللہ عنہ)

(حضرت جَون (رضی اللہ عنہ) سیاہ فام تھے۔ نوبہ کے رہنے والے تھے اور حضرت ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہ) کے غلام تھے۔ شہادت کے بعد ان کے سر کو امام عالی مقام (علیہ السلام) نے اپنی گود میں رکھ کر ان کے لیے دُعا کی کہ الٰہی جَون کی رنگت سفید کر دے، اور

جسم کی بُو کو خُوشبو سے بدل دے۔ چنانچہ جب بنی اسد شہدا کی تدفین کے لیے گئے تو ان کی لاش سے مُشک کی خوشبو اُٹھ رہی تھی۔
بحوالہ: ذخیرۃ الدارین، ص ۲۱۸؛ فرسان الھیجا، ص ۸۰)

۲۳۔ جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمی (رضی اللہ عنہ)

(یہ ابنِ سعد کے لشکر کے ساتھ کربلا آئے تھے۔ جب ابنِ سعد نے امام حسین (علیہ السلام) کی شرائط کو ماننے سے انکار کر دیا اور جنگ پر آمادہ ہُوا تو یہ چند افراد کے ساتھ امام (علیہ السلام) سے ملحق ہو گئے اور حملۂ اولیٰ میں شہید ہُوئے۔)

۲۴۔ حارث بن امرؤالقیس کندی بن عابس (رضی اللہ عنہ)

(یہ بھی ابنِ سعد کے لشکر کے ساتھ کربلا آئے تھے۔ جب ابنِ سعد نے امام حسین (علیہ السلام) کی تمام شرائط کو نامنظور کر دیا ار جنگ کے لیے تیار ہو گیا تو یہ بھی امام (علیہ السلام) سے مل گئے، اور اُن کی طرف سے لڑتے ہُوئے حملۂ اولیٰ میں شہید ہُوئے۔)

۲۵۔ حرث بن نبہان (رضی اللہ عنہ)

(ان کے والد حضرت امیر حمزہ (رضی اللہ عنہ) کے غلام تھے۔ ان کا شمار بالترتیب حضرت امام علی، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین (علیہم السلام) کے اصحاب میں ہوتا ہے۔ یہ بھی حملۂ اولیٰ میں شہید ہُوئے۔)

۲۶۔ حباب بن حارث سلمانی ازدی (رضی اللہ عنہ)

(علامہ مہدی شمس الدین نے اس نام کو کتابت کی غلطی قرار دیا ہے، اُن کے نزدیک یہ بزرگ جابر بن حارث سلمانی ہیں۔ جبکہ یہ نام حیان بن حارث کے طور پر کتب میں آیا ہے۔ یہ بھی حملۂ اولیٰ میں شہید ہُوئے۔ بحوالہ: انصار الحسین، ص ۷۸)

۲۷۔ حباب بن عامر کعب تیمی (رضی اللہ عنہ)

(انھوں نے کوفہ میں حضرت مسلم (علیہ السلام) کی بیعت کی تھی۔ اُن کی شہادت کے بعد چھپ کر وہاں سے نکلے اور اثنائے راہ میں امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ ملحق ہو گئے۔ بروایتے یہ حملۂ اولیٰ میں شہید ہُوئے۔ بحوالہ: ذخیرۃ الدارین، ص ۲۶۷)

۲۸۔ حبشہ بن قیس نہمی بن سلمہ بن طریف بن اہان بن سلمہ بن حارثہ بن نہم (رضی اللہ عنہ)

(بعض مَوارد میں ان کا نام حبشی بھی لکھا گیا ہے۔)

۲۹۔ حبیب بن عبداللہ نہشلی (رضی اللہ عنہ) یا شبیب بن عبداللہ نہشلی (رضی اللہ عنہ)

(بعض مصنفین نے احتمال ظاہر کیا ہے کہ یہ ابوعمرو نہشلی ہو سکتے ہیں جبکہ بعض کے نزدیک یہ شبیب بن عبداللہ نہشلی ہیں۔ یہ امیر المومنین (علیہ السلام) کے اصحاب میں سے تھے۔)

۳۰۔ حبیب بن مظاہر اسدی (رضی اللہ عنہ)

(حبیب بن مظاہر (رضی اللہ عنہ) سانحۂ کربلا تک بہت ضعیف ہوچکے تھے۔ ان کے بچپن میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انھیں اپنی آغوش مبارک میں لے کر ان کا بوسہ لیا تھا کیونکہ یہ خاکِ پائے امام حسین (علیہ السلام) کو چومتے اور اپنے چہرے پر لگاتے تھے۔ بحوالہ: منتخب طریحی، ج ۱ ص ۱۱۶)

۳۱۔ حجاج بن زید سعدی (رضی اللہ عنہ)

(ان کا نام زیارتِ ناحیہ میں حجاج بن زید سعدی اور زیارتِ رَجبیّہ میں حجاج بن یزید ہے، سماوی نے حجاج بن بدر تحریر کیا ہے۔ یہ بھی امیر المومنین (علیہ السلام) کے اصحاب میں سے تھے۔ حملۂ اَولیٰ میں شہید ہُوئے۔)

۳۲۔ حجاج بن مسروق مذحجی (رضی اللہ عنہ)

(یہ بزرگ امام حسین (علیہ السلام) کے قافلے میں مُؤَذِّن تھے۔)

۳۳۔ حُجیر بن جُندب (رضی اللہ عنہ)

۳۴۔ حُر بن یزید ریاحی (رضی اللہ عنہ)

(ان کا تفصیلی ذکر کیا جاچکا ہے۔)

۳۵۔ حلاس بن عمرو راسبی (رضی اللہ عنہ)

(یہ بھی حملۂ اَولیٰ میں شہید ہُوئے۔)

۳۶۔ حنظلہ بن اسعد شبامی بن عبداللہ بن السعد بن حاشر بن ہمدان (رضی اللہ عنہ)

(یہ قاریِ قرآن تھے۔)

۳۷۔ حیان بن حارث سلمانی (رضی اللہ عنہ)

(یہ نام مختلف طرح سے مختلف روایات میں مرقوم ہے۔ مثلاً جابر بن حارث سلمانی، جنادہ بن حرث سلمانی، حباب بن حارث سلمانی، حسان بن حارث وغیرہ۔ بحوالہ: انصار الحسین، ص ۸۷؛ معجم رجال الحدیث، ج ۶ ص ۳۹۸)

۳۸۔ خالد بن عمرو بن خالد ازدی (رضی اللہ عنہ)

۳۹۔ خلف بن مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ)

(یہ مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ) کے فرزند تھے، اُن کی شہادت کے بعد مقتل میں جانے لگے تو امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا کہ واپس چلے جاؤ، تم شہید ہوگئے تو تمھاری ماں تنہا رہ جائے گی۔ یہ واپس جانے لگے تو ان کی والدہ نے کہا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تم

سے راضی رہوں تو جاؤ اور اپنی جان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فرزند پر نثار کردو۔ چنانچہ یہ میدانِ جنگ میں جا کر نہایت دلیری سے لڑنے لگے اور ان کی والدہ عقب سے ان کا حوصلہ بڑھاتی رہیں۔ ان کی شہادت کے بعد یزیدیوں نے ان کا سر کاٹ کر ان کی ماں کی طرف پھینک دیا۔ ماں نے سر کو اُٹھا کر سینے سے لگایا اور ایسی گریہ زاری کی کہ دوسرے بھی آبدیدہ ہو گئے۔ بحوالہ: ناسخ التواریخ، ج ۲ ص ۲۷۷)

۴۰۔ داؤد بن طرماح (رضی اللہ عنہ)

۴۱۔ رافع بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ)

(رافع بن عبداللہ، یومِ عاشورہ نمازِ ظہر کے بعد دورانِ جنگ شہید ہوئے، ان کو کثیر بن تمیمی اور محضر بن اوس نے مل کر شہید کیا تھا۔ بحوالہ: ذخیرۃ الدارین، ص ۲۷۱)

۴۲۔ ربیعہ بن خوط (رضی اللہ عنہ)

(ابوثور ربیعہ بن خوط۔ یہ حبیب بن مظاہرؓ کے چچا زاد بھائی تھے، کوفہ کے رہنے والے تھے، اور مشہور شاعر بھی تھے۔ حملۂ اَولیٰ میں شہید ہوئے۔)

۴۳۔ رمیث بن عمرو (رضی اللہ عنہ)

(یہ اصحاب امام حسین (علیہ السلام) میں سے تھے۔)

۴۴۔ زاہر بن عمرو (رضی اللہ عنہ)

(حملۂ اَولیٰ میں شہید ہوئے۔)

۴۵۔ زائدہ بن مہاجر (رضی اللہ عنہ)

(علامہ شمس الدین نے لکھا ہے کہ احتمال ہے کہ سہوِ کتابت نے "یزید بن زیاد بن مہاجر" کے نام کو موجودہ صورت دے دی ہو۔ بحوالہ: انصار الحسین، ص ۱۱۷)

۴۶۔ زُہیر بن سلیم (رضی اللہ عنہ)

(یہ نام زیارتِ رَجَبیّہ میں زُہیر بن سلیمان ہے۔ یہ، شبِ عاشورا ابنِ سعد کے لشکر سے نکل کر امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ آملے تھے، اور حملۂ اَولیٰ میں شہید ہوئے۔)

۴۷۔ زُہیر بن سائب / زہیر بن سیار (رضی اللہ عنہ)

(علامہ شمس الدین نے زُہیر بن سائب کے عنوان میں لکھا ہے کہ کتاب الاقبال میں ان کا نام زُہیر بن سیار ہے۔ بحوالہ: انصار الحسین)

۴۸۔ زُہیر بن بشر (رضی اللہ عنہ)

(یہ بھی حملۂ اَولیٰ میں شہید ہوئے۔)

۴۹۔ زُہیر بن قین بن قیس انماری بَجَلّی (رضی اللہ عنہ)

(یہ کوفہ کے باسی تھے۔ انھیں کثیر بن عبداللہ شعبی اور مہاجر بن اوس نے مل کر شہید کیا۔ بحوالہ: تاریخ طبری، ج ۴ ص ۳۶۶)

۵۰۔ زیاد بن عریب (رضی اللہ عنہ)

(ابوعمرو زیاد بن عریب کا تعلق قبیلہ ہمدان سے تھا۔ عامر بن نہشل نے ان کو شہید کیا۔ یہ نمازی، تہجد گذار اور عابد و زاہد شخص تھے۔)

۵۱۔ سالم مولیٰ بنی المدینہ کلبی (رضی اللہ عنہ)

(یہ حملۂ اَولیٰ میں شہید ہوئے۔)

۵۲۔ سالم مولیٰ عامر (رضی اللہ عنہ)

(یہ بھی حملۂ اَولیٰ میں شہید ہوئے تھے۔)

۵۳۔ سعد بن بشر بن عمر حضرمی (رضی اللہ عنہ)

(یہ بھی حملۂ اَولیٰ کے شہداء میں سے تھے۔)

۵۴۔ سعد بن حارث (رضی اللہ عنہ)

۵۵۔ سعد بن حارث خزاعی (رضی اللہ عنہ)

(یہ امیر المومنین علی (علیہ السلام) کے غلام تھے۔ اُن کے بعد بالترتیب امام حسن اور امام حسین (علیہما السّلام) کے خدمت گزاروں میں رہے۔ حملۂ اَولیٰ میں شہید ہوئے۔)

۵۶۔ سعد بن حنظلہ تمیمی (رضی اللہ عنہ)

(یہ خالد بن عمرو بن خالد ازدی (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد میدان میں آئے اور شہید ہوئے۔)

۵۷۔ سعید بن عبداللہ حنفی (رضی اللہ عنہ)

(سعید بن عبداللہ حنفی کا تعلق کوفہ سے تھا۔ کوفہ سے امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں دعوت نامے لانے والوں میں یہ آخری شخص تھے۔ حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام) نے بیعت کے بعد ان کو خط دے کر امام (علیہ السلام) کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ یہ امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ رہے اور نمازِ ظہر میں امام (علیہ السلام) کے سامنے کھڑے اُن کی طرف آنے والے تیروں کو اپنے جسم پر روکتے رہے۔ ان کے جسم میں تیرہ تیر پیوست ہُوئے اور بالآخر شہید ہوگئے۔ یہ بہت عبادت گزار اور شجاع تھے۔ بحوالہ: تاریخ طبری، ج ۴ ص ۳۳۶؛ تاریخ کامل بن اثیر، ج ۴ ص ۲۹)

۵۸۔ سلمان بن مضارب (رضی اللہ عنہ)

(یہ زُہیر بن قین (رضی اللہ عنہ) کے چچازاد تھے اور اُن سے پہلے شہید ہُوئے۔)

۵۹۔ سفیان بن مالک (رضی اللہ عنہ)/سیف بن مالک (رضی اللہ عنہ)

(بقولے سفیان بن مالک اور سیف بن مالک، ایک ہی شہید کے دو نام ہیں جو مختلف روایات میں آئے ہیں۔ بحوالہ: فاضل شمس الدین، انصار الحسین، ص ۹۳)

۶۰۔ سلیمان بن سلیمان ازدی (رضی اللہ عنہ)

۶۱۔ سلیمان بن کثیر (رضی اللہ عنہ)/مسلم بن کثیر ازدی (رضی اللہ عنہ)

(بقولے یہ مسلم بن کثیر ازدی ہیں۔ بحوالہ: علامہ شمس الدین، انصار الحسین، ص ۱۱۸)

۶۲۔ سلیمان بن ابی زرین (رضی اللہ عنہ)

(بروایتے، یہ عاشورہ کے شہدائے کرام میں شامل نہیں تھے۔ امام حسین (علیہ السلام) نے اہلِ بصرہ کو جو خط لکھا تھا وہ ان کے ذریعے بھجوایا تھا۔ منذر بن جارود نے اس کی اطلاع ابنِ زیاد کو کردی جس نے انھیں پھانسی کی سزا دے دی۔ انھیں سلیمان بن عوف حضرمی نے دار پر چڑھایا۔ بحوالہ: علامہ طالب جوہری، حدیثِ کربلا، ص ۳۴۰)

۶۳۔ سوید بن عمرو ابی المطاع خثعمی (رضی اللہ عنہ)

(طبری کے مطابق یہ امام حسین (علیہ السلام) کے اصحاب میں سے بچ جانے والے ایک صحابی تھے۔ (بحوالہ: تاریخِ طبری، ج ۴ ص ۳۳۹) بروایتے، عاشورہ کے دن جنگ میں شدید زخمی ہوگئے تھے۔ یزیدی سپاہ نے انھیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا مگر امام حسین (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد یہ ہوش میں آئے اور امام (علیہ السلام) کی شہادت کی خبر سُن کر اپنے خنجر سے دوبارہ

یزیدیوں پر حملہ آور ہوئے۔ کئی سپاہیوں نے مل کر ان پر حملہ کیا اور بالآخر عروہ بن بکار اور زید بن ورقاء کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ بحوالہ: ابصار العین، ص ۱۶۹)

۶۴۔ سوار بن منعم (رضی اللہ عنہ)/سوار بن ابی عمیر (رضی اللہ عنہ)

(بقولے، حملۂ اولیٰ میں شہید ہونے والے سوار بن ابی عمیر یہی تھے۔ یہ بھی منقول ہے کہ یہ حملۂ اولیٰ میں زخمی ہوئے، اور انھیں گرفتار کر کے ابنِ زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُس نے قتل کا حکم دیا لیکن ان کے قبیلے والوں نے انھیں بچا لیا اور کوفہ لے گئے جہاں چھ ماہ بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ بروایتے، ان کا انتقال زندان میں ہُوا۔ بحوالہ: حدیثِ کربلا، ص ۳۴۱)

۶۵۔ سیف بن حارث (رضی اللہ عنہ)

۶۶۔ سیف بن مالک عبدی (رضی اللہ عنہ)

(بروایتے یہ حملۂ اولیٰ میں شہید ہُوئے اور بقولے فاضل سماوی، نمازِ ظہر کے بعد شہید ہُوئے۔ بحوالہ: ابصار العین، ص ۱۹۲)

۶۷۔ شبیب بن جراد کلابی وحیدی (رضی اللہ عنہ)

(یہ امیر المومنین (علیہ السلام) کے صحابی تھے، جنگِ صفین اور جنگِ جمل میں بھی شریک تھے۔ انھوں نے کوفہ میں جناب مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کی بیعت کی تھی۔ اُن کی شہادت کے بعد فوجِ یزید کے ساتھ کربلا آئے لیکن شبِ عاشور امام حسین (علیہ السلام) سے ملحق ہو کر حملۂ اولیٰ میں شہید ہُوئے۔ بحوالہ: فرسان الھیجاء، ص ۱۶۶)

۶۸۔ شبیب بن عبداللہ ہمدانی (رضی اللہ عنہ)

(یہ بھی کوفہ سے آ کر امام (علیہ السلام) سے ملحق ہُوئے، اور حملۂ اولیٰ میں شہید ہُوئے۔)

۶۹۔ شبیب بن عبداللہ نہشلی (رضی اللہ عنہ)

(یہ، امیر المومنین علی (علیہ السلام) کے صحابی تھے اور جنگِ جمل و صفین میں بھی شریک ہُوئے تھے۔ کربلا میں حملۂ اولیٰ میں شہید ہُوئے۔)

۷۰۔ شوذب بن عبداللہ ہمدانی شاکری (رضی اللہ عنہ)/مولیٰ شاکر (رضی اللہ عنہ)

(انھیں مولیٰ شاکر بھی کہا جاتا تھا۔ یہ حدیث کے حافظ تھے اور شہر کے لوگ ان کی درسگاہ میں حصولِ علم اور احادیث سیکھنے کے لیے آتے تھے۔ امیر المومنین (علیہ السلام) کے صحابی تھے اور اُن کے ساتھ تین جنگوں میں شریک ہُوئے۔ کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کی بیعت کی، اور اُن کا خط لے کر امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔)

۷۱۔ ضبیعہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ)

(ان کا ذکر زیارتِ رَجبیّہ میں ہے۔)

۷۲۔ ضرغامہ بن مالک تغلبی (رضی اللہ عنہ)

(ضرغامہ بن مالک تغلبی (رضی اللہ عنہ) کوفہ کے نامور بہادر تھے۔ انھوں نے جناب مسلم (علیہ السلام) کی بیعت کی اور اُن کی شہادت کے بعد عمر بن سعد کے لشکر میں شامل ہو کر کربلا آئے، اور پھر امام (علیہ السلام) سے ملحق ہوگئے۔ حملۂ اولیٰ میں، اور بروایتے نمازِ ظہر کے بعد شہید ہُوئے۔ بحوالہ: وسیلۃ الدارین، ص ۱۵۷؛ فرسان الھیجا، ص ۱۶۹؛ منتہی الآمال)

۷۳۔ طرماح بن عدی (رضی اللہ عنہ)/طرماح بن حکیم (رضی اللہ عنہ)

(طرماح نام سے مختلف روایات کتب تاریخ میں ملتی ہیں، مثلاً وہ کربلا میں شدید زخمی ہو کر مقتولین کے درمیان پڑے رہے، اُنھیں مردہ سمجھ لیا گیا تھا مگر وہ زندہ تھے، ان کے قبیلے والے اُنھیں اُٹھا لے گئے، علاج ہُوا، اور وہ صحت یاب ہوگئے۔ بحوالہ: تنقیح المقال، ج ۲ ص ۱۰۹؛ ایک روایت ہے کہ یہ امام (علیہ السلام) سے پلٹ آنے کا وعدہ کر کے اپنی بستی کی طرف چلے گئے تھے۔ (تاریخ طبری)؛ اور بروایتے، طرماح نے ستر افراد کو قتل کیا، اور بالآخر خود بھی شہید ہوگئے۔ بحوالہ: مقتل ابومخنف، ص ۱۱۲؛ چنانچہ محققین کا کہنا ہے کہ طرماح نامی دو مختلف اشخاص تھے، ایک طرماح بن عدی اور دوسرے طرماح بن حکیم۔ بحوالہ: ریاض المصائب، ص ۲۷۴)

۷۴۔ ظہیر بن حسان (رضی اللہ عنہ)/ عامر بن حسان (رضی اللہ عنہ)/عمار بن حسان (رضی اللہ عنہ)

(علامہ طالب جوہری فرماتے ہیں کہ گمانِ غالب ہے کہ ان کا نام عامر بن حسان یا عمار بن حسان ہے، اور ظہیر بن حسان کتابت کی غلطی ہے۔ بحوالہ: حدیثِ کربلا، ص ۳۴۸)

۷۵۔ عائذ بن مجمع (رضی اللہ عنہ)

۷۶۔ عابس بن ابی شبیب شاکری (رضی اللہ عنہ)

(بنوشاکر، قبیلۂ ہمدان کی ایک شاخ ہے جو آلِ محمد (علیہم السلام) کے بہت بڑے طرفدار تھے۔ بروایتے، عابس، کوفہ سے جناب مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کا خط لے کر امام (علیہ السلام) کی خدمت میں آئے تھے۔ میدانِ کربلا میں انھوں نے سر سے خود اور بدن سے زِرہ اُتار پھینکی اور تلوار کھینچ کر یزیدیوں پر یوں حملہ آور ہُوئے جیسے شیر لومڑیوں کے غول پر حملہ کرتا ہے۔ کئی ناریوں کو فی النار کرنے کے بعد اجتماعی حملے میں شہید ہُوئے۔ بحوالہ: ناسخ التواریخ، ج ۲ ص ۳۰۴)

۷۷۔ عامر بن حسان بن شریح طائی (رضی اللہ عنہ)

(یہ حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ بحوالہ: انصار الحسین، ص ۹۵)

۷۸۔ عامر بن خلیدہ (رضی اللہ عنہ)

(ان کے والد کا نام کتابوں میں ''خلیہ'' اور ''جلیدہ'' بھی ملتا ہے جس میں کتابت کی غلطی کا اِحتمال ہے۔)

۷۹۔ عامر بن مالک (رضی اللہ عنہ)

۸۰۔ عامر بن مسلم عبدی (رضی اللہ عنہ)

(یہ بھی حملۂ اولیٰ کے شہدائے کرام میں سے تھے۔ بحوالہ: مناقب)

۸۱۔ عباد بن مہاجر بن ابی مہاجر جہنی (رضی اللہ عنہ)

(عباد بن مہاجر، مکہ سے کربلا جانے والے راستے پر امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ شامل ہوئے اور میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔ بحوالہ: تنقیح المقال، ج ۲ ص ۱۲۳)

۸۲۔ عباس بن جعدہ (رضی اللہ عنہ)

(عباس بن جعدہ، امیر المومنین (علیہ السلام) کے ایک مخلص صحابی تھے جو کوفہ کے رہنے والے تھے۔ یہ شہدائے کربلا کی شہادت سے پہلے کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد گرفتار ہوئے اور ابنِ زیاد کے حکم سے شہید کئے گئے۔ بحوالہ: تنقیح المقال، ج ۲ ص ۱۲۵، فرسان الھیجاء ص ۱۸۶)

۸۳۔ عبدالاعلیٰ بن یزید کلبی (رضی اللہ عنہ)

(یہ محبِ اہلِ بیت (علیہم السلام) اور قرآن کے قاری تھے، یہ بھی کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد شہید کئے گئے۔ بحوالہ: وسیلۃ الدارین، ص ۲۸۵)

۸۴۔ عبدالرحمٰن بن عبد ربہ انصاری (رضی اللہ عنہ)

(عبدالرحمٰن انصاری، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے صحابی اور محبِ علی (علیہ السلام) تھے، حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔)

۸۵۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ ارحبی (رضی اللہ عنہ)

(بحوالہ: تذکرۃ الخواص، ص ۲۲۱۔ ارشاد، ج ۲، ص ۷۳ تا ۹۳؛ مناقب، ج ۳، ص ۲۴۱؛ رجال طوسی، ص ۱۰۳؛ فاضل حائری نے انھیں اصابہ عسقلانی کے حوالے سے صحابی تحریر کیا ہے۔ بحوالہ: ذخیرۃ الدارین، ص ۲۴۸)

۸۶۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ یزنی (رضی اللہ عنہ) / عبدالرحمٰن بن عبداللہ ازدی (رضی اللہ عنہ) / عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کدن ارحبی (رضی اللہ عنہ)

(فاضل شمس الدین کے مطابق ان کا ذکر زیارتِ رَجبیّہ میں عبدالرحمٰن بن عبداللہ ازدی کے نام سے ہے جبکہ آیت اللہ خوئی کے

مطابق ان کا نام عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کدن ارجبی ہے۔ بحوالہ: انصارالحسین، ص ۹۷)

۸۷۔ عبدالرحمٰن بن عروۃ بن حراق غفاری (رضی اللہ عنہ)

۸۸۔ عبداللہ بن عروۃ بن عروہ بن حراق غفاری (رضی اللہ عنہ)

۸۹۔ عبدالرحمٰن کدری (رضی اللہ عنہ)

۹۰۔ عبدالرحمٰن کدری کے بھائی (نام نامعلوم)

۹۱۔ مسعود بن حجاج تمیمی (رضی اللہ عنہ)

(یہ سات محرم کو امام (علیہ السلام) کی خدمت میں پہنچے اور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ بحوالہ: وسیلۃ الدارین، ص ۱۶۶)

۹۲۔ عبدالرحمٰن بن مسعود بن حجاج تمیمی (رضی اللہ عنہ)

(یہ بھی سات محرم کو اپنے والد کے ہمراہ امام (علیہ السلام) کی خدمت میں پہنچے۔)

۹۳۔ عبدالرحمٰن بن یزید (رضی اللہ عنہ)

۹۴۔ عبداللہ بن بشر خثعمی (رضی اللہ عنہ)

(شروع میں یہ لشکر ابنِ سعد میں تھے، پھر امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہو گئے، اور ظہر سے قبل حملۂ اولیٰ میں جامِ شہادت نوش کیا۔)

۹۵۔ عبداللہ بن عمیر کلبی (رضی اللہ عنہ) اور اُن کی زوجہ اُمّ وہب (رضی اللہ عنہا)

(ان کے مُفَصّل حالات گزشتہ صفحات پر بیان کیے جا چکے ہیں۔)

۹۶۔ عبداللہ بن یزید بن ثبیط عبدی (رضی اللہ عنہ)/عبداللہ بن زید بن ثبیط عبدی (رضی اللہ عنہ)

(طبری اور ابنِ شہر آشوب نے بھی ان کا ذکر کیا ہے مگر ابنِ شہر آشوب نے انھیں ابنِ یزید کی بجائے ابنِ زید لکھا ہے۔ بحوالہ: تاریخ طبری؛ مناقب ابنِ شہر آشوب؛ انصارالحسین، ص ۹۹)

۹۷۔ عبیداللہ بن یزید بن ثبط عبدی (رضی اللہ عنہ)

(یہ عبداللہ بن یزید بن ثبط عبدی کے بھائی تھے۔)

۹۸۔ عبیداللہ بن عمرو کندی (رضی اللہ عنہ)

(عبید اللہ بن عمرو کندی (رضی اللہ عنہ) کو کربلا سے پہلے، کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد گرفتار کر کے شہید کیا گیا۔ بحوالہ: تنقیح المقال، ج ۲ ص ۲۴۱)

۹۹۔عثمان بن عروہ غفاری (رضی اللہ عنہ)
(زیارتِ ناحیہ میں ان کا نام بھی موجود ہے۔)

۱۰۲۔ عروہ (رضی اللہ عنہ) (غلامِ حُر)
(عروہ، حضرت حُر کے غلام تھے، اور ابنِ سعد کی فوج میں تھے۔ حُر اور اُن کے بیٹے کے شہید ہو جانے کے بعد یہ لشکرِ یزید سے لڑتے لڑتے امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور باقاعدہ جنگ کی اجازت لے کر دوبارہ فوجِ یزید پر حملہ آور ہُوئے اور چند افراد کو واصلِ جہنم کر کے خود بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ بحوالہ: ناسخ التواریخ، ج ۲ ص ۲۶۶)

۱۰۳۔ عقبہ بن صلب جہنی (رضی اللہ عنہ)
(جب امام حسین (علیہ السلام) مکہ سے کربلا کی طرف جا رہے تھے تو مقامِ آبِ جہینہ سے یہ امام (علیہ السلام) کے ساتھ مُنسلک ہُوئے اور آخر تک ساتھ رہتے ہُوئے حملۂ اَولیٰ میں شہید ہُوئے۔ بحوالہ: وسیلۃ الدارین، ص ۱۷؛ الحوادث والوقائع باقر ملبونی)

۱۰۴۔ علی بن مظاہر اسدی (رضی اللہ عنہ)
(بقولے، یہ اُن شہدا میں سے ہیں جن کی شہادت کا ذکر کتبِ تاریخ میں موجود نہیں۔ بحوالہ: ناسخ التواریخ، ج ۲ ص ۳۱۰)

۱۰۵۔ عمار بن حسان طائی (رضی اللہ عنہ)
(یہ آلِ محمد (علیہم السلام) کے خاص طرفداروں میں سے تھے۔ ان کے والد حسان، جناب امیرالمومنین (علیہ السلام) کے ساتھ جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں شریک ہُوئے اور جنگِ صفین میں شہید ہُوئے۔ عمار بن حسان مکہ سے ہی امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ روانہ ہُوئے اور حملۂ اَولیٰ میں جامِ شہادت نوش کیا۔ بحوالہ: ابصارالعین، ص ۱۹۷)

۱۰۶۔ عمار بن ابی سلامہ ہمدانی (رضی اللہ عنہ)
(یہ، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابی تھے اور امیرالمومنین (علیہ السلام) کے ساتھ جنگوں میں شریک بھی رہے۔ یہ امام حسین (علیہ السلام) کی نصرت میں حملۂ اَولیٰ میں شہید ہُوئے۔ بحوالہ: ابصارالعین، ص ۱۳۴)

۱۰۷۔ عمرو بن جنادہ (رضی اللہ عنہ)
(یہ اپنے والد جنادہ بن حارث انصاری (رضی اللہ عنہ) کے بعد میدان میں آئے، اور یزیدی فوج کے ساتھ لڑتے ہُوئے شہید ہُوئے۔ بحوالہ: ناسخ التواریخ، ج ۲ ص ۳۰۲)

۱۰۸۔ عمرو بن جندب حضرمی (رضی اللہ عنہ)
(یہ حضرت علی (علیہ السلام) کے صحابی تھے۔ جمل اور صفین کی جنگوں میں شریک ہُوئے۔ کوفہ میں جناب مسلم بن عقیل

(علیہ السلام) کی بیعت کی، اور اُن کی شہادت کے بعد کوفہ سے نکل کر امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور حملۂ اُولیٰ میں شہید ہُوئے۔ بحوالہ: وسیلۃ الدارین، ص ۱۷۵)

۱۰۹۔ عمرو بن خالد صیداوی (رضی اللہ عنہ)

(یہ آلِ محمد (علیہم السلام) کے خاص چاہنے والوں میں سے تھے۔ انھوں نے کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کی بیعت کی تھی، اور اُن کی شہادت کے بعد رُوپوش ہو کر امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور روزِ عاشورہ شہید ہُوئے۔ بحوالہ: وسیلۃ الدارین، ص ۱۷۶؛ مناقب شہر آشوب، ج ۴ ص ۱۱۰؛ تاسخ التواریخ، ج ۳ ص ۲۹۸؛ مقتل خوارزمی، ج ۲ ص ۱۷)

۱۱۰۔ عمرو بن ضبیعہ تمیمی/عمر بن ضبیعہ/عمر بن مشیعہ/ضبیعہ بن عمر (رضی اللہ عنہ)

(یہ لشکرِ یزید میں تھے مگر جب ابنِ سعد نے امام حسین (علیہ السلام) کی شرائط مسترد کر دیں تو اُسے چھوڑ کر امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ ملحق ہو گئے اور حملۂ اُولیٰ میں جامِ شہادت نوش کیا۔ مناقب ابنِ شہر آشوب میں ان کا نام عمر بن مشیعہ لکھا ہے جب کہ زیارتِ ناحیہ میں ضبیعہ بن عمر ہے اور سماوی نے ان کا نام عمرو کی بجائے عمر لکھا ہے۔ بحوالہ: وسیلۃ الداردین ص ۱۷۷؛ انصار الحسین، ص ۱۰۳)

۱۱۱۔ عمرو بن عبداللہ جندعی (رضی اللہ عنہ)

(ان کا تعلق قبیلہ ہمدان کی شاخ جندع سے تھا۔ دورانِ جنگ سر پر ضرب لگنے سے شدید زخمی ہو کر گر پڑے تھے، اور دشمن نے انھیں مُردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ ان کے قبیلے والے انھیں اُٹھا کر کوفہ لے گئے جہاں صحت یاب ہونے کے بعد یہ ایک سال تک زندہ رہے۔ بحوالہ: ابصار العین، ص ۱۳۶)

۱۱۲۔ عمرو بن ابی کعب انصاری (رضی اللہ عنہ)

(کتبِ تاریخ میں ان کا نام مختلف طریقوں سے آیا ہے مثلاً عمرو، عمر، عمران، اور اسی طرح ان کے والد کا نام بھی کعب اور ابو کعب نقل ہُوا ہے۔ فاضل شمس الدین کے مطابق یہ تمام نام ایک ہی شخص عمرو بن قرضہ انصاری (عمرو بن قرظہ انصاری) کے ہیں۔ بحوالہ: انصار الحسین، ص ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۵۲، ۱۵۷)

۱۱۳۔ عمرو بن قرظہ انصاری (رضی اللہ عنہ)

(عمرو روزِ عاشورہ امام حسین (علیہ السلام) کے قریب سینہ سپر تھے اور جو تیر یا نیزہ امام (علیہ السلام) کی طرف آتا اُن تک نہ پہنچنے دیتے، اور اپنے بدن پر روک لیتے۔ بحوالہ: مثیر الاحزان، ص ۹۲، ۹۳)

۱۱۴۔ عمرو بن مطاع (رضی اللہ عنہ)

(یہ بھی امام (علیہ السلام) سے اجازت لے کر میدان میں اُترے اور جواں مردی سے لڑتے ہوئے راہِ حق میں شہید ہو گئے۔ بحوالہ: ناسخ التواریخ، ج ۲ ص ۳۰۰)

۱۱۵۔ عمیر بن عبداللہ مذحجی (رضی اللہ عنہ)

(یہ عبداللہ بَجَلّی اور مسلم ضبابی کے ہاتھوں شہید ہُوئے۔ بحوالہ: فرسان الھجاء، ج ۲ ص ۱۶)

۱۱۶۔ عمیر بن کناد (رضی اللہ عنہ)

(ان کا ذکر کتبِ رِجال میں نہیں ہے، لیکن زیارتِ رَجَبیّہ میں ہے۔ بحوالہ: حدیثِ کربلا، ص ۳۶۶)

۱۱۷۔ غیلان بن عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہ)

(ان کا ذکر بھی کتبِ رجال میں نہیں ہے مگر زیارتِ رَجَبیّہ میں موجود ہے۔ بحوالہ: حدیثِ کربلا، ص ۳۶۶)

۱۱۸۔ غلامِ نافع بن ہلال/ کامل (رضی اللہ عنہ)

(بعض کتب میں ان کا نام کامل مذکور ہے۔ یہ بھی کربلا میں شہید ہُوئے۔ بحوالہ: وسلیۃ الدارین، ۱۸۵)

۱۱۹۔ فیروزان (رضی اللہ عنہ)

(بقولے یہ امام حسین (علیہ السلام) کے خادِم تھے۔ بحوالہ: وسیلۃ الدارین؛ ریاض الشہادۃ)

۱۲۰۔ قارب بن عبداللہ بن اریقط (رضی اللہ عنہ)

(قارب کی والدہ فکیہہ، حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی زوجہ حضرت رُباب بنتِ امرؤالقیس بن عدی (علیہا السلام) کی خادمہ تھیں اور قارب امام حسین (علیہ السلام) کے خادم تھے۔ یہ مدینہ سے کربلا آئے اور حملۂ اَولیٰ میں قبل از ظہر شہید ہُوئے۔ بحوالہ: ذخیرۃ الدارین، ص ۱۷۳)

۱۲۱۔ قرّہ بن ابی قرّہ غفاری/ عبداللہ بن عروہ غفاری (رضی اللہ عنہ)

(علامہ طالب جوہری لکھتے ہیں کہ بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ قرّہ بن قرّہ درحقیقت عبداللہ بن عروہ غفاری تھے یعنی عبداللہ بن عروہ غفاری کو قرّہ بن ابی قرّہ بھی لکھا گیا ہے۔ بحوالہ: طالب جوہری، حدیثِ کربلا، ص ۳۶۸)

۱۲۲۔ قاسط بن عبداللہ تغلبی (رضی اللہ عنہ)

(یہ اپنے بھائی کردوس کے ساتھ کربلا آئے اور حملۂ اَولیٰ میں شہید ہُوئے۔ فاضل سماوی نے ان کا نام قاسط بن زُہیر بن حرث تغلبی لکھا ہے۔ بحوالہ: حدیثِ کربلا؛ ابصار العین، ص ۲۰۰؛ فاضل سماوی)

۱۲۳۔ قاسم بن حبیب بن ابی بشر ازدی (رضی اللہ عنہ)

(یہ آلِ محمد (علیہم السلام) کے طرف دار اور مشہور بہادر تھے، ابنِ سعد کے لشکر کے ساتھ شامل ہوکر کربلا آئے اور پھر امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ ملحق ہو گئے۔ ان کی شہادت حملۂ اُولیٰ میں ہوئی۔ بحوالہ: ابصار العین، ص ۱۸۶)

۱۲۴۔ قاسم بن حارث (رضی اللہ عنہ)

(ان کا ذکر زیارتِ ناحیہ میں ہے۔ فاضل شمس الدین نے امکان ظاہر کیا ہے کہ یہ قاسم بن حبیب ہو سکتے ہیں۔ بحوالہ: انصار الحسین، ص ۱۰۶)

۱۲۵۔ قعنب بن عمر نمری (رضی اللہ عنہ)

(یہ حملۂ اُولیٰ میں شہید ہُوئے۔ بحوالہ: ذخیرۃ الدارین، ص ۲۲۶)

۱۲۶۔ قیس بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ)

(ان کا ذکر زیارتِ رَجَبیّہ میں ہے۔)

۱۲۷۔ قیس بن مسہّر صیداوی (رضی اللہ عنہ)

۱۲۸۔ کردوس بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ)

(یہ قاسط بن عبداللہ تغلبی (رضی اللہ عنہ)، جن کا ذکر اُوپر گزر چکا ہے، کے بھائی تھے۔)

۱۲۹۔ کنانہ بن عتیق (رضی اللہ عنہ)

(یہ حملۂ اُولیٰ میں شہید ہُوئے۔ بحوالہ: ابصار العین، ص ۱۹۹)

۱۳۰۔ مالک بن انس مالکی/ انس بن حارث کاہلی (رضی اللہ عنہ)

(یہ بھی منقول ہے کہ ان کا نام مالک بن انس نہیں بلکہ انس بن حارث کاہلی ہے۔ بحوالہ: ناسخ التواریخ، ج ۲ ص ۲۹۹؛ نفس المہموم، ص ۱۵۴)

۱۳۱۔ مالک بن اوس (رضی اللہ عنہ)

۱۳۲۔ مالک بن دودان (رضی اللہ عنہ)

۱۳۳۔ مالک بن عبداللہ بن سریع ہمدانی (رضی اللہ عنہ)

۱۳۴۔ مالک بن عبداللہ جابری (رضی اللہ عنہ)

۱۳۵۔ مبارک (رضی اللہ عنہ)

(یہ امام حسین (علیہ السلام) کے مُؤَذِّن حجاج بن مسروق شعبی کے غلام تھے اور اپنے آقا کے ساتھ مل کر جنگ کرتے ہُوئے شہید

ہُوئے۔ ان دونوں نے مل کر ایک سو پچاس یزیدیوں کو ہلاک کیا۔ بحوالہ: ناسخ التواریخ، ج ۲ ص ۲۹۲)

۱۳۶۔ مجمع بن زیاد جُہنی (رضی اللہ عنہ)

(انھوں نے روزِ عاشورہ کثیر تعداد میں یزیدیوں کو قتل کیا، دشمن نے ان پر اجتماعی حملہ کیا اور ان کے گھوڑے کو ناکارہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔ بحوالہ: تنقیح المقال، ج ۳ ص ۵۳)

۱۳۷۔ مجمع بن عبداللہ عائذی (رضی اللہ عنہ)

(یہ اپنے بیٹے عائذ اور عمرو بن خالد، سعد بن جنادہ بن حرث اور نافع بن ہلال کے غلام کے ساتھ امام حسین (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہُوئے تھے۔ روزِ عاشورہ ان ساتھیوں کے ساتھ مل کر لشکرِ یزید پر حملہ آور ہُوئے اور نہایت جواں مردی سے لڑتے ہُوئے شہید ہُوئے۔)

۱۳۸۔ محمد بن بشر حضرمی (رضی اللہ عنہ)

(شبِ عاشور ان کو خبر ملی کہ ان کے بیٹے کو سرحدِ رے پر گرفتار کر لیا گیا ہے۔ امام (علیہ السلام) نے انھیں کہا کہ میں تمھیں اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں تم اپنے فرزند کو چھڑاؤ۔ یہ کہنے لگے کہ جانور اور درندگان مجھے کھا جائیں جو میں آپ سے علاحدہ ہوں۔)

۱۳۹۔ محمد بن مطاع جعفی (رضی اللہ عنہ)

(یہ تیس افراد کو قتل کرنے کے بعد شہید ہو گئے۔)

۱۴۰۔ مسعود بن حجاج (رضی اللہ عنہ)

(مسعود بن حجاج، ابنِ سعد کے لشکر کے ساتھ کربلا آئے اور امام حسین (علیہ السلام) سے ملحق ہو گئے۔ یہ حملۂ اَولیٰ میں شہید ہُوئے۔ بحوالہ: فرسان الہیجاء ج ۲ ص ۶۲)

۱۴۱۔ مسلم بن عوسجہ (رضی اللہ عنہ)

(میدانِ کربلا میں نہایت جوانمردی سے لڑے اور اکاون (۵۱) افراد کو قتل کرنے کے بعد شہید ہُوئے۔)

۱۴۲۔ مسلم بن کثیر ازدی (رضی اللہ عنہ)

(یہ حملۂ اَولیٰ میں شہید ہُوئے۔)

۱۴۳۔ مسلم بن کناد (رضی اللہ عنہ)

(ان کا نام زیارتِ رَجبیہ میں ہے۔)

۱۴۴۔ مصعب بن یزید ریاحی (رضی اللہ عنہ)

(بروایتے یہ حُر بن یزید ریاحی کے بھائی تھے اور حُر کی شہادت کے بعد شہید ہوئے۔ بحوالہ: ناسخ التواریخ، ج ۲ ص ۲۶۲)

۱۴۵۔ معلّٰی بن علی (رضی اللہ عنہ)

(بروایتے یہ نہایت دلیری کے ساتھ لڑے، اور چونسٹھ (۶۴) یزیدیوں کو قتل کرنے کے بعد فوجیوں کے نرغے میں آکر شدید زخمی ہُوئے۔ انھیں گرفتار کر کے ابنِ سعد کے سامنے پیش کیے گئے تو اُس نے کہا ''تم نے اپنے مولا کی خوب حمایت کی۔'' پھر ابنِ سعد نے ان کا سر قلم کرنے کا حکم دیا اور یہ شہید کر دیے گئے۔ بحوالہ: ناسخ التواریخ، ج ۲ ص ۳۱۱)

۱۴۶۔ مقسط بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ)

۱۴۷۔ منجح غلامِ حسین (رضی اللہ عنہ)

(بروایتے، امام حسین (علیہ السلام) نے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے ایک کنیز خریدی تھی جس کا نام حسینیہ تھا۔ آپ (علیہ السلام) نے اُس کا نکاح اپنے غلام سہم سے کر دیا جن سے منجح مُتوَلِّد ہُوئے۔ منجح کو ان کی والدہ ہی کربلا لے کر آئیں اور یہ انھیں کے کہنے پر امام حسین (علیہ السلام) پر فدا ہُوئے۔ حملۂ اُولیٰ میں حسان بن بکر نے انھیں شہید کیا۔ بحوالہ: قاموس الرجال، ج ۹ ص ۱۲۰)

۱۴۸۔ منذر بن مفضل جعفی (رضی اللہ عنہ)

(زیارتِ رَجبیہ میں ان پر سلام ہے۔)

۱۴۹۔ منیع بن رقاد (رضی اللہ عنہ)

۱۵۰۔ موقّع بن ثمامہ اسدی (رضی اللہ عنہ)

(یہ پہلے ابنِ زیاد کی فوج میں تھے۔ امام عالی مقام (علیہ السلام) کی شرائط کے رَد ہونے پر یزیدی فوج سے منحرف ہو کر امام (علیہ السلام) سے آملے۔ بروایتے، روزِ عاشورہ جنگ میں زخمی ہونے پر گرفتار ہو گئے تھے۔ ابنِ زیاد نے ان کے قتل کا حکم جاری کر دیا تھا مگر ان کے قبیلے والوں نے سفارش کر کے انھیں بچا لیا لیکن انھیں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ ایک سال زندہ رہنے کے بعد یہ انتقال کر گئے۔ بحوالہ: ابصار العین، ص ۱۱۷)

۱۵۱۔ نافع بن ہلال (رضی اللہ عنہ)

(نافع، ماہر تیرانداز تھے۔ ان کے ترکش میں اسّی (۸۰) تیر تھے جو سب کے سب اپنے ہدف پر لگے اور اسّی (۸۰) یزیدی قتل ہُوئے۔ بحوالہ: ناسخ التواریخ، ج ۲ ص ۲۷۸؛ دورانِ جنگ یہ سپاہیوں کے نرغے میں آگئے اور اجتماعی حملے میں ان کے

بازو ناکارہ ہوگئے تو گرفتار کرلیے گئے۔ بعدازاں شمر نے انھیں شہید کردیا۔ بحوالہ: تاریخ طبری، ج ۴ ص ۳۳۶)

۱۵۲۔ نصر بن ابی نیزر (رضی اللہ عنہ)

(یہ حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔)

۱۵۳۔ نعیم بن عجلان انصاری (رضی اللہ عنہ)

(یہ امیرالمومنین (علیہ السّلام) کے اصحاب میں تھے اور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔)

۱۵۴۔ نعمان بن عمرو راسبی (رضی اللہ عنہ)

۱۵۵۔ واضح ترکی (رضی اللہ عنہ)

(واضح ترکی (رضی اللہ عنہ)، حرث سلمانی کے ترکی غلام تھے۔ قرآن مجید کے قاری تھے۔ بہت دلیر انسان تھے، اور پیادہ تلوار لے کر دشمنوں سے جنگ کر رہے تھے۔ بروایتے انھوں نے آخری وقت امام حسین (علیہ السّلام) کو پکارا۔ امام عالی مقام (علیہ السّلام) ان کے پاس تشریف لے گئے اور انھیں اپنے سینے سے لگایا اور ان کے رخسار پر اپنا رخسار رکھا تو یہ کہنے لگے کہ میری مثل کون ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے فرزند نے میرے رخسار پر اپنا رخسار رکھا۔ یہ کہہ کر عالمِ فنا سے عالمِ بقا کی طرف روانہ ہوگئے۔ بحوالہ: ابصار العین، ص ۱۴۴)

۱۵۶۔ وہب بن عبداللہ حباب کلبی (رضی اللہ عنہ)، اُن کی والدہ اور زوجہ (رضی اللہ عنہم)

۱۵۷۔ وہب بن وہب (رضی اللہ عنہ)، اُن کی والدہ اور زوجہ (رضی اللہ عنہم)

۱۵۸۔ ہفہاف بن مہنّد راسبی (رضی اللہ عنہ)

(یہ بصرہ میں مقیم تھے، اور بہت دلیر جنگجو تھے، انھیں امام حسین (علیہ السّلام) کے کربلا پہنچنے کی اطلاع ملی تو بصرہ سے نکل پڑے، اور عصرِ عاشورہ میں کربلا پہنچے۔ بحوالہ: تنقیح المقال، ج ۳ ص ۳۰۳) ہفہاف (رضی اللہ عنہ) کے پہنچنے تک معرکۂ کربلا تقریباً تمام ہوچکا تھا، انھوں نے وہاں موجود یزیدی فوجیوں سے امام عالی مقام (علیہ السّلام) سے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ ہم نے انھیں قتل کردیا ہے، اور اب صرف ایک جوان بچا ہے جو عورتوں کے ساتھ ہے، اور ہمارے فوجی اُن کے خیموں کو لوٹ رہے ہیں۔ یہ سُن کر ہفہاف کی نظروں میں دُنیا تاریک ہوگئی۔ تلوار نیام سے نکالی، اور رَجز پڑھتے ہوئے فوجیوں پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے اپنے طوفانی حملے سے کچھ کو قتل اور بعض کو زخمی کیا۔ فوجیوں نے ان سے بچ کر بھاگنا شروع کردیا تو ابنِ سعد نے حکم دیا کہ ان کا محاصرہ کرکے چاروں طرف سے حملہ کرو۔ اجتماعی حملے میں ان کا گھوڑا ناکارہ ہوگیا، اور یہ پیادہ ہوکر کرلڑنے لگے مگر دشمنوں نے تلواروں اور نیزوں سے شدید حملے کرکے انھیں شہید کردیا۔

۱۵۹۔ یحییٰ بن سلیم مازنی (رضی اللہ عنہ)

۱۶۰۔ یحییٰ بن کثیر انصاری (رضی اللہ عنہ)

(یہ چالیس یا پچاس فوجیوں کو قتل کرنے کے بعد شہید ہو گئے۔ بحوالہ: شرح شافیہ؛ ناسخ التواریخ، ج۲ ص ۲۹۳)

۱۶۱۔ یحییٰ بن ہانی بن عروہ (رضی اللہ عنہ)

۱۶۲: یزید بن شبط عبدی (رضی اللہ عنہ)

(ان کا فرزند بھی ان کے ساتھ تھا جو حملۂ اولیٰ میں شہید ہوا اور یہ خود مبارزت سے شہید ہوئے۔ بحوالہ: ابصار العین، ص۱۸۹)

۱۶۳۔ یزید بن حَصِین مشرقی (رضی اللہ عنہ)

(تنقیح المقال کے مطابق اصحابِ حسین (علیہ السلام) میں بنی ہمدان کے کسی یزید بن حَصِین کا سراغ نہیں ملتا۔ ان کی صفت ''قاری'' ذہنوں کو بُریر بن خُضیر کی طرف متوجہ کرتی ہے جو مشہور قاری تھے۔ علامہ شوشتری بھی انھیں بُریر بن خُضیر ہی تسلیم کرتے ہیں اور یزید بن حَصِین وغیرہ کو کتابت کی غلطی قرار دیتے ہیں۔ بحوالہ: تنقیح المقال، ج۳ ص ۳۳۸)

۱۶۴۔ یزید بن مغفل بن جعف بن سعد العشیرہ مذحجی جعفی (رضی اللہ عنہ)

۱۶۵۔ یزید بن مظاہر (رضی اللہ عنہ)

(بروایتے یہ پچاس یزیدیوں کو قتل کرنے کے بعد شہید ہوئے۔ بحوالہ: مقتل ابو مخنف، ص۱۰۷)

۱۶۶۔ یزید بن زیاد بن مہاجر (رضی اللہ عنہ)

بنو ہاشم کی شہادتیں

علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ جب تمام اصحابِ حسین (علیہ السلام) درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے اور سوائے اولادِ حضرت عقیل بن ابی طالب (علیہ السلام)، اولادِ امام حسن (علیہ السلام) اور اولادِ امام حسین (علیہ السلام) کے کوئی باقی نہ رہا تو سب جمع ہوئے اور ایک دوسرے سے الوداعی کلمات کہنے کے بعد آمادۂ جنگ ہوئے۔ بروایتے، سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل (علیہ السلام) اپنے عم بزرگوار سے اجازت لے کر میدانِ قتال میں آئے۔[1] لیکن کثیر روایات میں حضرت علی اکبر بن الحسین (علیہ السلام) کی شہادت بنو ہاشم میں سب سے پہلے رقم ہوئی ہے۔ علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) بھی فرماتے ہیں کہ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب مقاتل الطالبین میں حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام) سے نقل کیا ہے کہ اولادِ ابوطالب (علیہ السلام) سے کربلا

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۵۵

میں سب سے پہلے علی ابن الحسین (علیہ السلام) شہید ہوئے تھے۔ سعید بن ثابت سے بھی یہی منقول ہے اور طبری نے بھی یہی لکھا ہے۔ [1]

حضرت علی اکبر بن الحسین (علیہ السلام) کی شہادت

حضرت علی اکبر (علیہ السلام) کی والدہ ماجدہ کا نام لیلیٰ بنت ابی مرّہ مسعود ثقفی تھا۔ بقولے ابوالفرج اصفہانی اور محمد بن ابی طالب، کربلا میں آپ کی عمر اٹھارہ (۱۸) سال تھی اور بروایتے ابنِ شہر آشوب، آپ پچیس (۲۵) سال کے تھے۔ آپ کو مقتل کی طرف جاتے دیکھ کر امام حسین (علیہ السلام) کی آنکھیں بھر آئیں۔ امام حسین (علیہ السلام) نے انگشتِ شہادت آسمان کی جانب اُٹھا کر فرمایا، ''میرے اللہ! تُو اس قوم پر گواہ رہنا جس کی طرف قتل ہونے کے لیے وہ جوان جا رہا ہے جو صورت و سیرت میں اور گفتار و کردار میں تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ایسی شبیہ ہے کہ جب ہمیں اُن کی زیارت کی اشتیاق ہوتا تو اِس کا چہرہ دیکھ لیا کرتے تھے۔ الٰہی! تُو ان لوگوں سے زمین کی برکتیں اُٹھا لے اور ان کی جمعیّت کو مُنتشر کر دے، ان سے حکام کو ہمیشہ ناراض رکھ۔ ان اشقیا نے نصرت کا وعدہ کر کے ہمیں بلایا اور پھر ہمارے قتل پر تیار ہو گئے۔'' آپ (علیہ السلام) نے عمر ابنِ سعد کو مخاطب کر کے فرمایا، ''اے دشمنِ خدا! اللہ تیرے رحم کو قطع کرے اور تجھے کسی کام میں برکت نہ دے اور تجھ پر ایسے بے رحم کو مُسلّط کرے جو تجھے تیرے فرشِ خواب پر ذبح کرے جس طرح تُو نے میرے لیے قطع رحمی کی اور میرے حق میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قرابت داری کی بھی رعایت نہ کی۔'' پھر آپ (علیہ السلام) نے مندرجہ ذیل آیاتِ کریمہ تلاوت فرمائیں:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ (بے شک اللہ نے آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، خاندانِ ابراہیم علیہ السلام اور خاندانِ عمران علیہ السلام کو سارے جہانوں سے مُنتخب کیا ہے۔ جو ایک نسل ہے جن کے بعض بعض سے ہیں (یعنی یہ اولاد ہے ایک دوسرے کی) اور خدا بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے۔ سورۃ آلِ عمران، آیت: ۳۳ تا ۳۴)

باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) کے خطاب کے بعد شہزادہ علی اکبر خورشیدِ تاباں کی طرح نکلے اور میدانِ کارزار کو اپنے حُسن و جمال سے مُنوّر کر دیا۔ آپ (علیہ السلام) نے میدانِ جنگ میں پہنچتے ہی فرمایا، ''اے گروہِ اشرار! میں علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہوں۔ ہمارے جدِّ بزرگوار، حضرت رسولِ مختار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور ہم اُن کی ذُرّیّتِ طاہرہ ہیں۔ ہم ہرگز یزید کے محکوم نہیں ہوں گے۔ میں اپنے نیزے سے تم پر اتنے وار کروں گا کہ یہ ٹیڑھا ہو جائے گا اور اپنے

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۶۷
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۵

والدِ گرامی کی نُصرت میں ایسا حملہ کروں گا جو ہاشمیوں کے شایانِ شان ہوگا۔'' اس کے بعد آپ (علیہ السّلام) نے ایسا عظیمُ الشان حملہ کیا کہ ایک سو بیس (۱۲۰) یزیدی جہنم رسید ہو گئے اور اُن کے لشکر میں ایک کہرام بپا ہو گیا۔ منقول ہے کہ بہت دیر تک لڑتے لڑتے جب آپ شدتِ پیاس سے نڈھال ہو گئے تو زخمی حالت میں امام (علیہ السّلام) کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور کہا کہ بابا جان! پیاس کی شدت اور اسلحے کی سنگینی و گرانی سے میرا بدن جل رہا ہے، اگر مجھے تھوڑا سا پانی مل جائے تو حلق تر کر کے دوبارہ لڑنے جاؤں۔ یہ سُن کر امامِ مظلوم (علیہ السّلام) کی آنکھیں بھیگ گئیں، فرمایا ''اے میرے لختِ جگر! اپنی زبان میرے مُنہ میں دو کہ میں تمھیں سیراب کروں۔'' امام (علیہ السّلام) نے حضرت علی اکبر (علیہ السّلام) کی خشک زبان کو چوسا اور اپنی انگوٹھی دے کر فرمایا ''اسے مُنہ میں رکھ لو اور مصروفِ جہاد ہو جاؤ۔ مجھے اُمید ہے کہ تم بہت جلد اپنے جد کے ہاتھوں حوضِ کوثر پر سیراب ہو گے۔'' شہزادہ علی اکبر (علیہ السّلام) دوبارہ میدان میں گئے اور رَجز خوانی کرتے ہُوئے ایسا حملہ کیا کہ مزید اسّی (۸۰) دشمنانِ دین و ایماں کو واصلِ جہنم کر دیا۔ آخر کار ایک یزیدی منقذ بن مُرہ اور بقولِ طبری مُرہ بن منقذ نے ایسی تلوار چلائی کہ آپ (علیہ السّلام) شدید گھائل ہو گئے۔ یزیدی سپاہیوں نے شکاری کتوں کی طرح آپ (علیہ السّلام) کو گھیر کر نوچ ڈالا۔ شہزادے کی شہادت کے بعد امامِ مظلوم (علیہ السّلام) نے فرمایا ''خدا قتل کرے اُس قوم کو جنھوں نے ناحق تجھے قتل کیا اور تیرے قتل سے اُنھوں نے اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جرأت کی اور حُرمتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پامال کیا۔ اے فرزند! تیرے بعد یہ زندگی خاک ہے۔'' مؤرخ حمید بن مسلم لکھتا ہے کہ اُس وقت میں نے دیکھا کہ ایک عورت مثلِ آفتابِ تاباں خیمے سے نکلی۔ وہ آہ و بُکا کرتی ہوئی مقتل کی طرف دوڑی اور لاشِ علی اکبر (علیہ السّلام) سے لپٹ گئی۔ میں نے پوچھا کہ یہ معظّمہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ زینب بنتِ علی (علیہا السّلام) ہیں۔ اتنے میں حضرت امام حسین (علیہ السّلام) قتل گاہ میں تشریف لائے اور بہن کا ہاتھ پکڑ کر خیمے میں لے گئے پھر جوانوں کے ساتھ دوبارہ مقتل میں تشریف لائے اور اُن سے فرمایا کہ اپنے بھائی کے لاشے کو اٹھاؤ۔ جوان آگے بڑھے اور حضرت علی اکبر (علیہ السّلام) کا جسدِ مبارک لا کر خیمے کے سامنے دیگر شہیدوں کے پاس رکھ دیا۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل (علیہ السّلام) کی شہادت

حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل کی (علیہ السّلام) کی والدہ محترمہ کا نام حضرت رقیہ بنتِ علی (علیہا السّلام) تھا۔ ابوالفرج اصفہانی نے مدائینی اور حمید بن مسلم سے روایت کی ہے کہ بنو ہاشم میں سے عبداللہ بن مسلم بن عقیل (علیہ السّلام) سب سے پہلے امام حسین

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصہ اوّل، ص ۲۶۴ تا ۲۶۶
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۵
سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۷۱ تا ۷۲

(علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور اجازت لے کر میدانِ جنگ میں گئے۔ میدان میں اُترتے ہی اُنھوں نے یزیدیوں کو مخاطب کر کے فرمایا، ''اے قومِ اشرار! آج میں اپنے والد گرامی مسلم بن عقیل (علیہ السلام) سے اور اُن لوگوں سے ملاقات کا خواہاں ہوں جنھوں نے دینِ پیغمبر پر جان دی اور کسی نے اُن سے کوئی کلامِ دروغ و باطل کبھی نہیں سُنا کیونکہ وہ شرافت اور حسب ونسب میں بہترین انسان تھے۔ یہ کہہ کر عبداللہ بن مسلم (علیہ السلام) نہایت شجاعت اور جواں مردی سے لڑے اور تین حملوں میں اٹھانوے (۹۸) اشقیا کو فی النار کرنے کے بعد عمرو بن صبیح صیداوی اور اسد بن مالک کے ہاتھوں شہید ہُوئے۔ [۱]

حضرت محمد بن مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت

حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ محمد بن مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کی والدہ کا نام اُمّ ولد تھا۔ آپ، اپنے بھائی عبداللہ کے بعد میدان میں گئے اور دادِ شجاعت دیتے ہُوئے ابو جرہم ازدی اور لقیط بن یاسر کے ہاتھوں شہید ہُوئے۔ [۲]

حضرت جعفر بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت

بروایتے، عبداللہ بن مسلم بن عقیل (علیہ السلام) کے بعد جعفر بن عقیل (علیہ السلام) میدان میں گئے اور لشکرِ عدو کو مخاطب کر کے فرمایا، ''میں جوانِ بطحی و طالبی، بنی ہاشم و غالب ہوں، ہم سردار اور رئیس ہیں، میرے چچا حسین (علیہ السلام) پاکیزہ ترین انسان اور اولادِ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔'' اس رَجز کے بعد آپ نے دشمن کی صف پر حملہ کیا اور پندرہ (۱۵) منافقوں کو ہلاک کر ڈالا۔ آخرکار بشر بن سوطہ ہمدانی کے ہاتھوں اور بروایتے عروۃ اللہ بن عبداللہ کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ حضرت جعفر بن عقیل (علیہ السلام) کی والدہ محترمہ کا نام اُمّ ثغر بنت عامر عامری تھا۔ [۳]

حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت

حضرت جعفر بن عقیل (علیہ السلام) کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل بن ابی طالب (علیہ السلام) میدان میں اُترے اور سترہ (۱۷) شامی سواروں کو ہلاک کرنے کے بعد عثمان بن خالد جہنی کی ضرب سے شہید ہُوئے۔ [۴]

حضرت عبداللہ بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت

حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل بن ابی طالب (علیہ السلام) کے بعد حضرت عبداللہ بن عقیل (علیہ السلام) روانہ ہُوئے اور ایک

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۲۵۵

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۲۵۵

[۳] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۲۵۶

[۴] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۲۵۶

گروہِ اشقیا کو قتل کرنے کے بعد عثمان بن خالد جہنی اور بشیر بن خوطہ قابضی کے حملے سے شہادت حاصل کی۔ [۱]

حضرت عبداللہ اکبر بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت

حضرت عبداللہ بن عقیل (علیہ السلام) کی پیروی میں حضرت عبداللہ اکبر بن عقیل (علیہ السلام) بھی میدانِ جنگ میں گئے اور مردانہ وار لڑتے ہُوئے عثمان بن خالد جہنی اور ہمدانی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ [۲]

حضرت محمد بن ابی سعید بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت

حضرت عبداللہ اکبر بن عقیل (علیہ السلام) کے بعد حضرت محمد بن ابی سعید بن عقیل (علیہ السلام)، جن کی والدہ کا نام اُمّ ولد تھا، میدان میں گئے اور کئی منافقوں کو قتل کرنے کے بعد لقیط بن یاسر جہنی کے تیر سے شہید ہوئے۔ [۳]

حضرت جعفر بن محمد بن عقیل (علیہ السلام) اور علی بن عقیل (علیہ السلام) کی شہادت

روایت ہے کہ جعفر بن محمد بن عقیل (علیہ السلام) نے بھی کربلا میں جامِ شہادت نوش کیا؛ جبکہ یہ بھی مروی ہے کہ وہ سانحہ حرّہ میں شہید ہُوئے۔ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ محمد بن عقیل کے ایک فرزند کا نام جعفر تھا۔ محمد بن علی بن حمزہ نے عقیل بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ علی بن عقیل (علیہ السلام) بھی کربلا میں شہید ہوئے۔ [۴]

حضرت محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار (علیہ السلام) کی شہادت

اولادِ حضرت جعفر طیار (علیہ السلام) میں سب سے پہلے محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار (علیہ السلام) رجز خوانی کرتے ہُوئے جنگ کے لیے نکلے اور دس یزیدی سواروں کو جہنم رسید کرتے ہُوئے عامر بن نہشل تمیمی کے ہاتھوں شہید ہُوئے۔ [۵]

حضرت عون بن عبداللہ بن جعفر طیار (علیہ السلام) کی شہادت

حضرت محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار (علیہ السلام) کے بعد اُن کے بھائی حضرت عون بن عبداللہ بن جعفر (علیہ السلام) رجز پڑھتے

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۵۶

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۵۶

[۳] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۵۶

[۴] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۵۶

[۵] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۵۷

ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۵

ہُوئے میدان میں نکلے اور نہایت دلیری سے لڑتے ہوئے تین (۳) سواروں اور اٹھارہ (۱۸) پیادوں کو جہنم واصل کیا اور ایک ملعون عبداللہ بن بطہ طائی اور بروایتے محمد بن قطبیہ کے ناپاک ہاتھوں سے شہید ہوئے۔ ابن شہر آشوب کے مطابق عبداللہ بن قطنہ کے ہاتھوں شہید ہُوئے، طبری نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن قطبہ طائی نے شہید کیا۔[1] (مندرجہ بالا روایات میں بطہ، قطبیہ، قطنہ اور قطبہ وغیرہ میں کتابت کی غلطیوں کا گمان ہے۔ مؤلف)

حضرت عبداللہ بن جعفر طیار (علیہ السلام) کی شہادت

یحییٰ بن حسن نے احمد بن سعید سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر (علیہ السلام) بھی کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہُوئے۔[2] ابوالفرج اصفہانی، محمد بن ابی طالب اور دیگر مُحدِّثین سے روایت ہے کہ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن امام حسن (علیہ السلام) نے قصدِ جہاد کیا لیکن کثیر روایات میں حضرت قاسم بن امام حسن (علیہ السلام) کا نام مذکور ہے۔

حضرت قاسم بن امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت

ابنِ شہر آشوب نے حضرت قاسم بن امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت، حضرت عباس علمدار (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد بیان کی ہے لیکن علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) کی بیان کردہ ترتیب کے مطابق حضرت قاسم بن امام حسن (علیہ السلام)، عبداللہ بن جعفر (علیہ السلام) کے بعد شہید ہُوئے۔ حضرت قاسم (علیہ السلام) ابھی سنِ بلوغ کو نہیں پہنچے تھے اور اذنِ جہاد حاصل کرنے خدمتِ امام حسین (علیہ السلام) میں حاضر ہُوئے تو اُن کا معصوم چہرہ دیکھ کر امام عالی مقام (علیہ السلام) نے اُنھیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ چچا اور بھتیجا ہم آغوش ہو کر اس قدر روئے کہ نڈھال ہو گئے۔ جب طبیعت کچھ بحال ہوئی تو حضرت قاسم (علیہ السلام) نے دوبارہ جہاد کی اجازت مانگی مگر امام (علیہ السلام) نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت قاسم (علیہ السلام) نے بہت اصرار کیا لیکن امام (علیہ السلام) برابر انکار کرتے رہے، یہاں تک کہ قاسم، آپ (علیہ السلام) کے قدموں میں گر گئے اور اس قدر فریاد کی کہ ناچار امام عالی مقام (علیہ السلام) کو اجازت دینا پڑی۔ پس حضرت قاسم (علیہ السلام) میدانِ جنگ میں رَجز پڑھتے ہُوئے وارِد ہُوئے، "اے قوم اشرار! اگر تم میرے حسب ونسب سے ناواقف ہو تو جان لو کہ میں قاسم بن حسن (علیہ السلام) ہوں اور حسین (علیہ السلام) میرے عمِ بزرگوار ہیں جو اس دشتِ غربت میں تمہارے ہاتھوں گرفتار ہیں۔ خدا تمہیں کبھی اپنے ابرِ رحمت سے سیراب نہیں کرے گا۔"

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۵۷
مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۱۰۶؛ ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۵

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۵۷

مروی ہے کہ حضرت قاسم (علیہ السّلام) میدان میں اُترے تو اُن کا معصوم چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ اُنھوں نے صغیر سنی کے باوجود ایک ہی حملے میں تیس (۳۰) ملعون جہنم رسید کر دیئے۔ مؤرخ حمید ابن مسلم لکھتا ہے کہ میں عمر سعد کے لشکر میں تھا، میں نے اُس لڑکے (قاسم علیہ السّلام) کو دیکھا جو حسین (علیہ السّلام) کے لشکر سے نکل کر عمر بن سعد کے لشکر کی طرف آیا۔ اُس کی پیشانی سے نُور ساطع تھا۔ وہ کُرتہ اور پاجامہ پہنے ہُوئے تھا، اُس کے پاؤں میں نعلین تھے، اور مجھے خوب یاد ہے کہ اُس کے نعلین کا تسمہ ٹوٹ گیا تھا، اُس وقت عمر سعد ازدی نے کہا کہ بخدا! میں اسے جا کر قتل کروں گا۔ (طبری نے اس ملعون کا نام عمرو بن سعید ازدی لکھا ہے اور سیّد ابن طاوسؒ نے ابنِ فضیل ازدی رقم کیا ہے۔) میں نے کہا کہ تُو کتنا سنگدل ہے کہ ایک بچے کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ اس وقت اُسے گھیرے ہُوئے ہیں وہ کافی نہیں ہیں کیا؟ بخدا! اگر یہ مجھ پر وار کرتا تو اس کا وار روکنے کے لیے میں اپنا ہاتھ اس کی طرف نہ بڑھاتا۔ مگر اُس نے میری بات نہ مانی اور لپک کر بچے کے سر پر تلوار سے حملہ کیا۔ وہ معصوم مُنہ کے بل گِرا اور فریاد کی، ''چچا جان! میری مدد کو آیئے۔'' ناگاہ، امام حسین (علیہ السّلام) عقاب کی طرح جھپٹے اور غضبناک شیر کی مانند حملہ آور ہُوئے۔ اُنھوں نے قاسم (علیہ السّلام) کے قاتل پر تلوار چلائی اور اُس کا بازو کہنی سے جُدا کر دیا۔ قاتل نے چیختے ہُوئے بھاگنے کی کوشش کی تو لشکرِ کوفہ اُسے چھڑانے کے لیے آگے بڑھا۔ اُس وقت شدید جنگ ہوئی اور وہ معصوم بچہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچلا گیا۔ امام حسین (علیہ السّلام) نے ظالموں کو بھگا دیا اور جب میدانِ سے گرد و غبار کم ہُوا تو قاسم (علیہ السّلام) کی لاش پر آئے اور اُن کا حال دیکھ کر گریہ کناں ہُوئے اور فرمایا، ''اے فرزند! کتنا دُشوار ہے تیرے چچا کے لیے کہ تُو فریاد کرے اور وہ تیری مدد نہ کر سکے۔ خدا تیرے قاتلوں سے اپنی رَحمت کو دُور کرے۔'' امام (علیہ السّلام) نے قاسم (علیہ السّلام) کے لاشے کو اس طرح اُٹھایا کہ اُن کا سینہ اپنے سینے سے لگائے ہُوئے تھے اور اُن کے پاؤں زمین پر خط کھینچتے جا رہے تھے۔ امام (علیہ السّلام) نے قاسم (علیہ السّلام) کے لاشے کو بنو ہاشم کے دیگر شہیدوں کے ساتھ رکھ دیا اور فرمایا، ''خدایا! ان دُشمنوں کی جُمعیّت کو مُنتشر کر دے، ہمارے قاتلوں کو قتل کر اور ان میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ رکھ اور انھیں ہرگز نہ بخش۔'' اس کے بعد امام حسین (علیہ السّلام) نے اپنے اہلِ بیت (علیہم السّلام) سے مخاطب ہو کر فرمایا، ''صبر کرو کہ آج کے بعد پھر کوئی اہانت و خواری نہ دیکھو گے بلکہ تمھیں ابدی عزت و سعادت نصیب ہو گی۔'' [1]

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السّلام) حصّہ اوّل، ص ۲۵۷ تا ۲۵۸
ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۶
سیّد ابنِ طاوس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۴۳ تا ۴۷

حضرت عبداللہ بن امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت

روایت ہے کہ حضرت قاسم (علیہ السلام) کے بعد اُن کے بھائی حضرت عبداللہ بن حسن (علیہ السلام) رجز یہ اشعار پڑھتے ہُوئے میدان میں نکلے اور اپنی تیغِ آبدار سے چودہ (۱۴) ظالموں کو خاک وخون میں لوٹا دیا۔ حضرت عبداللہ (علیہ السلام) نہایت شجاعت سے لڑے اور آخر کار ایک سخت مقابلے کے بعد ہانی بن شیث حضرمی کے ہاتھوں شہید ہُوئے۔ ابوالفرج اصفہانی نے امام محمد باقر (علیہ السلام) سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن حسن (علیہ السلام) کو حُرملہ بن کاہل نے شہید کیا تھا۔ [۱]

بروایتے حضرت عبداللہ بن حسن (علیہ السلام) کی شہادت، امام حسین (علیہ السلام) کی شہادت سے قبل اُن کی گود میں ہوئی۔ علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ)، شیخ مفید (رحمۃ اللہ علیہ) اور سیّد ابنِ طاووس (رحمۃ اللہ علیہ) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب امام حسین (علیہ السلام) شدید زخمی ہوکر چاروں طرف سے دشمنوں میں گھِر گئے تو کم سِن عبداللہ بن حسن (علیہ السلام) خیمے سے نکل کر آپ (علیہ السلام) کی طرف بھاگے اور آپ (علیہ السلام) کے سامنے سِینہ سِپَر ہو گئے۔ حضرت زینب (علیہا السلام) اور امام عالی مقام (علیہ السلام) نے اُنھیں روکنا چاہا لیکن اُنھوں نے فرمایا کہ میں اپنے چچا جان کو اس حال میں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ اُس وقت ایک شَقِیُّ الْقَلْب ابنِ کعب نے امام (علیہ السلام) پر تلوار چلائی۔ عبداللہ (علیہ السلام) نے ہاتھ بڑھا کر اُسے روکنا چاہا لیکن تلوار کے وار سے اُن کا بازو قطع ہوگیا۔ امام حسین (علیہ السلام) نے بڑھ کر اُنھیں اپنی آغوش میں لیا۔ بروایتے سیّد ابنِ طاووس (رحمۃ اللہ علیہ)، اُس وقت حُرملہ بن کاہل نے جناب عبداللہ بن حسن (علیہ السلام) کے حلق کا نشانہ لے کر تیر چلایا جس سے وہ امام حسین (علیہ السلام) کی گود میں شہید ہو گئے۔ [۲]

حضرت ابوبکر بن امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت

حضرت عبداللہ کے بعد ابوبکر بن امام حسن (علیہ السلام) رجز پڑھتے ہُوئے مقتل میں آئے اور دلیرانہ لڑتے ہُوئے شہید ہوگئے۔ مدائنی نے سلیمان بن ابی راشد سے روایت کی ہے عبداللہ بن عقبہ غنوی نے اُنھیں شہید کیا جبکہ عمرو نے امام محمد باقر (علیہ السلام) سے روایت کی ہے وہ عقبہ غنوی (عبداللہ بن عقبہ کے باپ) کے حملے سے شہید ہُوئے۔ [۳]

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۵۸ تا ۲۵۹

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۷۶ تا ۲۷۷
سیّد ابنِ طاووس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۷۷؛ شیخ مفید، تذکرۃ الاطہار، ارشاد، ص ۳۲۰
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۹

[۳] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۵۹
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۷

حضرت حسن مثنیٰ بن امام حسن (علیہ السلام)

حضرت حسن مثنیٰ (علیہ السلام) امام حسن (علیہ السلام) کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام خَولہ بنت منظور بن زبّان فزاری تھا۔[۱] آپ کی کُنیّت ابو محمد تھی۔[۲] سانحۂ کربلا سے پہلے امام حسین (علیہ السلام) نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کا عقد آپ سے کیا۔[۳] حضرت حسن مثنیٰ (علیہ السلام) میدانِ کربلا میں موجود تھے۔ ابو مخنف کی احمد بن ابراہیم حسنی سے منقول روایت کے مطابق اُس وقت آپ کی عمر اُنیس (۱۹) یا بیس (۲۰) سال تھی۔[۴] عاشورہ کے دن آپ نے بڑی بہادری کے ساتھ امام حسین (علیہ السلام) کی مَعیّت میں جنگ کی اور شدید زخمی ہو کر اسیر ہو گئے لیکن اپنے ماموں اسماء بن خارجہ فزاری کے توسُّط سے نجات پائی۔ اُنھیں کی زیرِ نگرانی کوفہ میں آپ کا علاج ہُوا اور صحت یاب ہونے کے بعد آپ مدینہ چلے گئے۔[۵]

حضرت ابوبکر بن امام علی (علیہ السلام) کی شہادت

علامہ باقر مجلسیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر بن امام حسن (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد امام حسین (علیہ السلام) کے بھائی میدانِ جنگ میں اُترے، جن میں سب سے پہلے ابوبکر بن علی (علیہ السلام) آگے بڑھے۔ آپ کا نام عبداللہ اور کُنیّت ابوبکر تھی اور والدہ گرامی کا نام لیلیٰ بنت مسعود بن خالد تمیمی تھا۔[۶] بعض نے آپ کا نام عبید اللہ[۷] اور بعض نے محمد اصغر بھی لکھا ہے۔[۸] آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت حزام کلبی اُمّ البنین بھی مذکور ہُوا ہے۔[۹] آپ یہ رَجز پڑھتے ہُوئے میدان میں آئے، ”اے قومِ اشرار! آگاہ رہو کہ میرے والد علی ابنِ ابی طالب (علیہ السلام) صاحبِ فخر ومباہات اور بنو ہاشم کی عترت طاہرہ میں سے ہیں، وہ بنو ہاشم جو صاحبانِ صدق و کرم ہیں۔ اور یہ میرے برادرِ بزرگوار، فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور میں اپنی تیغِ آبدار سے ان کی نصرت کرتا ہوں اور اپنی جان ان پر فدا کرتا ہوں۔“ اس کے بعد بڑی جوانمردی سے لڑتے ہُوئے زجر بن بدر نخعی یا ہمدانی

---

[۱] مصعب بن عبداللہ، نسب قریش، ص ۴۶؛ ابن قتیبہ، المعارف، ص ۱۱۲؛ طبری، ج ۵، ص ۴۶۹

[۲] ابن عنبہ، عمدۃ الطالب، ص ۹۸

[۳] مصعب بن عبداللہ، نسب قریش، ص ۵۱؛ حسنی، المصابیح، ص ۳۷۹؛ شیخ مفیدؒ، ارشاد، ص ۳۶۶

[۴] مقتل، ص ۳۷۹؛ قس طبری، ج ۵، ص ۴۶۹

[۵] حسنی، المصابیح، ص ۳۷۹؛ شیخ مفیدؒ، الارشاد فی معرفۃ؛ ابن طاووس، ص ۶۳

[۶] ابن اعثم، الفتوح، ج ۵ ص ۱۱۲؛ المجدی، ص ۱۵؛ طبقات الکبری، ج ۳ ص ۱۴؛ المعارف، ص ۲۱۰؛ رجال طوسی، ص ۸۱؛ المنتظم، ج ۵ ص ۶۹

[۷] وسیلۃ الدارین، ص ۲۵۵؛ اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۳۰۲

[۸] التنبیہ والاشراف، ص ۲۷۵؛ شیخ مفیدؒ، الارشاد، ج ۱ ص ۳۵۴

[۹] الامامہ والسیاسہ، ج ۲، ص ۶؛ العقد الفرید، ج ۴ ص ۳۸۵

نام کے ایک شقی کے ہاتھوں شہید ہُوئے۔[1] امام باقر (علیہ السلام) کے مطابق ہمدانی نے شہید کیا ہے۔[2] ایک قول کے مطابق زجر بن قیس غنوی ان کا قاتل تھا۔[3] اکثر تاریخی کتب نے انہیں کربلا کے شہیدوں میں شمار کیا ہے لیکن طبری، ابو الفرج اصفہانی اور ابنِ شہر آشوب کربلا میں ان کی شہادت سے متعلق مشکوک ہیں۔[4] شیخ مفیدؒ نے ان کا ذکر شہیدانِ کربلا میں تو کیا ہے لیکن ''ابوبکر'' کو ''محمد اصغر'' کی کُنّیت بیان کیا ہے۔[5] اکثر نے انہیں اولادِ علی (علیہ السلام) میں سب سے پہلا شہید لکھا ہے۔[6]

حضرت عمر بن امام علی (علیہ السلام) کی شہادت

ابوبکر بن علی (علیہ السلام) کے بعد اُن کے بڑے بھائی عمر بن علی (علیہ السلام) میدان میں آئے اور رجز خوانی کرتے ہُوئے اپنے بھائی کے قاتل کو للکارا اور اُسے ہلاک کرنے کے بعد بہت دلیری سے لڑتے ہُوئے آخر کار جامِ شہادت نوش فرمایا۔[7]

حضرت عثمان بن امام علی (علیہ السلام) کی شہادت

حضرت عمر بن علی (علیہ السلام) کے بعد اُن کے بھائی حضرت عثمان بن علی (علیہ السلام) جن کی والدہ کا اسمِ گرامی اُمّ البنین بنتِ حزام کلابیہ تھا، معرکہ کارزار میں وارد ہُوئے اور دادِ شجاعت دیتے ہُوئے شہید ہُوئے۔ بروایتے، خولی بن یزید اصبحی کا تیر لگنے سے وہ گھوڑے سے گرے تو بنی دارم کے ایک یزیدی نے اُن کا سرتن سے جُدا کر دیا۔ اُن کی عمر اکیس (۲۱) برس تھی۔ ابو الفرج اصفہانی نے شہدائے کربلا میں اُن کا ذِکر نہیں کیا۔[8]

حضرت جعفر بن امام علی (علیہ السلام) کی شہادت

حضرت عثمان بن امام علی (علیہ السلام) کے بعد اُن کے بھائی حضرت جعفر بن علی (علیہ السلام) جن کی والدہ کا اسمِ گرامی بھی اُمّ

---

[1] باقر مجلسیؒ، بحار الانوار، ج ۱۰ حصّہ اوّل، ص ۲۵۹؛ طالب جوہری، حدیثِ کربلا، ص ۲۱۴ بحوالہ:
مقتل خوارزمی، ج ۲ ص ۳۲؛ مناقب ابنِ شہر آشوب، ج ۴ ص ۱۱۲

[2] مقاتل الطالبین، ص ۸۶؛ لباب الانساب، ج ۱ ص ۳۹۹

[3] شیخ مفیدؒ، الارشاد، ج ۱ ص ۳۵۵؛ ابن اعثم، الفتوح، ج ۵ ص ۱۱۲

[4] تاریخ طبری، ج ۵، ۱۵۴؛ مناقب، ج ۴، ص ۱۲۲؛ مقاتل الطالبین، ص ۸۶

[5] شیخ مفیدؒ، ارشاد (تذکرۃ الاطہار، مترجم مولانا سیّد ظل حسنین زیدی، نظامی پریس بک ڈپو، لکھنؤ)، ج ۱ ص ۳۵۵

[6] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۵۹
ابن اعثم الفتوح، ج ۵، ص ۱۱۲؛ اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۳۰۲

[7] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۶۰

[8] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۶۰

البنین بنتِ حزام کلابیہ تھا، مقتل کی طرف بڑھے اور دلیرانہ لڑتے ہُوئے آنکھ میں تیر لگنے سے شہید ہُوئے۔ آپ کی عمر انیس (۱۹) برس تھی۔ [1] طبری کے مطابق آپ حضرت عباس بن علی (علیہ السلام) کے حقیقی بھائی تھے اور اُنھیں کے کہنے پر میدان میں اُن سے پہلے گئے۔ بقولے، ایک ملعون ہانی حضرمی نے حضرت عبداللہ بن علی (علیہ السلام) کو شہید کرنے کے بعد ان کو شہید کیا اور سر قلم کر کے ساتھ لے گیا۔ [2]

حضرت عبداللہ بن امام علی (علیہ السلام) کی شہادت

علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت جعفر بن امام علی (علیہ السلام) کے بعد اُن کے بھائی حضرت عبداللہ بن علی (علیہ السلام) میدان میں آئے اور کئی یزیدیوں کو قتل کرنے کے بعد جامِ شہادت نوش فرمایا۔ شہادت کے وقت اُن کی عمر پچیس (۲۵) سال تھی۔ طبری نے آپ کی شہادت جعفر بن علی (علیہ السلام) سے پہلے ہانی حضرمی کے ہاتھوں لکھی ہے۔ [3] طبری نے لکھا ہے کہ حضرت عباس بن علی (علیہ السلام) نے اپنے حقیقی بھائیوں، عبداللہ و جعفر و عثمان سے کہا تھا کہ میرے بھائیو! تم مجھ سے پہلے جاؤ کہ میں تمہارا وارِث ہوں۔ وہ اس حکم کو بجالائے اور اُن سے پہلے شہید ہُوئے۔ [4]

حضرت اصغر بن امام علی (علیہ السلام) کی شہادت

حضرت عبداللہ بن علی (علیہ السلام) کے بعد اُن کے بھائی حضرت اصغر بن امام علی (علیہ السلام) بھی اپنے بھائیوں کی پیروی کرتے ہُوئے میدانِ جنگ میں آئے اور بہادری کے ساتھ لڑتے ہُوئے جان جانِ آفریں کے سُپرد کردی۔ [5]

حضرت ابراہیم بن امام علی (علیہ السلام) کی شہادت

ابوالفرج اصفہانی نے حضرت ابراہیم بن علی (علیہ السلام) کی شہادت بھی نقل کی ہے۔ لیکن، بقول علامہ مجلسیؒ کے، اُن کا ذِکر کسی اور کتابُ انساب میں اس حوالے سے نہیں ملتا۔ [6]

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۲۶۰

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۷

[3] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۲۶۱
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۷

[4] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۷

[5] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۲۶۱

[6] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۲۶۱

حضرت ابوالفضل عباس علمدار بن امام علی (علیہ السلام) کی شہادت

حضرت ابوالفضل عباس علمدار (علیہ السلام) اپنے حقیقی بھائیوں میں سب سے بڑے تھے اور روزِ عاشورہ اُن سب سے آخر میں میدانِ جنگ میں وارد ہُوئے تھے۔[1] طبرسی اور دینوری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عباس (علیہ السلام) نے بھائیوں سے فرمایا کہ تم جا کر اپنے بھائی، سیّد اور مولا کا دفاع کرو تا کہ تمہارے مارے جانے کی وجہ سے وہ قتل نہ ہوں۔[2] اردوبادی، خیال ظاہر کرتا ہے کہ حضرت عباس (علیہ السلام) نے بھائیوں کو خود سے پہلے اس لیے میدانِ جنگ میں بھیجا تا کہ اُنھیں جہاد کے لیے تیار کرنے اور بھائیوں کی شہادت پر صبر کرنے کا ثواب بھی حاصل کر سکیں۔[3] آپ (علیہ السلام) اپنے حُسن و جمال کی وجہ سے قمرِ بنی ہاشم کہلاتے تھے اور اپنی شان و شوکت، قوّت و شُجاعت اور بلند قامت ہونے کی بِنا پر اپنے ہم عصروں میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب آپ (علیہ السلام) گھوڑے پر سوار ہوتے تو آپ کے پاؤں زمین پر خط کھینچتے تھے۔[4] کلباسی کے مطابق حضرت عباس (علیہ السلام) کی شُجاعت اور جوانمردی کی دوست اور دشمن سب نے تعریف کی ہے اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔[5] روزِ عاشورہ امام حسین (علیہ السلام) نے جب اپنی مختصر فوج کی صفیں آراستہ کیں تو لشکر کا علم آپ (علیہ السلام) کو عطا کیا، اسی وجہ سے آپ (علیہ السلام) علمدار مشہور ہُوئے۔

علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) بعض تالیفات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب حضرت عباس (علیہ السلام) نے دیکھا کہ سوائے امامِ مظلوم (علیہ السلام) اور اُن کے معصوم بیٹوں کے کوئی جانثار باقی نہیں رہا تو اُن کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور عرض کی کہ مولا! مجھے اذنِ جہاد دیجئے۔ یہ سُن کر امام (علیہ السلام) آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا کہ عباس! تم میرے لشکر کے علمدار ہو۔ جانتے ہو تمھارے جانے سے میرا کیا حال گا؟ حضرت عباس (علیہ السلام) نے عرض کی کہ میرا دِل زندگی سے سیر ہو چکا ہے، میرا دم گھٹ رہا ہے، میں مشتاقِ لقائے پروردگار ہوں اور چاہتا ہوں کہ اپنے ساتھیوں کے خون کا بدلہ لوں۔ امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اگر تم نے سفرِ آخرت پر روانہ ہونے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو پھر جاؤ اور بچوں کے لیے کچھ پانی لا دو کہ وہ شدتِ پیاس سے جاں بلب ہو رہے ہیں۔ حضرت عباس (علیہ السلام) فوراً فوجِ ابن سعد کے سامنے گئے اور اُنھیں وعظ و نصیحت فرمائی لیکن اُن سنگدلوں پر مُطلق اثر نہ ہُوا۔ پس، واپس آ کر امام (علیہ السلام) کی خدمت میں صورتِ حال بیان کی۔ اس دوران خیموں سے بچوں

---

[1] الاردوبادی، موسوعۃ العلامہ الاردوبادی، ۱۴۳۶ق، ج ۹ ص ۶۹-۷۱

[2] موسوی مُقرّم، العبّاس (علیہ السلام)، ۱۴۲۷ق، ص ۱۸۵؛ بغدادی، العباس، ۱۴۳۳ق، ص ۹۶

[3] الاردوبادی، موسوعۃ العلامہ الاردوبادی، ۱۴۳۶ق، ج ۹ ص ۱۰۶

[4] طعمہ، تاریخ مرقد الحسین والعباس، ۱۴۱۶ق، ص ۲۳۶

[5] طعمہ، تاریخ مرقد الحسین والعباس، ۱۴۱۶ق، ص ۲۳۶

کے رونے کی آوازیں اور العطش کی صدائیں بلند ہوئیں تو بیتابانہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور مشکیزہ لے کر فرات کی طرف روانہ ہو گئے۔ فرات کے قریب چار ہزار (۴۰۰۰) سپاہی پہرہ دے رہے تھے جنھوں نے آپ (علیہ السلام) کو گھیر کر حملہ کر دیا۔ آپ (علیہ السلام) نے تن تنہا اُن میں سے اسّی (۸۰) یزیدیوں کو فی النار کر دیا اور فرات پر پہنچ گئے۔ آپ (علیہ السلام) نے گھوڑا فرات میں اُتارا اور چلّو میں پانی لیا لیکن اُسے بغیر پیئے واپس گرا دیا۔ مشکیزہ بھرا اور دائیں کاندھے پر ڈال کر خیام اہلِ بیت (علیہم السلام) کی طرف روانہ ہُوئے۔ یزیدی فوج آپ (علیہ السلام) پر پھر حملہ آور ہوئی۔ آپ نے اُنھیں للکار کر فرمایا،''موت میرے سامنے آجائے تو بھی میں موت سے نہیں ڈرتا یہاں تک کہ میری لاش بہادروں کے لاشوں میں ڈال دی جائے۔ میری جان، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان (حسین علیہ السلام) پر فدا ہو۔ میں عباس ہوں۔ پانی لے کر ہی جاؤں گا، میں موت سے نہیں ڈرتا۔'' یہ فرما کر آپ (علیہ السلام) نے یزیدیوں پر بھرپور حملہ کر کے اُنھیں تِتّر بِتّر کر دیا۔ آپ (علیہ السلام) لڑتے جاتے تھے اور اپنے خیموں کی طرف بڑھتے جاتے تھے کہ ایسے میں کھجور کے پیچھے چُھپے ہُوئے زید بن ورقا اور حکیم بن طفیل نے عقب سے وار کیا جس سے آپ (علیہ السلام) کا دایاں بازو کٹ کر بدن سے الگ ہو گیا۔ آپ (علیہ السلام) نے مشکیزہ بائیں کاندھے پر منتقل کیا اور تلوار بھی بائیں ہاتھ میں لی اور فرمایا،''اے قومِ رُوسیاہ! اگرچہ تم نے میرا دایاں ہاتھ قطع کر دیا ہے مگر واللہ، میں حمایتِ دین اور نُصرتِ امامِ مُبین سے دستبردار نہیں ہوں گا۔'' یہ فرما کر آپ (علیہ السلام) دوبارہ مصروفِ جہاد ہُوئے لیکن بازو کٹ جانے اور بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے آپ (علیہ السلام) پر نقاہت طاری ہو گئی تھی۔ ایسے میں حکیم بن طفیل نے دوبارہ کھجور کے عقب سے تلوار کا وار کیا جس سے آپ (علیہ السلام) کا دوسرا بازو بھی کٹ گیا۔ آپ (علیہ السلام) نے کچھ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ اے میرے نفس! کفّار کی جمعیت سے ڈرنا نہیں تجھے رحمتِ حق کی بشارت ہو، عنقریب تم نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہونے والے ہو۔ انھوں نے میرا دوسرا بازو بھی کاٹ ڈالا ہے، اے خدا! ان کو واصلِ جہنم کر۔ آپ (علیہ السلام) نے مشکیزے کا بند دانتوں سے پکڑا لیکن ایک یزیدی نے تیر مار کا مشکیزہ پھاڑ دیا اور اُس کا سارا پانی بہہ گیا۔ ساتھ ہی یزیدیوں کا حملہ زور پکڑ گیا اور چاروں طرف سے تلواریں، نیزے اور تیر برسنے لگے۔ ایک تیر آپ (علیہ السلام) کے سینے پر لگا جس کی وجہ سے آپ گھوڑے سے زمین پر گر گئے، اور ایک یزیدی نے نیزہ مار کر آپ (علیہ السلام) کو شہید کر دیا۔ گھوڑے سے گرتے ہُوئے آپ (علیہ السلام) نے امام حسین (علیہ السلام) کو پُکارا تو وہ آپ (علیہ السلام) کی صدائے استغاثہ سُن کر بیتابانہ آپ (علیہ السلام) کی طرف لپکے۔ امام حسین (علیہ السلام) نے آپ کو اس حال میں دیکھا تو شدتِ غم سے گریہ کناں ہُوئے اور فرمایا،''اے بھائی! تمہارے جانے سے حسین (علیہ السلام) کی کمر ٹوٹ گئی اور ہر راہ مسدود ہو گئی۔'' پھر آپ (علیہ السلام) نے اُن بدبختوں کو مخاطب کر کے فرمایا،''اے قومِ اشرار! تم نے ظلم ڈھایا اور دینِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت کی۔ کیا رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تمھیں ہمارے حق میں وصیت نہیں فرمائی تھی؟ کیا ہم عترتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہیں؟ کیا ہماری مادرِ گرامی جناب فاطمہ زہرا (علیہا السلام) نہیں؟ کیا ہم نیک ترین

ذریّتِ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نہیں؟ لیکن تم تو اپنی بداعمالیوں اور گناہوں کے سبب ملعون اور ذلیل ہو چکے ہو اور جہنم کے بھڑکتے ہُوئے شعلے تمھارا استقبال کریں گے۔''[1]

ایک معصوم کی شہادت

علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ)، نے بحارالانوار میں حضرت عباس بن علی (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد حضرت علی اکبر (علیہ السلام) کی شہادت بیان کی ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ علی اکبر (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد ایک لڑکا خورشیدِ درخشاں کی مانند خیمے سے نکلا۔ اُس کے کانوں میں دو بُندے تھے جو بوجہ اضطراب ہلتے جاتے تھے۔ اچانک ہانی بن شبث نے اُس معصوم پر تلوار چلائی اور اُسے شہید کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت شہر بانو (علیہا السلام) کو سکتہ ہو گیا۔ وہ بحالتِ تحیّر اُس بچے کی طرف دیکھ رہی تھیں اور اُنھیں حرکت کیا یارا تھا نہ کلام کی طاقت۔[2]

حضرت امام زین العابدین/علی بن الحسین (علیہ السلام)

بروایتے، کربلا میں امام حسین (علیہ السلام) کے اہلِ بیت و انصار میں سوائے امام زین العابدین (علیہ السلام) کے کوئی جوان باقی نہیں رہا تھا۔ اور آپ اُس وقت اتنے علیل تھے کہ تلوار پکڑنے کی سکت بھی نہ تھی۔ آپ (علیہ السلام) نے اپنے والد گرامی کو مقتل میں بے یار و مددگار دیکھا تو جہاد کے ارادے سے اُٹھنا چاہا۔ حضرت اُمّ کلثوم (علیہا السلام) نے گھبرا کر پکارا، ''میری آنکھوں کے نُور! تم کہاں جا رہے ہو؟'' عرض کی، ''پھوپھی جان! مجھے جانے دیجیے تا کہ فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر اپنی جان نثار کروں۔'' امام حسین (علیہ السلام) کو معلوم ہُوا تو حضرت اُمّ کلثوم سے فرمایا، ''بہن! اسے روکو یہ میرا جانشین اور خلیفہ ہے۔''[3]

حضرت عبداللہ/حضرت علی اصغر بن الحسین (علیہ السلام) کی شہادت

علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) تحریر فرماتے ہیں کہ کربلا میں امام حسین (علیہ السلام) کے دو شِیر خوار بچے پیکانِ ظلم سے شہید کیے گئے۔ ایک کا نام عبداللہ تھا جو روزِ عاشورہ مُتوَلّد ہُوئے تھے اور اُن کی والدہ ماجدہ کا نام اُمّ اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ تھا۔ ابوالفرج اصفہانی نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن حسین (علیہ السلام) کی والدہ کا نام رُباب بنتِ امرؤ القیس بن عدی تھا۔ امام حسین (علیہ السلام) نے بچے کے مُنہ میں اپنی زبانِ اطہر دی تھی جسے وہ چوس رہا تھا کہ عبداللہ بن عقبہ غنوی نے تیر مار کر اُسے آغوشِ پدر ہی

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۶۱ تا ۲۶۴

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۶۸

[3] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۶۸

میں شہید کر دیا۔[1] یعقوبی لکھتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) گھوڑے پر سوار تھے کہ اُن کے نومولود بیٹے کو اُن کے پاس لایا گیا۔ امام (علیہ السلام) نے بچے کے کان میں اذان کہی اور گُھٹی دی۔ اُسی وقت ایک تیر آیا جو بچے کے گلے میں لگا اور وہ شہید ہو گیا۔ امام (علیہ السلام) نے تیر کو گلے سے نکالا اس حالت میں کہ بچہ خون میں ڈُوبا ہُوا تھا اور بچے سے کہا کہ خدا کی قسم! تیرا مقام خدا کے نزدیک حضرت صالح (علیہ السلام) کے ناقے سے بالاتر ہے اور رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مقام حضرت صالح (علیہ السلام) سے بالاتر ہے۔ اس کے بعد بچے کو شہدا کے لاشوں کے قریب لا کر رکھ دیا۔[2]

شیخ مفید (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ حضرت نے عبداللہ (علیہ السلام) کو گود میں لیا اور اُن کے نازک لبوں کے بوسے لے کر فرمایا،''وائے اُن اشقیاء پر کہ تیرے جد جناب محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جن کے دشمن ہوں گے۔'' ناگاہ، حرملہ بن کاہل اسدی نے بچے کے نازک گلے پر تیر مار کر اُسے آغوشِ پدر میں ہی شہید کر دیا۔ امام (علیہ السلام) نے بچے کے خون کو چُلّو میں لے کر آسمان کی طرف اُچھال دیا اور فرمایا،''اللہ کی راہ میں یہ رنج والم تو کچھ بھی نہیں۔'' پھر فرمایا،''خداوندا! میرا یہ بچہ ناقۂ صالح (علیہ السلام) سے کم نہ ہو۔ اگر میری نصرت میں تیری مصلحت نہیں تو میری ان قربانیوں اور تکلیفوں کو آخرت میں موجبِ کثرتِ ثواب بنا۔ سیّد ابنِ طاووس (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ بچے کا جو خون امام (علیہ السلام) نے فلک کی طرف اُچھالا تھا اُس میں سے ایک قطرہ بھی زمین پر واپس نہ آیا۔ مؤرخ حمید بن مسلم سے روایت ہے کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے ایک معصوم بچے کو آغوش میں لیا تھا کہ عقبہ بن بشیر لعین نے تیر سے اُسے شہید کر دیا۔ محمد بن حسین اشنانی نے کربلا میں موجود ایک شخص سے روایت کی ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) کے پاس ایک معصوم بچہ تھا جس کے حلق میں ایک تیر لگا اور اُس کا خون امام (علیہ السلام) نے چُلّو میں لے کر آسمان کی طرف اُچھالا۔ خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرا۔ امام (علیہ السلام) نے فرمایا کہ خدایا! میرا یہ بچہ ناقۂ صالح سے کم نہ ہو۔[3] طبری نے لکھا ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) تشریف فرما تھے کہ ایک بچے کو آپ (علیہ السلام) کے پاس لایا گیا۔ اُس کا نام عبداللہ بن حسین (علیہ السلام) تھا۔ بنی اسد میں سے ایک شخص نے تیر مار کر اُسے ذبح کر دیا۔[4]

---

[1] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ا ص ۲۷۷، ۲۷۹ بحوالہ: الشجرہ المبارکہ، ص ۷۳ تذکرۃ فی الانساب لمطہرہ، ص ۲۴۲؛ محمد ابنِ سعد بغدادی، (متوفی: ۲۳۰ھ، بغداد، عراق)، طبقات کبریٰ، ج ا ص ۴۷۶ مصعب زبیری، (متوفی: ۲۳۶ھ، بغداد، عراق)، نسب قریش، ص ۵۹؛ حسن بن محمد بن حسن قمی، (متوفی: ۴۰۶ھ)، تاریخ قم، ص ۴۹۷

[2] احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح، (متوفی: ۲۹۲ھ)، تاریخ الیعقوبی، ج ۲ ص ۲۴۵ طبع بیروت

[3] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۶۸ تا ۲۶۹ شمس الدین ابی البرکات محمد بن احمد الدمشقی الباعونی الشافعی (متوفی: ۸۷۱ھ)، جواہر المطالب فی مناقب الامام علی (علیہ السلام)، ج ۲ ص ۲۸۸

[4] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۷

دُوسرے بچے کا نام علی اصغر (علیہ السلام) تھا جن کا ذکر زبان زدِ عام ہے۔ (ان کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت رُباب (علیہا السلام) بنتِ امرؤ القیس بن عدی اور بروایتے لیلیٰ (علیہا السلام) بنتِ ابی مُرہ بن عُروہ بن مسعود ثقفی تھا۔) چونکہ دونوں بچوں کے نام الگ الگ بھی مذکور ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک ہی بچے کے دو نام ہیں چنانچہ کتبِ تاریخ میں لکھے گئے ان کی ماؤں کے نام بھی باہم مِل جُل گئے ہیں۔ اس کے باوجود بعض محققین کا کہنا ہے کہ دونوں بچے الگ الگ ہیں، جیسا کے اُن کے اپنے ناموں، ماؤں کے ناموں، عمروں، کیفیات، اور شہادت کے واقعات میں اختلاف سے ظاہر ہے۔ [۱]

روایت ہے کہ جب امام حسین (علیہ السلام) کے تمام اقربا اور اولادِ عظام (سوائے امام زین العابدین علیہ السلام) شہید ہو گئے تو آپ (علیہ السلام) نے اتمامِ حُجّت کے لیے استغاثہ فرمایا، "ہے کوئی جو اِن ظالموں کے ظلم کو روکے؟ ہے کوئی حق پرست جو خوفِ خدا کرے؟ ہے کوئی جو اَجر و ثواب کی خاطر ہماری دادرسی کرے؟" آپ (علیہ السلام) کی فریاد خیامِ حسینی میں پہنچی تو وہاں ایک کہرام بپا ہو گیا۔ علامہ مجلسیؒ، بحوالہ ناسخ التواریخ لکھتے ہیں کہ حضرت علی اصغر (علیہ السلام) کی عمر چھ (۶) ماہ سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ بھوک اور پیاس سے رو رہے تھے کیونکہ اُن کی والدہ کا دُودھ پیاس کی شدت سے خشک ہو چکا تھا۔ امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میرا بچہ مجھے دے دو تا کہ اسے بھی وداع کروں۔ پس آپ (علیہ السلام) بچے کو گود میں لیے صفِ دشمناں کے سامنے آئے اور آسمان کی طرف دیکھا، گویا فرما رہے تھے کہ الٰہی! میرے دامن میں سوائے اِس گھر کے کچھ باقی نہیں رہا، میں اسے بھی تیری بارگاہ میں فدیہ کرنے لایا ہوں۔ پھر آپ (علیہ السلام) نے کوفیوں کو مخاطب کرتے ہُوئے فرمایا، "اے آلِ ابوسفیان کے دوستو! تم مجھے خطا کار سمجھتے ہو تو بتاؤ کہ اس بچے کا قصور کیا ہے؟ اِس کو تو پانی پلا دو کیونکہ اِس کی ماں کا دُودھ شدتِ پیاس سے خشک ہو گیا ہے۔" امام (علیہ السلام) کی بات کا جواب ایک تیر کی صورت میں آیا۔ حرملہ بن کاہل اسدی جہنمی نے ایسا تیر چلایا جو معصوم علی اصغر (علیہ السلام) کے حلق کے آر پار ہو گیا۔ امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا، "پروردگار! اسے بچے کے خونِ ناحق کو ناقۂ صالح (علیہ السلام) کے خون سے کم نہ قرار دے۔ [۲]

سیّد ابنِ طاوس (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) خیمے کے دروازے پر تشریف لائے اور حضرت زینب (علیہا السلام) سے فرمایا کہ میرا ننھا اصغر مجھے لا دو تا کہ اُسے وداع کروں۔ بی بی (علیہا السلام) بچہ لائیں تو امام (علیہ السلام) نے اُسے اپنے ہاتھوں پر لے کر بوسہ دینا چاہا۔ ناگاہ حرملہ بن کاہل اسدی (لعنۃ اللہ علیہ) نے اُس کے حلق پر تیر چلا کر اُسے شہید کر دیا۔ امام

---

[۱] علامہ محمد الرّی شہری، انسائیکلو پیڈیا امام حسین (علیہ السلام)، ج ۱ ص ۲۷۷، ۲۷۹ بحوالہ: الشجرہ المبارکہ، ص ۷۳؛ تذکرۃ فی الانساب لمطہرہ، ص ۲۴۲؛ محمد ابنِ سعد بغدادی، (متوفی: ۲۳۰ھ، بغداد، عراق)، طبقات کبریٰ، ج ۱ ص ۴۷۶؛ مصعب زبیری، (متوفی: ۲۳۶ھ، بغداد، عراق)، نسب قریش، ص ۵۹؛ حسن بن محمد بن حسن قمی، (متوفی: ۴۰۶ھ)، تاریخِ قم، ص ۱۹۷

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ حصہ اوّل، ص ۲۶۹ بحوالہ: ناسخ التواریخ، ج ۶ ص ۲۲۵

حسین (علیہ السلام) بچے کے گلے سے بہتے ہُوئے خون کو اپنے ہاتھ میں جمع کرتے اور پھر آسمان کی طرف اُچھال کر فرماتے، ''یہ مصائب مجھ پر آسان ہیں چونکہ یہ راہِ خدا میں ہیں اور خدا دیکھ رہا ہے۔'' حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ جو خون امام حسین (علیہ السلام) نے آسمان کی طرف اُچھالا تھا اُس کا ایک قطرہ بھی زمین پر واپس نہ آیا۔ [۱]

بزرگ تاریخ دان ابوالفرج اصفہانی اپنی کتاب مقاتل الطالبین میں ایک عینی شاہد سے نقل کرتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) کی آغوش میں اُن کا ننھا سا بچہ تھا۔ ناگاہ، ایک تیر آیا جو بچے کے گلے میں لگا۔ امام (علیہ السلام) بچے کے گلے سے بہتے ہُوئے خون کو اپنے ہاتھ میں جمع کرتے جاتے اور آسمان کی طرف اُچھالتے جاتے درآں حالیکہ خون کا ایک قطرہ بھی واپس زمین پر نہیں آتا تھا۔ امام (علیہ السلام) نے فرمایا، ''اے خداوندا! میرے بیٹے کا مقام تیرے نزدیک حضرت صالح (علیہ السلام) کی اونٹنی سے کم نہیں ہے۔'' [۲]

مروی ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) نے اپنی تلوار سے زمین کو کھود کر چھوٹی سی قبر بنائی جس میں بچے کو دفن کر دیا۔ [۳]
بعض نے لکھا ہے کہ امام (علیہ السلام)، لہولہان علی اصغر (علیہ السلام) کو خیمے کی جانب لائے اور حضرت زینب (علیہا السلام) کے سُپرد کیا۔ [۴]
اور دیگر کا بیان ہے کہ امام حسین (علیہ السلام)، علی اصغر (علیہ السلام) کا ننھا سا لاشہ لے کر آئے اور دوسرے شہدا کے ساتھ رکھ دیا۔ [۵]

شہدائے بنی ہاشم

علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) نے بحار الانوار میں بنو ہاشم کے شہدائے کے مندرجہ ذیل نام بیان کیے ہیں: [۶]

۱۔ حضرت ابا عبد اللہ حسین بن علی (علیہ السلام)
۲۔ حضرت ابوالفضل عباس بن علی (علیہ السلام)
۳۔ حضرت جعفر بن علی (علیہ السلام)
۴۔ حضرت عبد اللہ بن علی (علیہ السلام)
۵۔ حضرت عثمان بن علی (علیہ السلام)

---

[۱] سیّد ابنِ طاووس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۴۷
[۲] ابوالفرج علی بن الحسین الاصفہانی، (متوفی: ۳۵۶ھ)، مقاتل الطالبین، ص ۶۰، طبق برنامہ الجامع الکبیر
[۳] اخطب خوارزم، مقتل الحسین، ج ۲ ص ۳۷؛ خوارزمی، مقتل الحسین، ۱۴۲۳ق، ج ۲ ص ۳۷
[۴] ابن طاووسؒ، اللہوف، ۱۳۴۸ش، ص ۱۱۷؛ مقتل الحسین ابومخنف، ص ۱۷۳
[۵] اعلام الوری، ص ۲۴۳؛ شیخ مفیدؒ، الارشاد، ۱۴۱۴ق، ج ۲ ص ۱۰۸
[۶] علامہ محمد باقر مجلسیؒ، (متوفی: ۱۱۱۰ھ اصفہان، ایران)، بحار الانوار، حصّہ اوّل، ج ۱ ص ۲۸۸

۶۔ حضرت محمد بن علی (علیہ السلام)

۷۔ حضرت قاسم بن امام حسن (علیہ السلام)

۸۔ حضرت عبداللہ بن امام حسن (علیہ السلام)

۹۔ حضرت علی اکبر بن امام حسین (علیہ السلام)

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن امام حسین (علیہ السلام)

۱۱۔ حضرت ابوبکر بن امام حسین (علیہ السلام)

۱۲۔ حضرت جعفر بن عقیل (علیہ السلام)

۱۳۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل (علیہ السلام)

۱۴۔ حضرت محمد بن سعید بن عقیل (علیہ السلام)

۱۵۔ حضرت ابوعبداللہ بن مسلم بن عقیل (علیہ السلام)

۱۶۔ حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل (علیہ السلام)

۱۷۔ حضرت عون بن عبداللہ بن جعفر (علیہ السلام)

۱۸۔ حضرت محمد بن عبداللہ بن جعفر (علیہ السلام)

الوداع اہلِ حرم

علامہ باقر مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ جب امام حسین (علیہ السلام) نے اپنے بہتّر (۷۲) ساتھیوں کو خاک وخون میں غلطاں دیکھا تو ایک سرد آہ بھری اور اپنے اہلِ بیت (علیہ السلام) کو وداع کرنے کے لیے خیمے کے دروازے پر تشریف لائے اور بلند آواز سے صدا دی، ''اے سکینہؑ! اے فاطمہؑ! اے زینبؑ! اے اُمّ کلثومؑ! تم پر میرا سلام ہو۔'' آپ (علیہ السلام) کی صدائے پُر درد سنتے ہی خیموں میں اضطراب پیدا ہوگیا اور اہلِ حرم نے گھبرا کر آپ (علیہ السلام) کو گھیر لیا۔ حضرت سکینہ (علیہا السلام) نے مایوسی کے عالم میں کہا، ''بابا جان! اب آپ نے بھی جانے کا ارادہ کرلیا ہے اور ہمیں ان اشقیا کے درمیان بے بس و بے آسرا چھوڑے جا رہے ہیں۔'' فرمایا، ''اے نور العین! جس کا کوئی ناصر و مددگار نہ بچا ہو وہ کیا کرے؟'' حضرت سکینہ (علیہا السلام) نے کہا، ''اگر آپ شہادت کے لیے تیار ہو چکے ہیں تو پھر ہمیں روضۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک پہنچا دیں۔'' فرمایا، ''اے میری آنکھوں کے نور! مجھے افسوس ہے کہ یہ بھی ممکن نہیں۔'' اُس وقت اہلِ بیت (علیہم السلام) کے درمیان ایک کہرام برپا ہوگیا اور امامِ مظلوم (علیہ السلام) نے ایک ایک کو گلے لگا کر صبر کی تلقین کی اور مقتل کی طرف روانہ ہوگئے۔ [1]

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۶۹

امام عالی مقام (علیہ السلام) میدانِ جنگ میں

میدانِ جنگ میں آ کر امام حسین (علیہ السلام) نے اپنے فضائل و مناقب بیان کرتے ہُوئے یزیدیوں پر حُجّت تمام کی لیکن اُن پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا:[1]

یہ قوم کافر ہوگئی ہے اور یہ ابتدا ہی سے ثوابِ الٰہی سے رُوگرداں ہے۔

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے علی (علیہ السلام) اور حسن (علیہ السلام) کو (ناحق) مار ڈالا جو مجسمۂ خیر اور محترم والدین کے فرزند تھے۔

اور یہ اُنھوں نے پرانی دشمنی اور نفاق کی وجہ سے کیا۔

اور اب نعرہ لگا رہے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو حسین (علیہ السلام) سے جنگ کرنے کے لیے جمع کرو۔

یہ کیسے ذلیل لوگ ہیں جنھوں نے وارثِ حرَمین سے لڑنے کے لیے لشکر جمع کئے ہیں اور مجھے قتل کرنے کے لیے ایک دوسرے کو تاکید کر رہے ہیں تاکہ دو ملحدوں (عمر سعد اور ابنِ زیاد) کو خوش کریں۔

میرا خون بہانے میں ان کو خوفِ خدا نہیں لیکن ابن زیاد کو راضی رکھنا چاہتے ہیں جو دو کافروں کی نسل سے ہے۔

ابنِ سعد جور و ستم کے طوفانوں کی طرح اُمنڈتی ہوئی افواج کو لے کر مجھ پر حملہ آور ہُوا ہے۔

حالانکہ میرا کوئی قصور نہیں سوائے اس کے آفتابِ نبوّت اور آفتابِ امامت پر مجھے فخر ہے، جن میں سے ایک قرشی والدین کے فرزند اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور دوسرے علی ابنِ ابی طالب (علیہ السلام) ہیں جن کا مرتبہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد ہے۔

میرے والدین خلقِ خدا کے برگزیدہ و منتخب ہیں اور میں اُنھیں عظیم المرتبت ہستیوں کا فرزند ہوں۔

اُس سنہرے (زیور) کا کیا کہنا جو خالص سونے سے بنایا گیا ہو، میں وہی مصفّا طلائی زیور ہوں جو دو سونوں سے بنا ہے۔

بتاؤ! میرے جدِّ امجد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جیسا جیّد باپ زمانے میں کس کو نصیب ہے؟ میں اُنھیں بزرگ ہستیوں کا فرزند ہوں۔

میری والدہ فاطمہ زہرا (علیہا السلام) ہیں اور میرے والد بدر و حنین کی جنگوں میں کفّار کی گردنیں اُڑانے والے ہیں۔

اور اُنھوں نے اُس وقت بھی خدائے یکتا کی عبادت کی جب قریش کے لوگ دو بُتوں، لات و عزیٰ کی پرستش کرتے تھے۔

اور میرے والد گرامی علی (علیہ السلام) وہ ہیں جنھوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز ادا کی تھی۔

میرے والد آفتاب ہیں اور میری والدہ ماہتاب، اور میں ان دونوں کا فرزند ہوں، ایک روشن ستارہ۔

میرے والد کی اقبال مندی نے اُحد میں دشمنوں کے لشکر کو شکست دے کر مسلمانوں کی پشیمانی مٹائی۔

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل ص ۲۷۱ تا ۲۷۲

پھر جنگ احزاب اور فتح مکہ میں بھی میرے والد گرامی کی بدولت فتح نصیب ہوئی۔
اے اُمّت! خدا کے لیے جواب دو کہ نبیِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور علی شیرِ خدا (علیہ السلام) جیسے بزرگوں کے ساتھ تم نے کیا سلوک کیا ہے؟

مبارزت

مندرجہ بالا الفاظ میں امام عالی مقام (علیہ السلام) نے اپنا تعارف کروایا اور جب لشکرِ ابنِ سعد پر اس کا کوئی اثر نہ ہُوا تو مبارزت طلب کی اور جو یزیدی سامنے آتا اُسے جہنم واصل کر دیتے۔ یزیدیوں پر آپ (علیہ السلام) کا ایسا خوف مُسلّط ہو گیا تھا کہ وہ انفرادی طور پر آپ (علیہ السلام) کے مقابلے پر آنے سے گھبرانے لگے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ (علیہ السلام) نے فرمایا، ''ذِلّت کی زندگی سے (عزّت کی) موت بہتر ہے۔'' اور اُن کے میسرہ پر حملہ کر دیا۔ آپ رَجز خوانی کرتے ہُوئے فرما رہے تھے، ''میں حسین ابنِ علی ہوں۔ واللہ! میں تمھارے سامنے سے نہیں ہٹوں گا۔ میں ثابت قدم ہوں دینِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر اور نُصرت کروں گا اپنے والدِ گرامی کے خاندان کی۔''[1] سیّد ابنِ طاوس (رحمۃ اللہ علیہ) نے لکھا ہے کہ حضرت (علیہ السلام) مبارِز طلب کرتے تھے اور جو نامرد سامنے آتا تھا اُسے قتل کر دیتے تھے، یہاں تک کہ مجمعِ کثیر کو لقمۂ شمشیر بنا دیا۔ اور فرمایا، ''قتل (ہو جانا) بہتر ہے ننگ و عار سے اور عار بہتر ہے دخولِ نار سے۔'' ایک راوی کا بیان ہے کہ بخدا ہم نے امام حسین (علیہ السلام) سے زیادہ بہادر کوئی نہیں دیکھا کہ آپ (علیہ السلام) باوجود ایسے عظیم صدمات کے اور وفادار ساتھیوں، عزیز و اقارب اور اولاد کے قتل کے، کمال اطمینان سے تن تنہا دشمن کی فوج پر حملہ آور تھے اور وہ نامرد آپ (علیہ السلام) کے سامنے اس طرح بھاگتے تھے جیسے شیر سے ڈر کر بکریاں بھاگتی ہیں۔ آپ (علیہ السلام) ہر حملے کے بعد توقف کرتے اور فرماتے، ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ۝''[2]

اجتماعی حملہ

ابنِ شہر آشوب اور محمد بن ابی طالب لکھتے ہیں کہ حضرت (علیہ السلام) نے اپنے دستِ حق پرست سے مجروحین کے علاوہ ایک ہزار نو سو پچاس (۱۹۵۰) بدکرداروں کو فی النار کیا۔ اُس وقت عمر سعد نے اپنے لشکر سے کہا کہ وائے ہو تم پر، کیا تم نہیں جانتے کہ تم کس شخص سے لڑ رہے ہو؟ یہ فرزند ہے عرب کے اُس دلاور کا جس نے دشمنوں کا قتلِ عام کیا ہے۔ تم ہرگز اس کا مقابلہ نہیں کر سکو گے اس لیے گھیراؤ کر کے حملہ کرو۔ پس چار ہزار تیر اندازوں نے آپ (علیہ السلام) کو چاروں طرف سے گھیر کر تیر برسانا شروع کر دیے اور پیش قدمی کرتے ہُوئے آپ کے اور خیامِ اہلِ بیت (علیہم السلام) کے درمیان حائل ہو گئے۔ محمد بن ابی

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسیؒ، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۷۳

[2] علامہ محمد باقر مجلسیؒ، بحار الانوار، ج ۱۰ حصہ اوّل ص ۲۷۳؛ سیّد ابنِ طاووسؒ، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۷۵ تا ۷۶

طالب، شہرِ آشوب اور سیّد ابن طاوسؒ نے لکھا ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) نے یہ دیکھ کر اُن سے فرمایا، ''اے گروہِ کفّار! اے پیروانِ آلِ ابوسفیان! تم دِین سے بے بہرہ اور روزِ جزا سے بے خوف تو ہو ہی لیکن وہ عربوں کی غیرت وحَمِیَّت کہاں ہے؟'' شمر نے جواب دیا، ''اے فرزندِ فاطمہ (علیہا السلام) کیا کہنا چاہتے ہو؟'' فرمایا، ''یہ جنگ تو تمھاری اور میری ہے، عورتوں کا کیا قصور ہے؟ لشکر کو منع کرو کہ جب تک میں زندہ ہوں اہل بیت (علیہم السلام) کے خیموں سے دُور رہیں۔'' یہ سُن کر شمر ملعون نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ پہلے حسین (علیہ السلام) کا کام تمام کرو۔ [1]

طبری نے لکھا ہے کہ شمر بن ذی الجوشن کوفیوں میں سے دس پیادوں کو ساتھ لے کر اُس خیمے کی طرف بڑھا جس میں امام حسین (علیہ السلام) کے عیال واسباب تھے۔ امام حسین (علیہ السلام) نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ وائے ہو تم پر، اگر تمہارا کوئی دِین نہیں اور تمھیں قیامت کا بھی کوئی خوف نہیں تو کم از کم اُمورِ دُنیا میں شرفا اور بھلے مانسوں کا طریقہ اختیار کرو اور میرے خیمے اور اہلِ حَرم سے دُور رہو۔ [2]

فرات پر تصرُّف

جنگ کے دوران امام حسین (علیہ السلام) نے اُن سے پانی طلب کیا، لیکن پانی دینے کی بجائے وہ ملعون آپ پر طنز کرنے لگے۔ آپ (علیہ السلام) کے اصرار کے باوجود جب اُنھوں نے نہایت بے شرمی سے انکار کیا تو آپ (علیہ السلام) دشمن کی فوج کو مُنتشر کرتے ہُوئے فرات کی بڑھے جہاں اعور سلمی اور عمر بن حجاج، چار ہزار کے لشکر کے ساتھ تعینات تھے۔ آپ (علیہ السلام) نے اُن کی صفوں کو تہس نہس کر دیا اور فرات پر پہنچ کر گھوڑے کو پانی میں ڈالا اور فرمایا، ''تُو بھی پیاسا ہے اور میں بھی۔ لیکن میں تب تک پانی نہیں پیوں گا جب تک تُو سیراب نہ ہو جائے۔'' مؤرخین لکھتے ہیں کہ گھوڑا اپنا مُنھ پانی میں ڈال چکا تھا لیکن کلامِ امام (علیہ السلام) سننے کے بعد اُس نے مُنھ اُٹھا لیا گویا اُس نے امام (علیہ السلام) کی بات سمجھ لی اور چاہا کہ پہلے امام (علیہ السلام) اپنی پیاس بجھائیں۔ حضرت (علیہ السلام) نے فرمایا، ''اے اسپِ وفادار! تُو پانی پی لے، میں بھی پیتا ہوں۔'' یہ فرما کر آپ (علیہ السلام) نے چاہا کہ پانی پئیں لیکن عین اُس وقت ایک شقیُّ القلب نے کہا کہ اے حسین (علیہ السلام)! اِدھر آپ پانی نوش کر رہے ہیں اُدھر ہماری فوج آپ کے خیموں کو لُوٹ رہی ہے۔ یہ سنتے ہیں آپ (علیہ السلام) نے پانی واپس دریا میں اُنڈیل دیا اور بیتابانہ خیام کی طرف پلٹے لیکن خیمے محفوظ تھے۔ اُس کافر نے آپ (علیہ السلام) سے جھوٹ بولا تھا تاکہ آپ پانی نہ پی سکیں۔ [3]

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسیؒ، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۷۴

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۸؛ سیّد ابنِ طاوس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۷۵ تا ۷۶

[3] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۷۴

یزیدی حملے میں تیزی

یزیدی حملے میں ہر گزرتے لمحے کے ساتھ شدت آتی جا رہی تھی۔ وہ چاروں اطراف سے تیر برسا رہے تھے لیکن امام (علیہ السلام) پیکرِ صبر و رضا بنے تیروں کو اپنے جسمِ اطہر پر جھیلتے ہُوئے مصروفِ جہاد تھے اور فرما رہے تھے، ''اے گروہِ کفّار! تم نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہلِ بیت (علیہم السلام) کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا ہے۔ میں تو اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہونے کو سعادت سمجھتا ہوں لیکن میرا خدا تم سے میرے خون کا انتقام دونوں جہانوں میں لے گا۔'' ایک یزیدی حُصین بن مالک نے کہا، ''اے پسرِ فاطمہ (علیہا السلام)! خدا ہم سے کیسے انتقام لے گا؟'' امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا، ''تم آپس میں لڑتے ہُوئے ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہو جاؤ گے اور آخرت میں بدترین عذاب تمہارا منتظر ہو گا۔ بروایتے اس معرکۂ حق و باطل میں امام عالی مقام (علیہ السلام) شدید زخمی ہو گئے۔ [1]

شہادتِ عظمیٰ

تنہا، بے بس اور بے کس، امامِ مظلوم (علیہ السلام) یزیدیوں کے لشکر سے نبرد آزما تھے کہ ناگاہ ایک یزیدی ابوالحتوف جعفی ملعون نے تیر چلایا جو آپ (علیہ السلام) کی پیشانی پر لگا۔ آپ (علیہ السلام) نے تیر نکالا تو خون سے چہرۂ مبارک تر ہو گیا۔ اُس وقت آپ (علیہ السلام) نے بارگاہِ الٰہی میں فریاد کی، ''الٰہی! تُو دیکھ رہا ہے کہ تیری رضا کی خاطر دشمنوں سے کیسی کیسی تکالیف اُٹھا رہا ہوں۔ خدایا! تُو انھیں معاف نہ کرنا اور ان کی جمعیت کو منتشر کر دینا اور انھیں قتل کرنا کہ ان میں سے کوئی ذی نفس باقی نہ رہے۔'' [2]

ایک ملعون نے آپ (علیہ السلام) کی پیشانی پر پتھر مارا جس سے جبینِ سجدہ شعار مزید گھائل ہو گئی اور لہو بہنے لگا۔ آپ (علیہ السلام) نے چاہا کہ عبا کے دامن سے خون پونچھیں لیکن یزیدیوں نے اس کا موقع نہیں دیا اور ایک تین شاخہ تیر سے سینۂ اطہر کو نشانہ بنایا۔ تیر قلبِ مطہر پر لگا اور آپ (علیہ السلام) نے فرمایا، ''بِسۡمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ وَ عَلٰی مِلَّةِ رَسُوۡلِ اللّٰهِ ○'' پھر فرمایا، ''میرے اللہ! تُو جانتا ہے کہ یہ جفا کار لوگ اُسے قتل کرنے کے درپے ہیں جس کے سوا اس زمین پر تیرے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کوئی فرزند باقی نہیں۔ آپ (علیہ السلام) نے سہ شعبہ تیر کو کھینچ کر نکالا تو خون تیزی سے بہنے لگا۔ آپ (علیہ السلام) نے بہتا ہُوا مطہر لہو اپنے دستِ مبارک میں لیا اور آسمان کی طرف اُچھال دیا۔ منقول ہے کہ اُس خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرا یعنی سارا لہو دامنِ فلک میں سما گیا اور تب سے آسمان پر شفق کی سرخی نمودار ہونے لگی جو اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ پھر آپ (علیہ السلام) نے بہتے ہُوئے خون کو اپنی ریشِ مبارک پر لگایا اور فرمایا، ''میں اپنے جدّ بزرگوار سے اسی طرح ملاقات کروں گا اور

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۷۵

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۷۴

عرض کروں گا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! فُلاں فُلاں نے مجھے شہید کیا۔'' اس دوران آپ (علیہ السلام) پر نقاہت طاری ہونے لگی۔ وہ بزدل جو کچھ دیر پہلے تک آپ (علیہ السلام) کا سامنا کرتے ہُوئے ڈرتے تھے، ضعف طاری ہونے کے بعد آپ کے گرد منڈلانے لگے۔ ایسے میں ایک ملعون مالک بن نسیر کندی نے نازیبا کلمات کہتے ہُوئے آپ (علیہ السلام) کے سرِ اقدس پر تلوار کی ایسی ضرب لگائی کہ عمامۂ مبارک خون سے تربتر ہو کر زمین پر گر گیا۔ پھر ایک دوسرے ملعون صالح بن وہب نے آپ (علیہ السلام) کے پہلو میں نیزے سے وار کیا تو آپ (علیہ السلام) ذوالجناح سے دائیں رخسار کے بل زمین پر گرے لیکن گرتے ہی سنبھل کر اُٹھ کھڑے ہُوئے۔[1] حضرت زینب (علیہا السلام) خیمے سے یہ دلفگار مناظر دیکھ رہی تھیں۔ آپ (علیہ السلام) کو گرتے دیکھا تو آہ و بُکا کرتی ہوئی باہر تشریف لائیں۔ طبری نے بھی لکھا ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) کی بہن زینب بنت فاطمہ (علیہا السلام) خیمہ سے نکل آئیں۔ اُس وقت ابنِ سعد امام حسین (علیہ السلام) کے قریب گیا تو بی بی (علیہا السلام) نے اُسے مخاطب کر کے فرمایا، ''ہائے! آسمان زمین پر پھٹ کیوں نہیں پڑتا؟ اے ابنِ سعد! حسین (علیہ السلام) قتل ہو رہے ہیں اور تُو دیکھ رہا ہے؟'' ابنِ سعد نے یہ سُن کر زینب (علیہا السلام) کی طرف سے مُنہ پھیر لیا۔ اُدھر شمر لعین نے چلّا کر اپنے ساتھیوں سے کہا، ''انتظار کیوں کر رہے ہو، حسین (علیہ السلام) کا کام تمام کیوں نہیں کرتے؟ ایک روایت یوں ہے کہ حُصین بن نُمیر نے امام حسین (علیہ السلام) کے دہنِ اقدس پر، ابوایوب غنوی نے حلق پر اور سنان بن انس نے سینۂ اقدس پر تیر چلائے۔ زرعہ بن شریک نے تلوار سے وار کیا، صالح بن وہب نے زہر آلودہ تیر آپ (علیہ السلام) کے پہلو پر مارا جس کی بدولت آپ (علیہ السلام) ذوالجناح سے دائیں رخسار کے بل زمین پر گر پڑے لیکن فوراً سنبھلے اور گلوئے مبارک سے تیر کو نکالا۔ اُس وقت عمر بن سعد آپ (علیہ السلام) کے قریب کھڑا تھا۔ حضرت زینب (علیہا السلام) خیمے سے یہ اندوہناک منظر دیکھ کر ضبط نہ کر سکیں اور گریہ و فغاں کرتے ہُوئے فرمایا، ''کاش اس وقت آسمان زمین پر آ گرتا۔'' پھر عمر سعد کو مخاطب کر کے فرمایا، '' اے ابنِ سعد! ابوعبداللہ قتل کیے جا رہے ہیں اور تم کھڑے دیکھ رہے ہو؟'' یوں بھی روایت ہے کہ جب یزیدیوں نے آپ (علیہ السلام) کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو زرعہ بن شریک نے آپ (علیہ السلام) کے شانے پر تلوار چلائی۔ آپ (علیہ السلام) نے اُس پر جوابی وار کیا جس سے وہ زمین بوس ہو گیا۔ ایک اور ملعون نے تلوار سے ایسی ضرب لگائی کہ آپ (علیہ السلام) مُنہ کے بل گر پڑے۔ آپ (علیہ السلام) کے گرتے ہی ہر طرف سے پے در پے حملے ہونے لگے۔ آپ (علیہ السلام) اُٹھنے کی کوشش کرتے لیکن زخموں کی تاب نہ لا کر دوبارہ مُنہ کے بل گر پڑتے۔ یہ دیکھ کر سنان بن انس ملعون نے آپ کی گردن مبارک پر نیزہ مارا اور پھر باہر نکال کر سینۂ اقدس پر وار کیا، اس کے بعد ایک تیر گلے پر چلایا۔ امام حسین (علیہ السلام) نے بدقت تمام وہ تیر گلوئے مبارک نکالا اور اپنا مقدس خون دونوں ہاتھوں میں لے کر ریشِ اقدس پر لگایا اور فرمایا، ''میں اسی لہولہان حالت میں خداوند ذوالجلال سے ملاقات کروں گا۔'' عمر بن سعد نے خولی کو حکم دیا، ''حسین (علیہ السلام) کا سر قلم کر دو۔'' خولی آگے بڑھا

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۷۵ تا ۲۷۸
سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ۶۶۴ ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۷۶ تا ۷۷

لیکن جلالِ امام (علیہ السلام) سے اُس کا بدن کانپنے لگا اور وہ یہ جرأت نہ کر سکا۔ اُس کے بعد سنان بن انس دوبارہ آگے بڑھا اور یہ کہتے ہُوئے کہ میں جانتا ہوں کہ تم فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہو اور تمھارے ماں باپ بہترین خلائق ہیں، امام مظلوم (علیہ السلام) کے سرِ اقدس کو تنِ مُطہر سے جُدا کر دیا۔ [1]

اور مشہور روایت یہ ہے کہ جب شمر نے کہا کہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہو جلد کام تمام کرو تو زرعہ بن شریک نے امام (علیہ السلام) کے دوشِ مبارک پر تلوار سے وار کیا جس کی وجہ سے آپ (علیہ السلام) مُنھ کے بل گرے۔ آپ (علیہ السلام) اُٹھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ سنان بن انس نے نیزے سے ایسا وار کیا کہ آپ (علیہ السلام) پھر مُنھ کے بل گر پڑے۔ شمر ملعون نے خولی سے کہا کہ آپ (علیہ السلام) کا سرِ اقدس قلم کر دے، پس وہ آگے بڑھا لیکن دہشت سے اُس کے ہاتھ کانپنے لگے اور وہ بیہوش ہو گیا۔ شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں کہ امام (علیہ السلام) کا سر قلم کرنے کے لیے خولی بن یزید آگے بڑھا لیکن وہ کانپنے لگا تو شمر نے اُسے کہا کہ خدا تیرے بازو کاٹ کر ٹکڑے کرے، تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تُو کانپ رہا ہے؟ پھر شمر لعین خود گھوڑے اُتر کر امام (علیہ السلام) کی طرف گیا اور اُس نے آپ (علیہ السلام) کو ذبح کیا اور سر اقدس کاٹ کر خولی بن یزید کو دیا اور کہا کہ اسے عمر بن سعد کے پاس لے جاؤ۔ [2] بروایتے، شمر ملعون، جس کے چہرے پر برص کے داغ تھے، گھوڑے سے اُتر کر خود آگے بڑھا اور (معاذ اللہ) اُس مصحف ناطق (امام عالی مقام علیہ السلام) کو ٹھوکر مار کر پشت کے بل گرایا اور ریشِ مطہر کو ہاتھ میں لے کر قتل کرنا چاہا تو امام عالی مقام (علیہ السلام) نے فرمایا، ''اے شمر! سگِ ابلق (چتکبرے کتے)! تُو وہی ہے جسے میں نے خواب میں دیکھا تھا۔'' یہ سُن کر وہ ''چتکبرا کتا'' غیض وغضب سے بھونکنے لگا، ''تم مجھے کتے سے تشبیہ دیتے ہو؟ میں تمھیں قتل کر رہا ہوں، حالانکہ جانتا ہوں کہ تمہارے والد نیک ترین خلقِ خدا ہیں۔'' محمد بن عمر بن حسن سے روایت ہے کہ میں صحرائے کربلا میں امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ تھا۔ آپ (علیہ السلام) نے شمر ذی الجوشن کو دیکھ کر فرمایا، ''صدق اللہ ورسولہ! میرے جد نے مجھے خبر دی ہے کہ ایک چتکبرا کتا میرے اہل بیت (علیہم السلام) کا خون پی رہا ہے۔'' پس، جب شمر ملعون نے امام (علیہ السلام) کو قتل کرنا چاہا تو آپ (علیہ السلام) نے پانی طلب کیا۔ اُس نے کہا، ''اے فرزندِ ابوتراب! تمھارا دعویٰ ہے کہ تمھارے والد ساقیِ کوثر ہیں اور اپنے دوستوں کو اُس سے سیراب کرتے ہیں۔ پس! صبر کرو یہاں تک کہ اُن کے ہاتھ سے سیراب ہو۔'' امام (علیہ السلام) نے اتمامِ حُجّت کے لیے اُس سے فرمایا، ''تم مجھے قتل کرنے جا رہے ہو، کیا نہیں جانتے کہ میں کون ہوں؟'' اُس نے کہا، ''میں خوب جانتا

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۷۵ تا ۲۷۸
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۲۸
سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۷۹ تا ۸۰
[2] شیخ مفیدؒ، ارشاد (تذکرۃ الاطہار، مترجم مولانا سیّد صفدر حسین نجفی، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور)، ص ۳۲۲

ہوں کہ تمھاری والدہ فاطمہ زہرا (علیہا السلام) بنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، تمھارے والد علی مرتضیٰ (علیہ السلام) اور تمہارے نانا محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور تمھارا دشمن، دشمنِ پروردگارِ اعلیٰ ہے، لیکن میں تمھیں قتل کر رہا ہوں اور کچھ بُرا نہیں کر رہا۔" یہ کہہ کر اُس بدذات نے پے درپے تلوار کے وار کر کے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بیٹے کا سرِ اقدس تن سے جُدا کر ڈالا۔ [۱]

سرخ وسیاہ آندھی

سیّد ابن طاوسؒ لکھتے ہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد ایسی سیاہ آندھی چلی کہ تمام عالم تِیرہ وتاریک ہوگیا۔ ساتھ ہی ایسی سُرخ آندھی اُمنڈ آئی کہ کسی کو کچھ سُجھائی نہ دیتا تھا۔ لوگ سمجھے کہ قیامت آگئی ہے اور عذابِ خدا نازل ہوگیا ہے۔ لیکن امام زین العابدین (علیہ السلام) کے وجود کی برکت سے وہ آندھی کچھ دیر کے بعد تھم گئی۔ [۲]

ملائکہ کی فریاد

سیّد ابنِ طاوسؒ، ابوطاہر محمد بن حسن کی کتاب معالم الدین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ امام صادق (علیہ السلام) نے فرمایا کہ جب امام حسین (علیہ السلام) شہید ہوگئے تو فرشتے بارگاہِ الٰہی میں فریاد کرنے لگے کہ خدایا! حسین (علیہ السلام) تیرے خاص بندے اور تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نواسے ہیں جنھیں ان لوگوں نے شہید کر دیا ہے۔ خداوند کریم نے اُنھیں حضرت قائم آلِ محمد امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا عکس دکھایا اور فرمایا کہ میں اس شخص کے ہاتھوں حسین (علیہ السلام) کے دشمنوں سے اُس کا انتقام لوں گا۔ [۳]

امام حسین (علیہ السلام) کے زخموں کی تعداد

علامہ باقر مجلسیؒ بحوالہ سیّد ابنِ طاوس اور صاحبِ مناقب، لکھتے ہیں کہ امام (علیہ السلام) کے جسم مبارک پر بہتر (۷۲) زخم آئے۔ ابنِ شہر آشوب نے ابومخنف سے اور اُس نے امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے نقل کیا ہے کہ ان میں بتیس (۳۲) زخم تیروں کے اور چونتیس (۳۴) تلواروں کے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ زخموں کی تعداد تین سو ساٹھ (۳۶۰) تھی۔ بروایتے نیزوں اور تیروں کے زخموں کے علاوہ صرف تلواروں کے بتیس (۳۲) زخم تھے۔ یہ بھی منقول ہے کہ جسمِ اقدس پر ایک ہزار نو سو (۱۹۰۰) زخم تھے اور اس قدر تیر پیوست تھے جیسے خار پشت (ساہی) کے جسم پر کانٹے ہوتے ہیں۔ تمام کے تمام زخم امام

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل ص ۲۷۸ تا ۲۷۹

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، بحارالانوار، ج ۱۰، حصّہ اوّل، ص ۲۷۹ تا ۲۸۰؛ سیّد ابنِ طاوس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۸۰ تا ۸۱

[۳] سیّد ابنِ طاوس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۸۰

(علیہ السلام) کے بدن کے اگلے حصّے پر تھے یعنی آپ (علیہ السلام) نے جنگ کے کسی مرحلے پر بھی دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائی اس لیے پشتِ اقدس پر کوئی زخم نہیں تھا۔ [۱]

امام حسین (علیہ السلام) کے لباس پر ڈاکہ

مالک بن بشیر کندی کے وار سے امام (علیہ السلام) کا عمامہ اور خز کا کُلہ زمین پر گرے تو وہ ملعون کُلہ لے کر بھاگ گیا۔ [۲]

ایک روایت کے مطابق آپ (علیہ السلام) کا عمامہ اخنس بن مرثد بن علقمہ حضرمی لے گیا اور دوسری روایت کے مطابق جابر بن یزید لے گیا اور جب اُس نے وہ عمامہ اپنے نجس سر پر باندھا تو اُسی وقت دیوانہ ہوگیا۔ اور بروایتے سیّد بن طاوس، وہ جذام میں مبتلا ہوگیا۔ امام (علیہ السلام) کا پیرہن (پوشاک) اسحٰق حضرمی ملعون نے لوٹ لیا اور جب اُس نے پہنا تو برص کے مرض میں مبتلا ہوگیا اور اُس کے بال جھڑ گئے۔ روایت ہے کہ آپ (علیہ السلام) کے پیرہن پر ایک سو دس (۱۱۰) سے زیادہ تیروں، تلواروں اور نیزوں کے نشانات تھے۔ محمد بن ابی طالب نے روایت کی ہے کہ امام (علیہ السلام) کے نعلین مبارک، اسود بن خالد نے اُٹھا لیے اور ایک لعنتی بجدل بن سلیم کلبی نے امام (علیہ السلام) کی انگشت مبارک کاٹ کر انگوٹھی اُتار لی۔ بعد ازاں مختار ثقفی نے اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور وہ خاک و خون میں لوٹتا ہُوا ہلاک ہُوا۔ حضرت (علیہ السلام) کی چادر قیس بن اشعث نے چُرا لی (اُس دن سے اُس کا نام قیس قطیفہ یعنی چادر والا قیس پڑ گیا) اور زِرہ عمر بن سعد اُٹھا کر لے گیا۔ آپ (علیہ السلام) کی تلوار لوٹنے والوں کے متفرق نام مختلف روایات میں ملتے ہیں جن میں جمیع بن خلق اودی، اسود بن حنظلہ تمیمی، ابنِ سعید، محمد بن زکریا اور قبیلہ نہشل کے ایک شخص کا ذکر ہے۔ لیکن وہ تلوار ذوالفقار نہیں تھی کیونکہ ذوالفقار تبرکات نبوّت و امامت میں سے ایک ہونے کی وجہ سے اُنھیں کے ساتھ محفوظ تھی۔ [۳] بروایتے لباس، بحرین کعب نے اُتار لیا اور اُس کے ہاتھ سوکھ کر لکڑی کی مانند ہوگئے جن سے خون اور پیپ ملا مواد ٹپکتا تھا۔ [۴] آقائی صدرالدین قزوینی لکھتے ہیں کہ دِین کے دشمنوں نے امام (علیہ السلام) کا تمام لباس لُوٹ لیا یہاں تک کہ پائجامہ بھی چاک چاک کر ڈالا۔ بجیر بن عمر نے زیریں لباس اُتارنا چاہا تو اُسی

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۷۵

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۷۶

[۳] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (درحالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۸۰ تا ۲۸۱

ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۳۰

سیّد ابنِ طاوس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف ص ۸۲

[۴] سیّد ابنِ طاوس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف ص ۸۷ تا ۹۷

وقت اُس کے دونوں ہاتھ مفلوج ہوگئے اور وہ لباس نہ اُتار سکا۔ یہ وہی پُرانا لباس تھا جو امام (علیہ السلام) نے آخری مرتبہ رخصت ہوتے وقت منگوا کر پہنا تھا اور بقولے سیّد ابنِ طاووس، وہ لباس بہت زیادہ بوسیدہ اور جگہ جگہ سے چاک چاک تھا، عمامہ اخنس بن مرثد نے لُوٹا، قبا جعونہ بن جویہ نے اُتار لی، مالک بن شعر نے آپ (علیہ السلام) کی زِرہ اور اسود بن خالد نے نعلین اُتار لیے۔ اسود بن حنظلہ نے آپ (علیہ السلام) کی تلوار اور بحر بن کعب تمیمی نے اُوپر کا لباس اُتار لیا۔ بقولے، عمر بن سعد نے امام حسین (علیہ السلام) کی زِرہ اُتاری اور بعد میں لوگوں کو دکھائی۔ بجدل بن سلیم بھی لالچ میں آیا اور عبیداللہ بن زیاد کی نظروں میں ممتاز ہونے کی خواہش لیے مقتل میں پہنچا۔ اُسے امام (علیہ السلام) کے جسمِ اطہر سے اُتارنے کے لیے جب کچھ نہ ملا تو اُس کی نظر آپ (علیہ السلام) کی انگشتری پر پڑی۔ اُس نے اُسے اُتارنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہُوا تو انگشت مبارک کاٹ کر انگوٹھی اُتار لی۔ [۱]

ذوالجناح

صدرالدین قزوینی لکھتے ہیں کہ جب عمر ابنِ سعد کا لشکر امام حسین (علیہ السلام) کا لباس اور اسباب لُوٹنے میں مشغول تھا تو اُس وقت زخم خوردہ اور پیاسا ذوالجناح آپ (علیہ السلام) سے کچھ دُور کھڑا تھا۔ وہ آکر آپ (علیہ السلام) کا طواف کرتا اور جب لشکری اُسے پکڑنے کی کوشش کرتے تو اُن پر حملہ کرتا، دولتیاں مارتا، دانتوں سے کاٹتا اور اُنھیں زخمی کر کے دُور جا کھڑا ہوتا۔ آخرکار اُس نے خیامِ اہلِ بیت (علیہم السلام) کا رُخ کیا اور درِ خیمہ پر جا کر صیحہ کیا۔ اُس کی ہنہناہٹ سُن کر اہلِ حرم درِ خیمہ پر جمع ہوگئے اور اُسے بغیر سوار کے دیکھ کر آہ و فغاں کرنے لگے۔ سکینہ خاتون (علیہا السلام) بابابابا کہہ کر فریاد کرنے لگیں، حضرت اُمّ کلثوم نے ذوالجناح کی گردن میں باہیں ڈال دیں اور رونے لگیں۔ ذوالجناح گریہ وصیحہ کرتے ہُوئے زمین پر گرا اور اپنی جان دے دی۔ محمد بن ابی طالب نے لکھا ہے کہ وہ سر پٹک پٹک کر خیمے کے سامنے ہی مر گیا۔ ابوالموید خوارزی نقل کرتے ہیں کہ بعد شہادتِ امام حسین (علیہ السلام)، وہ صحرا کی طرف نکل گیا اور کسی کو اُس کا کوئی نشان نہ ملا۔ بقولے، وہ نہرِ فرات میں کُود گیا اور اس کے بعد اُس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ یہ بھی منقول ہے کہ وہ کربلا سے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے پہنچا اور امام (علیہ السلام) کی شہادت کی خبر پہنچائی اور اب وہ حضرت قائم آلِ محمد امام مہدی (علیہ السلام) کی خدمتِ اقدس میں موجود ہے۔ [۲]

ابنِ شہر آشوب نے ابومخنف سے روایت کی ہے کہ جب امام حسین (علیہ السلام) کے گھوڑے نے آپ کو زمین پر پڑے دیکھا تو آپ کی نصرت میں دشمنوں پر حملہ کر دیا اور چالیس گھڑسواروں کو زمین پر گرا کر ٹاپوں سے روند ڈالا۔ پھر امام (علیہ السلام) کا خون

---

[۱] آقائی صدرالدین قزوینی، ریاض القدس، ج ۲ ص ۴۰۷

[۲] آقائی صدرالدین قزوینی، ریاض القدس، ج ۲ ص ۴۰۹

لگا کر فریاد کرتا ہوں خیامِ اہلِ بیت (علیہم السلام) کی طرف روانہ ہو گیا۔ [۱] اور جب مخدراتِ عصمت نے اُسے امام (علیہ السلام) کے بغیر اس حالت میں دیکھا تو سر پیٹ لیے اور آہ وفغاں کرنے لگیں۔ خیام میں ایک کہرام بپا ہو گیا جب کہ ذوالجناح نے زمین پر سر مار مار کر جان دے دی۔ [۲]

خیامِ حسینی میں لُوٹ مار

امام مظلوم (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد عمر بن سعد اپنے جتھے کو لے کر خیامِ اہلِ بیت (علیہم السلام) کی طرف بڑھا اور لُوٹ مار شروع کر دی۔ اُس نے ظلم وستم کی تمام حدیں پار کرتے ہُوئے محرماتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر بہیمانہ تشدّد کیا، اُن کا اسباب، زیورات، حتیٰ کہ سروں کی چادریں بھی لوٹ لیں اور اُنھیں سر برہنہ خیام سے باہر نکال کر قید کر لیا۔

مؤرخ حمید بن مسلم لکھتا ہے کہ جب یزیدیوں نے دخترانِ فاطمہ زہرا (علیہا السلام) کو لوٹنے کا ارادہ کیا تو عمر بن سعد ہی کے لشکر سے قبیلہ بکر بن وائل کی ایک خاتون تلوار لے کر خیامِ حسینی کی طرف بھاگی اور حملہ آوروں اور خیموں کے درمیان حائل ہو کر چلاّئی، ''اے اولادِ بکر بن وائل! کیا تم روا رکھتے ہو کہ دخترانِ فاطمہ زہرا (علیہا السلام) کو لوٹو؟ خدا تمھیں سمجھے اور تم سے ذریّتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا انتقام لے۔'' یہ دیکھ کر اُس کا شوہر آیا اور اُسے زبردستی اپنے ساتھ واپس لے گیا۔ پس، یزیدیوں نے خیموں کو آگ لگا دی اور دخترانِ بتول (علیہا السلام) کو ننگے سر اور ننگے پاؤں باہر نکال کر نہایت بے رحمی اور بے توقیری سے قید کر لیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ یزیدیوں نے سادات کے خیموں کو گھیر لیا۔ ابنِ شہر آشوب نے مناقب میں لکھا ہے کہ شمر ملعون مع لشکر داخلِ خیامِ عترتِ خیر الانام (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہُوا اور اہلِ حرم کا تمام اسباب وزیور لُوٹ لیا، بیبیوں کی سخت مزاحمت کے باوجود اُن کے سروں سے چادریں اُتار لیں اور حضرت اُمّ کلثوم کے کان زخمی کر کے گوشوارے چھین لیے۔ پھر سب لٹیرے ٹوٹ پڑے اور جس کے ہاتھ جو آیا لُوٹ لے گیا۔ حضرت فاطمہ صغریٰ بنتِ حسین (علیہا السلام) سے روایت ہے کہ اپنے بابا کی شہادت کی بعد میں درِ خیمہ پر کھڑی دیکھ رہی تھی کہ وہ اور اُن کے ساتھی ذبح ہو کر قربانی کے جانوروں کی طرح خاک وخون میں غلطاں پڑے تھے۔ اُن کے لاشے پامال ہو رہے تھے اور میں فکر مند تھی کہ اب یہ ظالم ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے کہ اچانک ایک سوار نیزہ لیے ہُوئے خواتین کی طرف آیا۔ وہ بیبیوں کی پشت پر نیزہ مارتا اور وہ بیچاریاں اُس کے خوف سے ایک دوسرے کے پیچھے چھپتی تھیں۔ عورتیں مدد کے لیے فریاد کر رہی تھیں اور وہ جس کے پاس جو کچھ تھا لُوٹ رہا تھا۔ یہ حال دیکھ کر میں خوف سے

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۷۹

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۸۳

کانپنے لگی اور میرے حواس معطل ہو گئے۔ میں اپنی پھوپھی اُمّ کلثوم کو ڈھونڈنے لگی تا کہ اُن کے پاس پناہ لوں کہ ایسے میں اُس ملعون کی نظر مجھ پر پڑی۔ میں بھاگی لیکن وہ میرے پیچھے لپکا اور میری پشت پر نیزہ مارا جس سے میں مُنہ کے بل زمین پر گِر گئی۔ اُس ملعون نے میرے رِدا چھین لی اور میرے گوشوارے نوچ لیے۔ میرے رخساروں پر خون بہنے لگا، میں بیہوش ہوگئی اور وہ مجھے چھوڑ کر خیمے میں گھس گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنی پھوپھی زینب (علیہا السلام) کو اپنے پاس کھڑے پایا۔ وہ رو رہی تھیں اور فرما رہی تھیں، ''اے نورِ دیدہ! اُٹھ! چل کر دیکھیں کہ تیری بہنیں اور بیمار بھائی کس حال میں ہیں؟'' میں نے کہا، ''پھوپھی جان! کیا کوئی چادر ہے جسے میں اوڑھ لوں؟'' فرمایا، ''بیٹی! تیری پھوپھی بھی تیری طرح سر برہنہ ہے۔'' میں نے دیکھا کہ واقعی اُن کا سر کھلا تھا اور نیزوں کی چوٹوں سے سیاہ ہو چکا تھا۔ [1]

ابواسحاق اسفرائنی کے مطابق ابنِ سعد نے حکم دیا کہ خیمہ ہائے اہلِ حرم کو لوٹ لو۔ پس وہ بدکردار خیموں میں داخل ہُوئے اور حرم اور بچوں کے کپڑے تک لُوٹ کر لے گئے۔ [2] طبری نے لکھا ہے کہ لوگوں نے مال و متاع لُوٹنے کے لیے اہلِ حرم کے خیموں کا رُخ کیا اور خواتین کی چادریں تک چھین لے گئے۔ [3] ابنِ نما نے تحریر کیا ہے کہ یزید کے لشکر نے خیموں کا رُخ کیا اور اہلِ حرم کا تمام سامان لُوٹ لیا، اُن کے سروں سے چادریں، ہاتھوں سے انگوٹھیاں، کانوں سے بالیاں اور پاؤں سے نعلین تک اُتار لیے۔ [4] حضرت فاطمہ صغریٰ بنتِ حسین (علیہا السلام) سے روایت ہے کہ خیموں میں جو کچھ تھا وہ لُوٹ کر لے گئے حتیٰ کہ سروں کی چادریں بھی چھین لیں۔ میرے پاؤں میں سونے کے خلخال (پاؤں کا زیور/ پازیب) تھے جنہیں ایک آدمی اُتار کر لے گیا۔ [5] حضرت زینب خاتون (علیہا السلام) فرماتی ہیں کہ میں خیموں کے صدر دروازے پر کھڑی تھی کہ ایک نیلی آنکھوں والا ظالم آیا اور جو کچھ خیمے میں تھا تاراج کر دیا۔ اُس وقت میرا بھتیجا سجاد (علیہ السلام) بیماری کی حالت میں خیمے کے اندر بستر پر لیٹا تھا۔ اُس نے بیمار کو زمین پر ڈال کر اُس کا بستر کھینچ لیا، میرے سر سے چادر اور گوشوارے چھین لیے اور بچوں کو تازیانے مارے۔ حضرت فاطمہ بنت الحسین (علیہا السلام) فرماتی ہیں کہ خیموں کی تاراجی کے وقت ایک گھڑسوار آیا جس کے ہاتھ میں ایک لمبا نیزہ تھا۔ وہ اُس سے عورتوں اور بچوں کو مارتا اور پھر خیموں کو لُوٹتا۔ مؤرخ حمید بن مسلم لکھتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ جب

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۸۲ تا ۲۸۴
سیّد ابنِ طاوٴس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۸۳؛ آقائی صدر الدین قزوینی، ریاض القدس، ج ۲ ص ۴۱۱

[2] طالب جوہری، حدیثِ کربلا، ص ۵۱۳؛ ضیاالعین، ص ۱۳۶

[3] شیخ مفیدؒ، ارشاد (تذکرۃ الاطہار)، ص ۳۲۲؛ طالب جوہری، حدیثِ کربلا، ص ۵۱۳؛ تاریخ طبری، ج ۴ ص ۳۴۲

[4] طالب جوہری، حدیثِ کربلا، ص ۵۱۴؛ مشیر الاحزان، ص ۱۱۳

[5] طالب جوہری، حدیثِ کربلا، ص ۵۱۴؛ ترتیب الامالی، ج ۵ ص ۲۲۳

کسی خاتون کی چادر چھیننے کے لیے کوئی ظالم ہاتھ بڑھاتا تو وہ از خود چادر اور زیور اُتار کر زمین پر پھینک دیتی تاکہ کوئی نامحرم اُسے ہاتھ نہ لگا سکے۔ شیخ حُر عاملی فرماتے ہیں کہ جب لشکرِ اعدا، غارتگری کے ارادے سے خیام کے قریب آیا تو حضرت زینب (علیہا السلام) نے عمر بن سعد ملعون کو پیغام بھیجا کہ لُوٹ مار کرنے میں جلدی مت کرو، اگر تمھیں سامان، لباس اور زیورات وغیرہ ہی درکار ہیں تو ہم تمام مال و اسباب خود جمع کر کے دے دیں گے قبل اس کے کہ کوئی نامحرم ہمارے خیموں میں داخل ہو اور ہمیں ہاتھ لگائے۔ پس، جناب زینب خاتون (علیہا السلام) نے تمام مخدرات سے فرمایا کہ سامان اکٹھا کرو۔ سب نے اپنا اپنا زیور اور چادریں یکجا کیں اور حضرت زینب (علیہا السلام) نے اُن جمع شدہ چیزوں کو ایک خیمے میں رکھ دیا جنہیں یزیدیوں نے لُوٹنا شروع کر دیا، اور جس کے ہاتھ جو چیز لگی وہ لے گیا۔ [۱]

سیّد ابنِ طاوس کے مطابق ابنِ سعد کے فوجیوں نے اہلِ حرم کو خیموں سے باہر نکال کر اُن میں آگ لگا دی۔ پس بیبیاں اس حال میں باہر نکلیں کہ اُن کی ردائیں چھن چکی تھیں اور پاؤں میں نعلین نہیں تھے۔[۲] فاضل قرشی لکھتے ہیں کہ لوگ آگ لیے ہُوئے اُن خیموں کی طرف آئے جن میں رسالت کی بیٹیاں پردہ نشین تھیں۔ ایک شخص نے آواز لگائی کہ ظالموں کے خیمے جلا دو۔ حضرت سیّد سجاد (علیہ السلام) اس منظر کو کبھی نہ بھلا سکے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب بھی اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کو دیکھتا ہوں تو گریہ گلوگیر ہو جاتا ہے اور میں اُس وقت کو یاد کرنے لگتا ہوں جب وہ ایک خیمے سے دوسرے میں پناہ ڈھونڈ رہی تھیں اور فوجِ یزید کا منادی آواز لگا رہا تھا کہ ظالموں کے خیمے جلا دو۔[۳] منقول ہے کہ جب خیموں کو آگ لگی ہوئی تھی تو جناب زینب (علیہا السلام) نے حضرت امام زین العابدین (علیہ السلام) سے پوچھا کہ اس حالت میں کیا فتویٰ ہے؟ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ آپ سب کو (جان بچانے کے لیے) خیموں سے باہر نکل جانا چاہیے۔ ساری بیبیاں باہر نکل گئیں لیکن جناب زینب (علیہا السلام) حضرت سجاد (علیہ السلام) کے پاس موجود رہیں کیونکہ وہ اُٹھنے بیٹھنے سے قاصر تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ ایک بی بی جلتے ہُوئے خیمے کے دروازے پر آگ میں گھری ہوئی کھڑی تھی اور دائیں بائیں (مدد کے لیے) دیکھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا کہ سب بیبیاں تو چلی گئی ہیں آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟ اُس بی بی نے جواب دیا کہ ہمارا بیمار جلتے ہُوئے خیمے کے اندر ہے اور وہ حرکت کرنے سے قاصر ہے۔[۴]

---

[۱] آقائی صدرالدین قزوینی، ریاض القدس، ج ۲ ص ۴۱۰ تا ۴۱۲

[۲] طالب جوہری، حدیثِ کربلا، ص ۵۱۴؛ سیّد ابنِ طاوٗس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۸۳

[۳] طالب جوہری، حدیثِ کربلا، ص ۵۱۵؛ حیات الامام الحسین (علیہ السلام)، ج ۳ ص ۲۲۸

[۴] طالب جوہری، حدیثِ کربلا، ص ۵۱۵؛ معالی السبطین، ج ۲ ص ۸۸

حضرت امام زین العابدین (علیہ السلام) کو شہید کرنے کی کوشش

حضرت فاطمہ صغریٰ بنتِ حسین (علیہا السلام) سے روایت ہے کہ اپنے بابا کی شہادت کی بعد میں اپنی پھوپھی زینب (علیہا السلام) کے ساتھ بھائی بہنوں کی خبر گیری کے لیے خیمے میں آئی تو دیکھا کہ ظالم سب مال و اسباب لُوٹ کر لے جا چکے تھے اور میرے سخت بیمار اور بھوکے پیاسے بھائی زین العابدین (علیہ السلام) مُنھ کے بل زمین پر پڑے تھے۔ [1]

شیخ مفیدؒ نے حمید بن مسلم سے روایت کی ہے کہ ستم گاران جب حضرت امام زین العابدین (علیہ السلام) کے خیمے میں پہنچے تو دیکھا کہ وہ بسترِ علالت پر پڑے ہُوئے تھے۔ شمر اور اُس کے ساتھیوں نے اُنھیں قتل کرنا چاہا تو میں نے کہا کہ تم نے سب کو مار دیا ہے، یہ لڑکا تو سخت بیمار ہے، اسے چھوڑ دو۔ پس میں حائل ہو گیا اور اس بیمار کو دشمنوں کے شر سے بچایا۔ بروایتے، عمر بن سعد وہاں پہنچا تو خواتین رونے اور فریاد کرنے لگیں، چنانچہ اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ علی ابن الحسین (علیہ السلام) اور خواتین کو آزار نہ پہنچاؤ اور خیمے کے باہر پہرہ دو تا کہ ان میں سے کوئی فرار نہ ہو سکے۔ [2]

صاحبِ ریاض القدس، اخبار الدول کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جیسے ہی شمر نے خنجر نکال کر امام زین العابدین (علیہ السلام) کو قتل کرنا چاہا، تمام خواتین اور بچوں کی گریہ و زاری کا شور بلند ہُوا۔ جناب زینب (علیہا السلام) نے اپنے آپ کو امام سجاد (علیہ السلام) کے اُوپر گرا کر اُنھیں اپنی گود میں لے لیا اور زار و قطار رونے لگیں۔ بروایتے، امام حسین (علیہ السلام) اُنھیں وصیّت کر رکھی تھی کہ میرے بعد سجاد (علیہ السلام) کو کئی مرتبہ قتل کرنے کی کوشش کی جائے گی اور تم اپنی گریہ وزاری سے اُس کو روکنے کی سعی کرنا۔ پس، جناب سیّدہ زینب (علیہا السلام) کی یہ پہلی کوشش تھی۔ اُنھوں نے جناب سجاد (علیہ السلام) کو اپنی آغوش میں لے کر فرمایا، "بخدا! جب تک مجھے قتل نہ کر دیا جائے تب تک اسے مرنے نہیں دُوں گی۔" عین اُس وقت عمر بن سعد آ گیا۔ [3]

واقدی نے لکھا ہے کہ جب امام حسین (علیہ السلام) شہید ہُوئے تو اُن کے بیٹے حضرت علی ابن الحسین (علیہ السلام) بیمار

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصہ اوّل، ص ۲۸۴

[2] علامہ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج ۱۰ حصہ اوّل، ص ۲۸۴
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۳۱
شیخ مفیدؒ، ارشاد (تذکرۃ الاطہار، مترجم سیّد صفدر حسین نجفی، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور)، ص ۳۲۲
طالب جوہری، حدیث کربلا، ص ۵۱۵

[3] طالب جوہری، حدیث کربلا، ص ۵۱۵
آقائی صدر الدین قزوینی، ریاض القدس، ج ۲ ص ۱۹۵، ج ۲ ص ۴۱۵

تھے۔ شمر اُن کے خیمے میں آیا اور ساتھیوں سے کہا کہ اسے قتل کر دو۔ اُس وقت عمر بن سعد بھی خیمے میں داخل ہُوا اور حضرت علی ابن الحسین (علیہ السلام) کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس لڑکے سے کوئی تعرض نہ کرے، پھر شمر سے کہا کہ وائے ہو تجھ پر، اگر یہ بھی مارا گیا تو حسین (علیہ السلام) کے اہلِ حرم کے ساتھ کون رہے گا؟ [1] قزوینی، بحوالہ اخبار الدول، لکھتے ہیں کہ شمر ملعون جب غارت گری سے فارغ ہُوا تو اُس نے حضرت سیّد سجاد (علیہ السلام) کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ جناب زینب خاتون (علیہا السلام) نے اُس سے فرمایا، ''سجاد (علیہ السلام) کو قتل کرنے سے پہلے مجھے قتل کرو۔'' اُس وقت اہلِ حرم میں شور وفغاں بلند ہُوا۔ ناگاہ، عمر بن سعد آتا دکھائی دیا۔ اُس مردُود نے حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی زِرہ پہن رکھی تھی، جسے دیکھ کر اہلِ حرم کی آہ وبکا میں شدت پیدا ہوگئی اور اُنھوں نے سخت احتجاج کرتے ہُوئے عمر بن سعد سے کہا کہ اولادِ علی (علیہ السلام) کو قتل کرنے کی کوئی حد بھی ہے؟ چنانچہ اُس نے اپنے ساتھیوں کو منع کرتے ہُوئے کہا کہ کوئی شخص اس بیمار کو کچھ نہ کہے۔ شمر اپنی حرکت سے باز تو آ گیا لیکن پوچھنے لگا کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اُسے بتایا گیا کہ امام زین العابدین (علیہ السلام) کو دربارِ ابن زیاد میں زندہ پیش کرنے کا حکم ہے۔ پس شمر ملعون نے حکم دیا کہ سادات کے خیموں کو آگ لگا دو۔ آگ لگتے ہی خیام میں سراسیمگی پھیل گئی۔ مستورات اور بچے گھبرا کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک مخدومہ کبھی جلتے ہُوئے خیمے کے اندر جاتی ہے اور کبھی باہر آ جاتی ہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ کیا آپ کا کوئی سامان خیمے کے اندر رہ گیا ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ میرے بھائی حسین (علیہ السلام) کی نشانی، میرا بھتیجا سجاد (علیہ السلام) بسترِ علالت پر پڑا ہے، میں اُسے لینے جاتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ خاتون پھر خیمے کے اندر گئیں اور کچھ دیر کے بعد سیّد سجاد (علیہ السلام) کو لے کر باہر نکلیں۔ [2]

حضرت زینب (علیہا السلام) کا گریہ

مقتل میں بیبیوں نے اپنے عزیزوں کے لاشے دیکھے تو ماتم اور نالہ وزاری کرنے لگیں۔ روایت ہے کہ جناب زینب (علیہا السلام) ایسے جگر خراش بین کر رہی تھیں کہ سب دوست دشمن رونے لگے۔ راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم! میں حضرت زینب (علیہا السلام) کے وہ بین کبھی فراموش نہیں کر سکتا جو اُنھوں نے اپنے بھائی حسین (علیہ السلام) کے لاشے پر کیے تھے اور جنھوں نے دوست ودشمن سبھی کو رُلا دیا تھا۔ آپ (علیہا السلام) غم ناک انداز میں بین کرتے ہُوئے کہہ رہی تھیں، ''یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اے جدّ

---

[1] طالب جوہری، حدیثِ کربلا، ص ۵۱۵؛ تذکرۃ الخواص، ص ۲۶۸
آقائی صدر الدین قزوینی، ریاض القدس، ج ۲ ص ۱۵ ۴
[2] آقائی صدر الدین قزوینی، ریاض القدس، ج ۲ ص ۱۵ ۴

بزرگوار! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر آسمان کے فرشتے دُرُود بھیجتے ہیں لیکن آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حسین (علیہ السلام) ریت پر اپنے خون میں غلطاں پڑا ہُوا ہے اور اس کے اعضا قطع ہو چکے ہیں۔ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹیاں ہیں جو قید کر لی گئیں ہیں۔ میں ان مظالم پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ، محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، علی مرتضیٰ، فاطمۃ الزہرا اور حمزہ سید الشہدا (علیہم السلام) کے حضور شکایت کرتی ہوں۔ یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ آپ کا حسین (علیہ السلام) ہے جو کربلا کی زمین پر بے لباس پڑا ہُوا ہے اور بادِ صحرا اُس پر خاک ڈال رہی ہے۔ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حسین (علیہ السلام) ہے جو بدذاتوں کے ظلم وستم کی بنا پر قتل کیا گیا ہے۔ ہائے یہ حُزن وملال اور کرب وبلا کا دن، گویا آج کے دن میرے جدِّ بزرگوار رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس دُنیا سے تشریف لے گئے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابیو! یہ تمہارے پیغمبر کی اولاد ہے جس کو قیدیوں کی طرح اسیر کر کے لے جایا جا رہا ہے۔''

اور بروایتے، جناب سیّدہ (علیہا السلام) نے فرمایا ''یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آج آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹیاں قیدی ہیں اور بیٹے قتل ہو چکے ہیں اور بادِ صحرا ان کے جسموں پر خاک ڈال رہی ہے۔ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حسین (علیہ السلام) ہے جس کا سرِ پسِ گردن جُدا کیا گیا اور اس کا عمامہ اور چادر لُوٹ لی گئی۔ میرے ماں باپ قربان ہوں اُس پر جس کے لشکر کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ میرے ماں باپ قربان ہوں اُس پر جس کے خیموں کو جلا دیا گیا۔ میرے ماں باپ قربان ہوں اُس پر جس کا جسم اب ایسا نہیں رہا جس کے واپس آنے کی اُمید کی جا سکے۔ میرے ماں باپ قربان ہوں اُس پر جس کے زخم قابلِ علاج نہیں۔ میرے ماں باپ قربان ہوں اُس پر جس پر میں خود بھی فدا ہونا چاہتی تھی۔ میرے ماں باپ قربان ہوں اُس پر جس کا دِل (ان ظالموں پر) غم وغصہ سے لبریز تھا اور اسی حال میں وہ دُنیا سے چلا گیا۔ میرے ماں باپ قربان ہوں اُس پر جس کو تشنہ لب شہید کیا گیا۔ میرے ماں باپ قربان ہوں اُس پر جس کے جدّ امجد حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیغمبرِ خدا ہیں۔''[۱]

حضرت سکینہ (علیہا السلام) اور شہید باپ کا سینہ

بروایتے، حضرت سکینہ بنت الحسین (علیہا السلام) دوڑ کر امام حسین (علیہ السلام) کے سر بریدہ لاشے سے لپٹ گئیں اور لہولہو بدن کے بوسے لینے اور گریہ کرنے لگیں، لیکن اشقیا نے نرغہ کر کے قہر وجبر کے ساتھ اُنھیں لاشۂ پدر سے الگ کر دیا۔[۲]

---

[۱] سیّد ابنِ طاوؤس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۸۴ تا ۸۵

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج ۱۰، حصہ اوّل، ص ۲۸۱

سیّد ابنِ طاوؤس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۸۴ تا ۸۵

لاشوں کی پامالی

روایت ہے کہ ابنِ سعد نے اپنے ساتھیوں کے درمیان آواز لگائی کہ کون ہے جو حسین (علیہ السلام) کے لاشے کو گھوڑوں کے سُموں سے پامال کرے گا؟ دس جہنمیوں نے آمادگی ظاہر کی۔ پہلا اسحٰق بن حویہ حضرمی، دوسرا اخنس بن مرثد، تیسرا حکیم بن طفیل، چوتھا عمرو بن صبیح صیداوی، پانچواں رجا بن منقذ عبدی، چھٹا سالم بن خیثمہ، ساتواں صالح بن وہب جعفی، آٹھواں واحظ بن ناعم، نواں ہانی بن ثبیت حضرمی اور دسواں اسید بن مالک۔ ان دس یزیدیوں نے گھناؤنی حرکت کا ارتکاب کرتے ہُوئے امام عالی مقام (علیہ السلام) اور آپ (علیہ السلام) کے اصحاب (رضی اللہ عنہم) کے لاشوں کو قوی ترین گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا۔ مروی ہے کہ جب یہ گھناؤنا فعل انجام دینے والے لعین ابنِ زیاد کے سامنے پہنچے تو ان میں سے ایک اسید بن مالک نے کہا، ''ہم نے بہت قوی گھوڑوں کی ٹاپوں سے حسین (علیہ السلام) اور اُن کے اصحاب کی پشتوں اور سینوں کو کچل کر رکھ دیا اور ریزہ ریزہ کر دیا۔'' ابنِ زیاد نے وہاں موجود کسی شخص سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اس پر ان لعینوں نے جواب دیا ''ہم وہ ہیں جنہوں نے لاشِ حسین (علیہ السلام) پر گھوڑے دوڑائے یہاں تک کہ اُن کے سینے کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوگئیں۔'' یہ سُن کر ابنِ زیاد نے اُنھیں قلیل سا انعام دے کر رخصت کر دیا۔ ابوعمرو زاہد سے روایت کہ میں نے ان دس نامردوں کو غور سے دیکھا اور حسب و نسب دریافت کیا تو معلوم ہُوا کہ یہ سب ناجائز اولادیں ہیں۔ [1]

منقول ہے کہ جن گھوڑوں سے امام حسین (علیہ السلام) کے جسدِ اطہر کو پامال کیا گیا وہ عرب کے مشہور گھوڑے ''آواجیاع'' تھے، جن کی خصوصیات اسٹالینز نسل کے گھوڑوں سے بھی اعلیٰ ہوتی ہیں۔ ایک جرمن گھوڑوں کے ماہر کی کتاب ''دُنیا کے سب سے مضبوط اسٹالینز'' کے مطابق، اسٹالینز کی ایک خاص نسل ''آواجیاع'' کے نام سے مشہور ہے۔ ان گھوڑوں کی ایک ٹاپ کا وزن ۶۵ کلوگرام ہوتا ہے اور اس کے نیچے آنے والی چیز کچل کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ ایک اور تحقیق کے مطابق اس گھوڑے کی ایک ٹاپ کا وزن ۱۲۵ کلوگرام ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایسے ۱۰ گھوڑوں کی ٹاپوں سے حسین (علیہ السلام) کے جسمِ اقدس کو کچلا گیا۔ [2]

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحار الانوار، ج ۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۸۲ تا ۲۸۳
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴، ص ۲۳۲
سیّد ابنِ طاوٴس، (متوفی: ۶۶۴ھ، حلہ، عراق)، لہوف، ص ۸۵؛
شیخ مفیدؒ، ارشاد (تذکرۃ الاطہار، مترجم مولانا سیّد صفدر حسین نجفی، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور)، ص ۳۲۲

[2] روزنامہ اوصاف، پاکستان، مورخہ ۱۷ ستمبر ۲۰۲۱ء (https://dailyausaf.com/islam/news-201909-37699.html)

سرہائے شہیداں، اہلِ حرم، مقتل اور تدفین

منقول ہے کہ امام عالی مقام (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد گیارہ محرم کی رات کو جب اہلِ بیت (علیہ السلام) کربلا میں ہی تھے اُن کے خیام کو تاراج کیا گیا اور آگ لگائی گئی۔ اگلے دن یعنی گیارہ محرم کو ظہر کے وقت اسیروں کا قافلہ کوفہ کی طرف روانہ ہُوا۔ عمر ابنِ سعد نے امام حسین (علیہ السلام) کے سرِ اقدس کو خولی بن یزید اور حمید بن مسلم کے سُپرد کیا اور باقی شہدائے کرام کے سرہائے مبارکہ، شمر بن ذی الجوشن کے ذریعے مختلف قبائل کے درمیان تقسیم کیے تاکہ اُنھیں کوفہ میں ابنِ زیاد کے دربار میں پیش کیا جائے۔ ابنِ سعد نے حکم دیا تھا کہ روانگی کے وقت مقتل سے گذرتے ہُوئے اہلِ حرم کو شہدا کی لاشوں پر نہ جانے دیا جائے۔ جناب زینب خاتون (علیہا السلام) کو یہ خبر ملی تو آپ (علیہا السلام) نے اس پر سخت احتجاج کیا اور اور یزیدیوں کو مجبور کیا کہ وہ اہلِ حرم کو اُن کے شہدا کی لاشوں پر جانے دیں۔ اور بروایتے، جب قافلہ روانہ ہُوا تو بیبیوں نے شہیدوں کی لاشوں کو دیکھ کر خود کو اُونٹوں سے گرادیا اور گریہ وزاری کرنے لگیں۔ پس، تمام مُخدّرات اور بچے مقتل میں شہدائے کرام کی لاشوں پر ماتم اور آہ وفغاں کرتے ہُوئے پہنچے۔ سب سے آگے شریکۃُ الحسین حضرت زینب خاتون (علیہا السلام) تھیں۔ بی بی روتے ہُوئے بھائی کے لخت لخت لاشے پر گر گئیں اور نالہ وفریاد کرتی رہیں۔ بی بی (علیہا السلام) نے لاشۂ امام (علیہ السلام) کو مخاطب کرتے ہُوئے کہا، ''ہائے بھیا! تیرے ٹکڑے ٹکڑے جسم کا کوئی حصہّ ایسا نہیں کہ زینب (علیہا السلام) اُس کا بوسہ لے سکے، تیرا سر نیزے پر بلند ہے، تُو بے کفن یہاں پڑا ہے اور زینب اسیر تجھے چھوڑ کر جارہی ہے۔'' بی بی (علیہا السلام) نے اپنے نازک ہاتھوں سے تیروں اور پتھروں کو لاشۂ حسین (علیہ السلام) سے الگ کیا اور جہاں تک ممکن ہوسکا جسمِ اقدس کو درست کیا اور سنوارا، اور گلوئے بریدہ کے بوسے لیے۔ مروی ہے کہ جب حضرت زینب (علیہا السلام) بھائی کے لاشے سے الگ ہوئیں تو جناب سکینہ (علیہا السلام) بابا کے بُریدہ لاشے سے لپٹ گئیں۔ ہر ایک بی بی اپنے اپنے شہید کی لاش پر رورہی تھی اور شمر ملعون اُن کو تازیانے مار مار کر لاشوں سے الگ کررہا تھا۔ [1]

باقر مجلسیؒ اور طبری نے لکھا ہے کہ عمر سعد نے عاشورہ سے اگلے دن اپنے تمام ہلاک شدگان کی لاشیں جمع کر کے نماز جنازہ ادا کی اور تدفین کی لیکن شہدائے حسینی (علیہم السلام) کو اُسی طرح خاک وخون میں غلطاں اور بے گوروکفن پڑا رہنے دیا۔ لشکرِ عمر سعد کے جانے کے بعد بنی اسد نے اجسادِ منوّرہ پر (امام زین العابدین علیہ السلام کی اقتدا میں) نماز ادا کی اور اُن کی تدفین کی۔ ابنِ شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ اہلِ غاریہ (بنی اسد کے لوگ) کہتے تھے کہ جب ہم شہدائے کربلا (علیہم السلام) کو دفن کرنے لگے

[1] آقائی صدرالدین واعظ قزوینی، ریاض القدس (مترجم مولانا سیّد ظل حسنین زیدی، نظامی پریس بک ڈپو، لکھنؤ)، ج ۲ ص ۴۱۶ تا ۴۲۰

توسفید پرندے اُن کے قریب اُڑتے دیکھے اور اکثر قبریں تیار شدہ پائیں۔[1] اِس وقت شہدائے کربلا کا مدفن ایک اجتماعی ضریح کی صورت میں امام حسین (علیہ السلام) کے حرم کے اندر ہی موجود ہے جس پر تمام شہدائے کربلا کے اسمائے گرامی کندہ ہیں۔

۞

امام حسین (علیہ السلام) اپنے اقربا و رفقا کے ساتھ میدانِ کرب و بلا میں شہید ہو کر اَمر ہو گئے۔ یزید اور یزیدیت اُسی دن اپنی موت آپ مر گئے۔ سوائے حضرت سجاد (علیہ السلام) کے، امام عالی مقام (علیہ السلام) کے تمام فرزند شہید کر دیے گئے مگر آج بھی دُنیا کے طول و عرض میں اولادِ حسین (علیہ السلام) موجود ہے جس کا شمار تفسیر کوثر کے مصداق محال ہے۔ یزید ''ابتر'' ہو گیا، اُس کا کوئی وارث نہیں اور اگر ابلیس کی طرح کہیں اُس کا کوئی نام لیوا موجود بھی ہے تو خود اُس کا نام اختیار کرنے سے گریزاں ہے کیونکہ لفظ ابلیس کی طرح لفظ 'یزید' بھی ایک گالی بن چکا ہے۔ کوفہ کی مسجد اور کوفہ، جہاں کبھی علی (علیہ السلام) اور اولادِ علی (علیہم السلام) پر سب و شتم کیا جاتا تھا، آج ''محمد رسول اللہ'' اور ''علی ولی اللہ'' کی صداؤں سے گونج رہے ہیں اور تا ابد گونجتے رہیں گے۔ کربلا معلیٰ میں روضۂ امام حسین (علیہ السلام) پر زائرین کا جمِ غفیر شمعِ فروزان کے پروانوں کی طرف ہر لمحہ حاضر ہے جن کی تعداد حساب سے باہر ہے۔ اربعین کے موقع پر روضۂ امیر المومنین (علیہ السلام) سے امام حسین (علیہ السلام) اور ابوالفضل عباس (علیہ السلام) کے روضوں تک پیدل سفر کرنے والے زائرین کی تعداد کروڑوں میں ہے، جس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

دے کر حیاتِ دیں کو دوبارا گیا حسینؑ
کربل میں اس طرح سے اُتارا گیا حسینؑ
باطل کے سامنے ہے وہ اب بھی کھڑا ہُوا
دُنیا سمجھ رہی تھی کہ مارا گیا حسینؑ
(سیّد حماد رضا بخاری)

۞

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، (متوفی: ۱۱۱۰ھ)، بحارالانوار، ج۱۰ (در حالات امام حسین علیہ السلام) حصّہ اوّل، ص ۲۸۵
ابوجعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی: ۹۲۳ء، بغداد، عراق)، تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۳۲

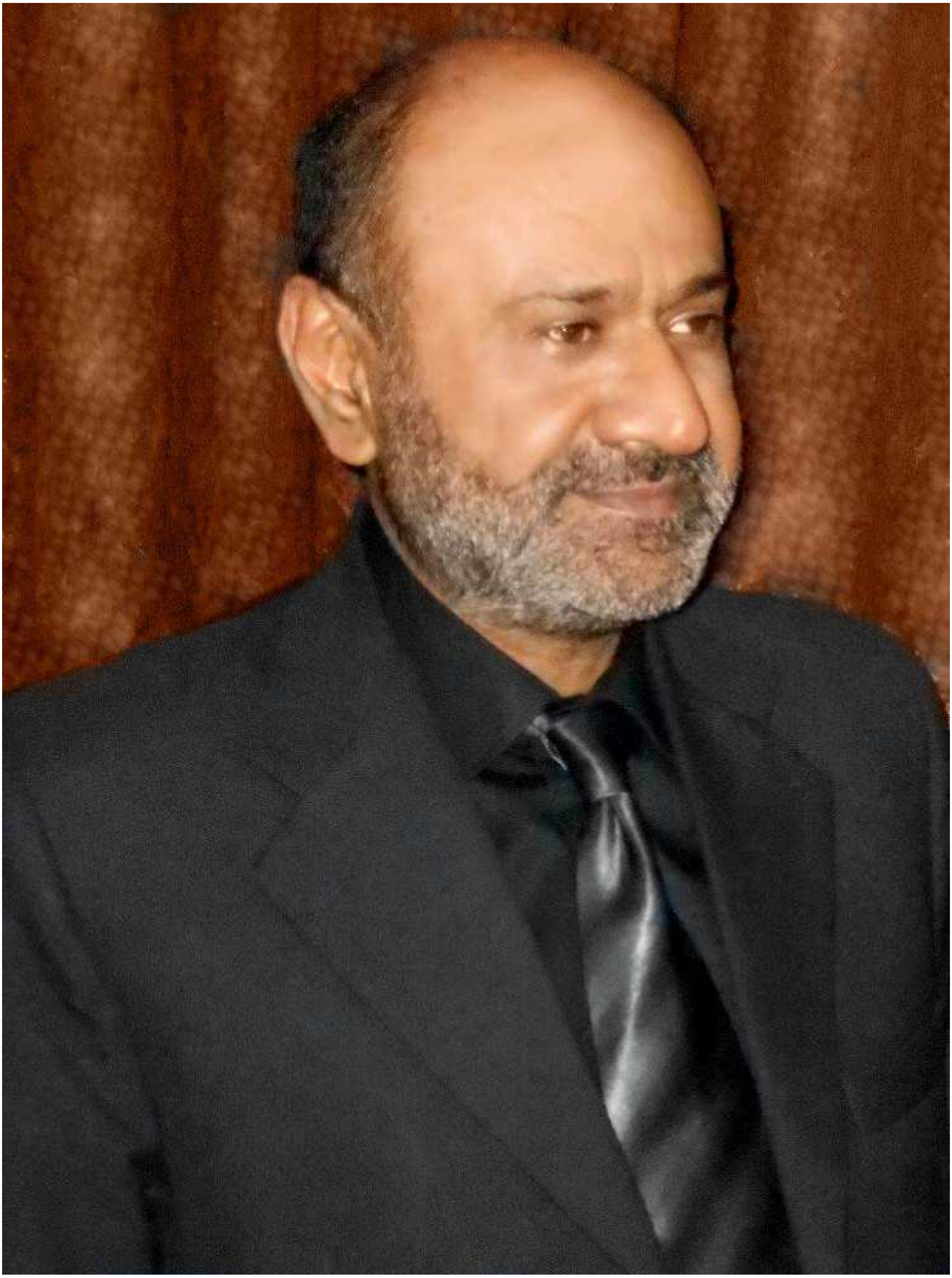

مؤلف: سید حماد رضا بخاری